خطباتِ فقیر جلد دہم
از افادات
محبوب العلماء والصلحاء
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ
مرتب
محمد حنیف نقشبندی
ناشر
مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ فیصل آباد
+92-041-618003

نام کتاب ——— خطبات فقیر جلد دہم

از افادات ——— حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

مرتب ——— مولانا محمد حنیف نقشبندی

ناشر ——— مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ فیصل آباد

اشاعت اوّل ——— فروری 2004ء

اشاعت دوم ——— نومبر 2004ء

اشاعت سوم ——— اگست 2009ء

اشاعت چہارم ——— جولائی 2006ء

اشاعت پنجم ——— مئی 2007ء

اشاعت ششم ——— اپریل 2008ء

اشاعت ہفتم ——— مئی 2009ء

اشاعت نہم ——— اگست 2010ء

تعداد ——— 1100

کمپیوٹر کمپوزنگ ——— فقیر شاہ محمود نقشبندی

فہرست

عرض ناشر

محبوب العلماء والصلحاء حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم کے علوم ومعارف پر مبنی بیانات کو شائع کرنے کا یہ سلسلہ خطبات فقیر کے عنوان سے ۱۹۹۶ء بمطابق ۱۴۱۷ھ میں شروع کیا تھا اور اب یہ دسویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ جس طرح شاہین کی پرواز ہر آن بلند سے بلند تر اور فزوں سے فزوں تر ہوتی چلی جاتی ہے کچھ یہی حال حضرت دامت برکاتہم کے بیانات حکمت ومعرفت کا ہے۔ ان کے جس بیان کو بھی سنتے ہیں ایک نئی پرواز فکر آئینہ دار ہوتا ہے۔ یہ کوئی پیشہ ورانہ خطابت یا یاد کی ہوئی تقریریں نہیں ہیں بلکہ حضرت کے دل کا سوز اور روح کا گداز ہے جو الفاظ کے سانچے میں ڈھل کر آپ تک پہنچ رہا ہوتا ہے۔ دورانِ بیان رخِ انور پر فکر کے گہرے سائے زبان حال سے یہ کہہ رہے ہوتے ہیں

میری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ
کہ میں ہوں محرمِ راز درونِ خانہ

''خطبات فقیر'' کی اشاعت کا یہ کام ہم نے بھی اسی نیت سے شروع کر رکھا ہے کہ حضرت دامت برکاتہم کی اس فکر سے سب کو فکر مند کیا جائے۔ الحمد للہ ک

ادارہ مکتبۃ الفقیر کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ حضرت دامت برکاتہم کے ان بیانات کو کتابی صورت میں استفادۂ عام کے لئے شائع کرتا ہے۔ ہر بیان کو احاطۂ تحریر میں لانے کے بعد حضرت دامت برکاتہم سے اصلاح کروائی جاتی ہے، پھر کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ کا کام بڑی عرق ریزی سے کیا جاتا ہے اور آخر پر پرنٹنگ اور بائینڈنگ کا پیچیدہ اور تکنیکی مرحلہ آتا ہے۔ یہ تمام مراحل بڑی توجہ اور محنت طلب ہیں جو کہ مکتبۃ الفقیر کے زیر اہتمام سرانجام دیئے جاتے ہیں پھر کتاب آپ کے ہاتھوں میں پہنچتی ہے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اشاعت کے اس کام میں کہیں کوئی کمی یا کوتاہی محسوس ہو یا اس کی بہتری کے لئے تجاویز رکھتے ہوں تو مطلع فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

بارگاہ ایزدی میں یہ دعا ہے کہ اللہ جل شانہ ہمیں حضرت دامت برکاتہم کے بیانات کی بازگشت پوری دنیا تک پہنچانے کی توفیق نصیب فرمائیں اور اسے آخرت کے لئے صدقہ جاریہ بنائیں۔ آمین بحرمت سید المرسلین ﷺ

ڈاکٹر شاہد محمود نقشبندی غفرلہ
خادم مکتبۃ الفقیر فیصل آباد

پیش لفظ

الحمد لله الذی نور قلوب العارفین بنور الایمان و شرح صدور الصادقین بالتوحید و الایقان و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه سیدنا محمد و علیٰ اله و اصحابه اجمعین . اما بعد!

اسلام نے امت مسلمہ کو ایسے مشاہیر سے نوازا ہے جن کی مثال دیگر مذاہب میں ملنا مشکل ہے۔ اس اعتبار سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صف اول کے سپاہی ہیں۔ جن میں ہر سپاہی اصحابی کالنجوم کے مصداق چمکتے ہوئے ستارے کی مانند ہے، جس کی روشنی میں چلنے والے اهتدیتم کی بشارت عظمیٰ سے ہمکنار ہوتے ہیں اور رشد و ہدایت ان کے قدم چومتی ہے۔ بعد ازاں ایسی ایسی روحانی شخصیات صفحۂ ہستی پر رونق افروز ہوئیں کہ وقت کی ریت پر اپنے قدموں کے نشانات چھوڑ گئیں۔

عہد حاضر کی ایک نابغہ عصر شخصیت شہسوار میدان طریقت، غواص دریائے حقیقت، منبع اسرار، مرقع انوار، زاہد زمانہ، عابد یگانہ، خاصۂ خاصان نقشبند، سرمایۂ خاندان نقشبند، حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم العالی مادامت النہار والیالی ہیں۔ آپ منشور کی طرح ایک ایسی پہلو دار شخصیت کے حامل ہیں کہ جس پہلو سے بھی دیکھا جائے اس میں قوس قزح کی مانند رنگ سمٹے ہوئے نظر آتے ہیں۔ آپ کے بیانات میں ایسی تاثیر ہوتی ہے کہ حاضرین کے دل موم

ہو جاتے ہیں۔ عاجز کے دل میں یہ جذبہ پیدا ہوا کہ ان خطبات کو تحریری شکل میں یکجا کر دیا جائے تو عوام الناس کے لئے فائدہ کا باعث ہوں گے۔ چنانچہ عاجز نے تمام خطبات شریف صفحۂ قرطاس پر رقم کر کے حضرت اقدس کی خدمت عالیہ میں تصحیح کے لئے پیش کئے۔ الحمد للہ کہ حضرت اقدس دامت برکاتہم نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود ذرہ نوازی فرماتے ہوئے نہ صرف ان کی تصحیح فرمائی بلکہ ان کی ترتیب وتزئین کو پسند بھی فرمایا۔ یہ انہی کی دعائیں اور توجہات ہیں کہ اس عاجز کے ہاتھوں یہ کتاب مرتب ہو سکی۔

ممنون ہوں میں آپ کی نظر انتخاب کا

حضرت دامت برکاتہم کا ہر بیان بے شمار فوائد وثمرات کا حامل ہے۔ ان کو صفحات پر منتقل کرتے ہوئے عاجز کی اپنی کیفیت عجیب ہو جاتی اور بین السطور دل میں یہ شدید خواہش پیدا ہوتی کہ کاش کہ میں بھی ان میں بیان کردہ احوال کے ساتھ متصف ہو جاؤں۔ یہ خطبات یقیناً قارئین کے لئے بھی نافع ہوں گے۔ خلوص نیت اور حضور قلب سے ان کا مطالعہ حضرت کی ذات بابرکات سے فیض یاب ہونے کا باعث ہوگا۔

اللہ رب العزت کے حضور دعا ہے کہ وہ اس ادنیٰ سے کوشش کو شرف قبولیت عطا فرما کر بندہ کو بھی اپنے چاہنے والوں میں شمار فرمالیں۔ آمین ثم آمین

فقیر محمد حنیف عفی عنہ
ایم اے۔ بی ایڈ
موضع باغ، جھنگ

وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ

عشق الٰہی کی حقیقت

یہ بیان حضرت اقدس دامت برکاتہم نے ساتویں سالانہ اجتماع پر ۳۰ اکتوبر ۲۰۰۱ کو جامع مسجد مدینہ جھنگ میں ارشاد فرمایا۔ اجتماع میں اندرون و بیرون ملک سے ہزاروں سالکین شریک تھے۔

اقتباس

جب انسان کے دل میں آشنائی کی لذت آجاتی ہے تو دنیا سے انقطاع ہو جاتا ہے اور انسان کی نگاہیں اللہ رب العزت کی ذات پر جم جایا کرتی ہیں۔ اسی طرح اس کی توجہ کا قبلہ ایک بن جایا کرتا ہے۔ وہ لا کی تلوار سے ماسوٰی پر چھری پھیر دیتا ہے۔ اس کے دل میں اللہ آجاتے ہیں، اس کے دل میں اللہ سما جاتے ہیں، بلکہ اس کے دل میں اللہ رب العزت چھا جاتے ہیں۔ اس کو فنائے قلب کہتے ہیں۔ اسی کو حاصل کرنے کیلئے میں اور آپ اس کے طلب گار ہیں۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

عشق الٰہی کی حقیقت

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ (البقرۃ:۱۶۵)

وقالَ اللّٰہ تعالیٰ فی مَقامٍ اٰخر

وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍنَّاضِرَۃٌ ○ اِلٰی رَبِّھَا نَاظِرَۃٌ ○ (القیامۃ:۲۲-۲۳)

وَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہ ﷺ

کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○

وَ الْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّم

مخلوقات عالم میں محبت کی تقسیم

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ (البقرۃ:۱۶۵)

(اور ایمان والوں کو اللہ رب العزت سے شدید محبت ہوتی ہے)

اور جو حدیث قدسی بیان کی گئی ہے اس میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ

(میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا، میں نے اس بات کو پسند کیا کہ مجھے پہچانا جائے، پس میں نے مخلوق کو پیدا کر دیا)

گویا مخلوق کے پیدا ہونے کا سبب محبت بنی۔ چونکہ محبت وہ پہلی چیز ہے جو مخلوق کے پیدا ہونے کا سبب بنی اس لئے مخلوق میں سے ہر ایک قسم نے اپنی اپنی استعداد کے مطابق اس محبت میں سے حصہ حاصل کیا۔ مخلوقات عالم میں معدنیات بھی ہیں اور نباتات بھی، حیوانات بھی ہیں اور انسان بھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات کو ''محبت'' میں سے حصہ عطا فرمایا۔ اس کی مثالیں ہر جگہ دیکھی جا سکتی ہیں کیونکہ محبت ہر جگہ جلوہ گر ہے۔

لوہے میں مقناطیس کی محبت

معدنیات میں دیکھئے، لوہا مقناطیس کا عاشق ہے۔ وہ بے اختیار اس کی طرف کھنچتا چلا جاتا ہے۔ مقناطیس جہاں بھی ہوگا وہ اس کی طرف فوراً اپنا رخ کرے گا۔ وہ مقناطیس کے عشق میں اتنا سچا ہے کہ اس کی صحبت میں رہ کر اس کے رنگ میں رنگ جاتا ہے۔ یعنی جب لوہا مقناطیس کے پاس رہتا ہے تو اس کے اپنے اندر بھی کچھ مقناطیسیت آ جاتی ہے۔ گویا وہ اس کی مقناطیسیت والی صفت اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔

سورج مکھی کے پھول کی سورج سے محبت

سورج مکھی ایک پھول ہے وہ وہ ہر وقت اپنا رخ سورج کی طرف رکھتا ہے۔ گویا کہ وہ سورج کا عاشق ہے۔ اسی لئے اس کا نام بھی سورج مکھی پڑ گیا ہے۔ جب سورج مشرق کی طرف ہوتا ہے تو اس کا رخ بھی مشرق کی طرف ہوتا ہے اور جیسے

جیسے سورج چڑھتا ہے اس کی سمت بھی اس کے ساتھ ساتھ بدلتی ہے حتی کہ سورج جب غروب ہونے لگتا ہے تو اس کی رخ بھی مغرب کی طرف ہو جاتا ہے۔ اس کو سورج کے ساتھ کچھ ایسی وارفتگی ہوتی ہے کہ سورج جس طرف بھی ہو یہ ادھر گھوم جاتا ہے۔ اگر انسان کا بھی یہی حال ہو جائے کہ اس کے دل کی تمام تر تمناؤں اور امیدوں کا محور ایک اللہ تعالیٰ کی ذات ہو جائے تو اسے ایمان ابراہیمی نصیب ہو جائے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا

[میں اسی کی طرف اپنا رخ کرتا ہوں جو آسمان اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے، خالص ہو کر] (الانعام:۷۹)

مچھلی میں پانی کی محبت

حیوانات میں دیکھیے، مچھلی پانی کی عاشق ہے۔ اسے پانی میں رہ کر سکون ملتا ہے۔ وہ پانی کے بغیر تڑپتی ہے حتیٰ کہ وہ اس کی جدائی میں تڑپ تڑپ کر جان بھی دے دیتی ہے۔ حالانکہ وہ کھاتی پیتی تو کچھ اور چیزیں ہے مگر پانی کے ساتھ اس کا عشق اس قدر راسخ ہے کہ جب پانی سے نکالا جائے تو وہ اپنی جان بھی دے دیتی ہے۔ حتیٰ کہ اس کا تڑپنا ضرب المثل بن گیا ہے کہ فلاں تو ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔ مچھلی کا پانی میں پرسکون ہونا نبی علیہ السلام کی زبان مبارک سے بھی ثابت ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلْمُؤْمِنُ فِی الْمَسْجِدِ کَالسَّمَکِ فِی الْمَاءِ

(مؤمن کو مسجد میں ایسے سکون ملتا ہے جیسا کہ مچھلی پانی کے اندر پرسکون ہوتی ہے)

مچھلی کا دل پانی سے کبھی نہیں بھرتا اگرچہ وہ پورے سمندر کا پانی ہی کیوں نہ ہو۔ وہ تھک کر کبھی سمندر سے باہر نہیں نکلتی۔ سمندر میں رہنا ہی اس کی زندگی ہے۔ وہ

اپنے عشق میں اتنی فنا ہے کہ اگر کوئی بندہ اس کو کھا لے تو کھانے والے کو بھی پانی کا طالب بنا دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو آدمی مچھلی کے کباب کھاتا ہے وہ بھی تھوڑی دیر کے بعد پانی مانگتا ہے۔

پروانے میں شمع کی محبت

پروانہ شمع کا عاشق ہے۔ وہ ہر وقت اس کے گرد طواف کرتا رہتا ہے۔ اس کی پرواز کبھی ختم ہی نہیں ہوتی۔ وہ محبت میں اتنا آگے بڑھا کہ لوگوں نے اس کی مثالیں دینی شروع کر دیں۔

اس کے پاس عدد اور گنتی کا تصور نہیں ہے کہ شمع کے گرد سات چکر لگانے ہیں۔ اگر اس کو چوبیس گھنٹے شمع ملے تو وہ چوبیس گھنٹے اس کا طواف کرے گا۔ گویا شمع کے گرد طواف کرنا ہی اس کی زندگی ہے۔ وہ تھک ہار کر اسی شمع کے اندر گر جاتا ہے اور اپنی جان دے دیتا ہے۔ اس کی محبت کا اندازہ کیجئے کہ جب وہ جلتا ہے تو آواز بھی نہیں نکالتا۔ اسی مضمون کو کسی شاعر نے اپنے الفاظ میں یوں بیان کیا ہے:

کمال یہ ہے کہ آواز تک نہیں آتی
وفور شوق میں یوں جل رہے ہیں پروانے

عربی میں ایک مثل مشہور ہے جس کا معنی یہ ہے کہ فلاں آدمی نے تو پروانے کی مانند خاموشی سے جان دے دی۔ اسی لئے حضرت شیخ سعدیؒ نے کہا،

اے مرغ سحر عشق ز پروانہ بیاموز
کاں سوختہ را جاں شد و آواز نیامد

اے مرغ سحر! تو ذرا پروانے سے عشق کا سبق سیکھ کہ وہ اپنی جان دے دیتا ہے اور واویلا نہیں مچاتا۔

چکوری کی چاند سے محبت

پرندوں میں چکوری ایک پرندہ ہے۔ اسے چاند سے عشق ہے۔ چاند اور چکوری مثال بن گئی۔ چکوری چاندنی رات میں اپنے آپ میں نہیں رہتی۔ وہ جیسے ہی چاند کو دیکھتی ہے اس کی محبت میں چہکنا شروع کر دیتی ہے۔ اس کے نغمے الاپتی ہے۔ وہ نغمے الاپتے الاپتے چاند کی طرف پرواز بھی کرتی ہے۔ اس کے نغمے کبھی ختم نہیں ہوتے۔ وہ چہچہاتی ہے تو چاند کی محبت میں، ترستی ہے تو اس کی محبت کو اور پھڑکتی ہے تو اس کی محبت میں۔

بلبل کی پھول سے محبت

بلبل کے دل میں پھول کا عشق ہے۔ جہاں بھی محبت کا تذکرہ کیا جائے وہاں بلبل اور پھول کی مثال ضرور دی جاتی ہے۔ کہنے والے نے کیا خوب کہا۔

؎ آ عندلیب مل کر کریں آہ و زاریاں
تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے دل

جہاں بھی باغ اور پھول کا نام آئے گا وہاں بلبل کا نام ضرور آئے گا۔ وہ پھولوں کے نغمے الاپتی رہتی ہے۔ چمن کے مختلف پھولوں کے پاس بیٹھنا اور ان کی تعریفیں کرنا اس کی زندگی کا کام ہے۔ بلبل اور پھول کے عشق کی داستانیں کتابوں میں بھری پڑی ہیں۔

انسانوں میں محبت کا جذبہ

جہاں مخلوقات عالم کے درمیان محبت رکھی گئی ہے وہاں اشرف المخلوقات انسان کے دل میں بھی محبت کا جذبہ ودیعت کیا گیا ہے۔ چنانچہ دنیا کا کوئی انسان ایسا

نہیں جس کے دل میں محبت نہ ہو۔ کوئی بندہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ میرے دل میں کسی کی محبت نہیں ہے کیونکہ

؎ دل بحرِ محبت ہے محبت یہ کرے گا
لاکھ اس کو بچا تُو یہ کسی پر تو مرے گا

یہ اور بات ہے کہ محبت خالق کی ہو یا مخلوق کی۔

؎ پتھر سے ہو خدا سے ہو یا پھر کسی سے ہو
آتا نہیں ہے چین محبت کیے بغیر

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ کمرے میں یا تو روشنی ہوگی، اگر روشنی نہیں تو اندھیرا ضرور ہوگا۔ اسی طرح یا تو دل میں اللہ رب العزت کی محبت کی روشنی ہوگی اور اگر اللہ رب العزت کی محبت کی روشنی نہیں تو مخلوق کی محبت کا اندھیرا ضرور ہوگا۔

یاد رکھئے کہ محبت کا جذبہ ایک مقدس جذبہ ہے اس لئے اس کو مخلوق کے اوپر برباد کرنا کوئی عقلمندی کی بات نہیں ہے۔ چنانچہ انبیائے کرام علیہم السلام نے آکر ایک اصولی بات سمجھائی کہ

"لوگو! فانی محبوب کا عشق بھی فانی ہے اور باقی محبوب کا عشق بھی باقی ہے۔ جو انسان مخلوق سے محبت کرے گا وہ ایک نہ ایک دن مخلوق سے جدا کر دیا جائے گا اور جو انسان اللہ رب العزت سے محبت کرے گا وہ ایک نہ ایک دن اللہ سے ملا دیا جائے گا"۔

سبق آموز اشعار:

زیب النساء مخفی اپنے اشعار میں کہتی ہے:

مرغ دل را گلستاں بہتر زکوئے یار نیست
طالب دیدار را ذوق گل و گلزار نیست
گفت از عشق بتاں اے دل چہ حاصل کردہ ای
گفت مارا حاصل جز نالہائے زار نیست
چند قطرہ خون دل مخفی برائے مہوشاں
ریختن برخاک دل ایں شیوۂ عطار نیست

(دل کے مرغ کیلئے یار کی گلی سے بہتر گلشن کوئی نہیں اور دیدار کے طالب کو گل و گلزار سے کوئی ذوق نہیں کیونکہ محبوب کے دیدار سے بہتر کوئی نعمت نہیں ...... میں نے پوچھا، اے دل! تو نے ان فانی محبوبوں کے عشق سے کیا پایا کہنے لگا، مجھے سوائے رونے دھونے کے اور کچھ نہیں ملا ...... اے مخفی! یہ دل جو خون کے چند قطرے ہیں اس کو مخلوق کیلئے گرا دینا کوئی عقلمندوں کا کام نہیں ہے)

فانی عشق کا عبرتناک انجام

فانی عشق کا انجام ہمیشہ عبرتناک ہوتا ہے۔ اس کی کتنی ہی مثالیں ہیں۔ انہی مثالوں پر غور کر لیجئے جو ابھی آپ کو دی ہیں۔

لوہے کا انجام

لوہا مقناطیس کا عاشق بنا۔ اس کی غیر پرستی کا یہ انجام ہوا کہ اسے رنگ کالا ملا۔ اسے آگ میں پگھلایا جاتا ہے۔ اسی پر بس نہیں بلکہ جب آگ سے نکلتا ہے اور نرم ہوتا ہے تو اس کے سر پر ہتھوڑے لگائے جاتے ہیں یوں اس کو مخلوق کے ساتھ محبت کرنے کا مزہ چکھایا جاتا ہے۔ اس کا انجام دنیا میں بھی برا ہوا اور آخرت میں بھی اسے جہنم کا حصہ بنا دیا جائے گا۔ چنانچہ جہنمیوں کو لوہے کے طوق اور زنجیریں پہنائی

جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ○ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ○ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ○ (الحاقۃ: ۳۰-۳۲)

(پس تم پکڑو اس کو پس قید کر دو اس کو، پھر جہنم میں اس کو داخل کر دو۔ اور پھر ستر گز لمبی زنجیر میں اس کو باندھ دو)

تو لوہے کے طوق اور زنجیریں آخرت میں کہاں ہوں گی؟ جہنم میں ہوں گی۔ جنتیوں کو لوہے کی زنجیریں کوئی نہیں پہنائے گا۔ ان کے لئے سونا، چاندی، موتی اور ہیرے ہوں گے۔

ہمیں یہاں ایک علمی نکتہ سمجھنا چاہیے۔ وہ یہ ہے کہ لوہے کو مقناطیس کے ساتھ محبت ہوتی ہے۔ اس کے سامنے آپ لعل و جواہر بھی رکھ دیں تو یہ ان کی طرف ہرگز توجہ نہیں کرے گا۔ اے انسان! لوہا ایک مخلوق ہے اور اسے مخلوق کی محبت میں اتنی یکسوئی حاصل ہے کہ اپنے محبوب کے سوا کسی دوسری طرف توجہ نہیں کرتا، تو اپنے پروردگار کا کیسا عاشق ہے کہ رب کریم زندہ موجود ہے اور حی لا یموت ہے اور تو اس پروردگار کو چھوڑ کر غیروں کی طرف محبت کی نگاہیں ڈالتا پھرتا ہے۔

لوہے کو اگر شیشے میں بند کر دیا جائے تو اس کی توجہ میں پھر بھی فرق نہیں آتا۔ اگر قطب نما گھڑی بنا دی جائے تو شیشے میں گھر جانے کے باوجود بھی لوہے میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اس کی توجہ کا قبلہ پھر بھی مقناطیس ہی رہتا ہے۔ اس میں ہمارے لئے عبرت ہے کہ دیکھو، یہ مخلوق ہے اور مخلوق سے محبت کرتا ہے، اس کا انجام بھی برا ہوتا ہے لیکن اسے محبت میں اتنی یکسوئی حاصل ہے کہ شیشے میں گھر جانے کے باوجود بھی اپنے مقصود سے پیچھے نہ ہٹا، اے انسان! تو کیسا اپنے مالک کا بندہ ہے کہ اگر تجھے پریشانیوں کے حالات گھیر لیتے ہیں تو تو اپنے رب سے رخ پھیر لیتا ہے۔ کاروبار

میں ذرا سی پریشانی آجائے تو مسجد کا دروازہ بھول جاتا ہے اور باجماعت نمازیں چھوٹ جاتی ہیں۔ ہمارا محبوب تو محبوب حقیقی ہے، ہمیں تو چاہیے تھا کہ ہم زیادہ بہتر انداز میں اپنے رب سے محبت کرتے۔

مچھلی کا انجام

مچھلی کو پانی سے عشق ہے۔ چونکہ اسے پانی کے ساتھ اس قدر والہانہ محبت ہے کہ اس کی جدائی میں تڑپ تڑپ کر جان دے دیتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے جسم کے اندر بدبو پیدا کر دی ہے۔ غیر پرستی کی وجہ سے اس کے جسم میں اتنا تعفن ہوتا ہے کہ جن ہاتھوں میں جاتی ہے ان ہاتھوں کو متعفن بنا دیتی ہے، جس برتن میں جاتی ہے اس برتن کو متعفن بنا دیتی ہے، جس منہ سے کھائیں اس منہ میں اس کی بدبو آنا شروع ہو جاتی ہے اور جس گھر میں پہنچے اس گھر میں بدبو مچا دیتی ہے۔ کسی اور جاندار میں اتنی بدبو نہیں ہوتی جتنی مچھلی میں ہوتی ہے۔ اگر اسے پورے دریا کے پانی سے بھی دھو ڈالیں تو پھر بھی اس کی بدبو ختم نہیں ہوگی۔

پروانے کا انجام

پروانے نے شمع سے عشق کیا، جس کا انجام یہ ہوا کہ اسے جان دینی پڑ گئی اور اس کا نام ''بے عقل'' مشہور ہو گیا۔ عربی میں پروانے کے لئے ایک لفظ استعمال ہوتا ہے جس کا معنی ہے ''بے عقل''۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ تو پروانے کی طرح بے عقل انسان ہے۔ پروانہ شمع کر گرد طواف کر کر کے اپنی جان بھی دے دیتا ہے مگر شمع کو اس کے حال کی خبر تک نہیں ہوتی۔ اردو میں کہتے ہیں:

''اندھے کے سامنے روئے اپنے نین کھوئے''

محبت الٰہی میں دھوکا کھانا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ جب وہ اپنے غلاموں میں سے کسی کو اچھے انداز سے نماز پڑھتے دیکھتے تو وہ اس غلام کو آزاد کر دیا کرتے تھے۔ جب آہستہ آہستہ غلاموں کو پتہ چلا تو ہر غلام نے یہی وطیرہ اپنا لیا۔ غلام اچھی طرح نماز پڑھ کر دکھا دیتے اور وہ انہیں آزاد کر دیتے۔ کسی نے کہا، حضرت! آپ کے غلام ریا کاری کرتے ہیں، وہ آپ کے سامنے بنا سنوار کر نماز پڑھ لیتے ہیں اور آپ ان کو آزاد کر دیتے ہیں، وہ تو آپ کو اس طرح دھوکا دیتے ہیں۔ اس پر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا،

''میں اللہ کی محبت میں سچا کیسے ہو سکتا ہوں جب تک کہ اس کی محبت میں دھوکا نہ کھا جاؤں''۔

چکوری کا انجام

چکوری کو چاند سے محبت ہوتی ہے۔ وہ چاندنی رات میں اڑتی ہے اور بالآخر تھک کر گر جاتی ہے اور اسے موت آ جاتی ہے۔ اسے چاند کا وصل بھی نصیب نہیں ہوتا اور گمنامی کی موت بھی آ جاتی ہے۔ یوں مخلوق کی محبت کا انجام لاحاصل رہتا ہے۔ انسانوں کا بھی یہی حال ہے۔ جس کسی انسان نے اپنی نفسانی خواہشات کی وجہ سے مخلوق سے محبت کی اس کا انجام بھی ہمیشہ برا ہوا اور جس نے محبت کے اس مقدس جذبے کو اللہ کے لئے استعمال کیا یا اللہ کی نسبت سے اللہ کے بندوں سے نیکی اور تقویٰ کا تعلق رکھا اس کا انجام ہمیشہ اچھا ہوا۔ محبت کا یہ جذبہ ہم میں سے ہر بندے کو نصیب ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اس جذبے کو اللہ رب العزت کے لئے ہی استعمال کریں اور اپنے دلوں میں اللہ رب العزت کی محبت کو بڑھائیں۔ یہ محبت کا بڑھانا

انسان کے اپنے اختیار میں ہوتا ہے۔

حسن ظاہری کی حیثیت

دنیا میں مخلوق کے پاس جو بھی حسن و جمال ہے وہ سب میرے مولا کی دین ہے۔ فقط ظاہری حسن کے پیچھے بھاگنے والا انسان ہمیشہ نقصان اور خسارے میں رہتا ہے۔ سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام مادر زاد حسین تھے۔ آپ اتنے حسین تھے کہ حسن یوسف آج دنیا میں ضرب المثل بن چکا ہے۔ جب ان کو کنویں میں ڈالا گیا اور پھر نکال کر بیچا گیا تو ان کی کیا قیمت لگی؟ قرآن مجید میں فرمایا گیا،

وَ شَرَوْهُ بِثَمَنٍ م بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ج (یوسف:۲۰)

(اور ان کو چند کھوٹے سکوں کے عوض بیچ دیا گیا)

معلوم ہوا کہ مخلوق کے ظاہری حسن کی قیمت اللہ رب العزت کی نظر میں چند کھوٹے سکے ہوا کرتی ہے۔ حسن کے پیچھے بھاگنے والے عبرت حاصل کریں کہ وہ کتنی بے قیمت چیز کے پیچھے بھاگ رہے ہوتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَ لَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ط وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ○ (یوسف:۲۲)

(اور جب پہنچ گیا اپنی قوت کو، ہم نے اس کو حکم اور علم دیا اور ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں ہم نیکی کرنے والوں کو)

اس کے بعد ان کے اوپر امتحان آئے لیکن اللہ رب العزت نے ان کو امتحان میں کامیاب فرما دیا۔ بالآخر اسی حسن و جمال کی وجہ سے ان کو قید میں جانا پڑا۔ نو سال تک قید کی مشقت اٹھائی۔ نہ تو ان کے پاس بہن بھائی تھے اور نہ ہی ماں

باپ۔ نو سال گزارنے کے بعد جب قید سے باہر نکلے تو اپنے حسن کی وجہ سے نہیں نکلے بلکہ اپنے علم کی وجہ سے نکلے۔ اسی لئے جب آپ سے پوچھا گیا کہ آپ ملک کی کیسے حفاظت کریں گے تو فرمانے لگے،

اِجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ج اِنِّی حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ○ (یوسف:۵۵)

(مجھے خزانوں پر نگران مقرر کر دیجئے، میں حفاظت کرنے والا ہوں اور علم والا ہوں)

یہ نہیں کہا کہ مجھے خزانوں کا والی بنا دیجئے کیونکہ انی حسین جمیل میں بڑا خوبصورت ہوں۔

اس سے پتہ چلا کہ عزتیں خوبصورتی کی وجہ سے نہیں ملتیں بلکہ علم کی وجہ سے ملتی ہیں۔ یاد رکھئے کہ انسان کی شکل وصورت کی اللہ کے ہاں کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔ حدیث پاک میں آیا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَلَا اِلٰی اَمْوَالِکُمْ وَ لٰکِنْ یَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَ اَعْمَالِکُمْ

(بے شک اللہ تعالیٰ نہیں دیکھتے تمہاری صورتوں کو اور نہ تمہارے مال پیسے کو، بلکہ وہ دیکھتے ہیں تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو)

ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے دل اللہ کی محبت سے بھر لیں۔ محبت والوں کے پاس بیٹھنے سے یہ محبت بڑھ جاتی ہے اور غفلت میں پڑ جانے سے یہ محبت گھٹ جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا حسن و جمال.......!!!

یاد رکھئے کہ مخلوق میں سے سب سے زیادہ حسن حضرت یوسف علیہ السلام کو دیا گیا۔ لیکن اس حسن کو اللہ رب العزت کے حسن کے ساتھ کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ حضرت

یوسف علیہ السلام کے بارے میں حدیث پاک میں آیا ہے کہ ان کو ساری مخلوق کے برابر کا حسن دیا گیا۔ یعنی اللہ نے مخلوق میں جتنا حسن تقسیم کیا اس میں سے ساری مخلوق کو آدھا حصہ ملا اور باقی آدھا حصہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ملا۔ نصف حصے کے پانے کے بعد ان کو ایسا حسن ملا تھا کہ دیکھنے والیوں نے جب دیکھا تو وہ کہہ اٹھیں،

حَاشَ لِلّٰهِ مَاهٰذَا بَشَرًا ط اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ○ (یوسف:۳۱)

(یہ انسان نہیں، یہ تو ہمیں کوئی مقدس فرشتہ نظر آتا ہے)

مخلوق کے حسن کا اختتام یہ ہے کہ دیکھنے والوں نے اسے کوئی فرشتہ سمجھا۔ اب اللہ کے حسن کے ساتھ بھلا فرشتوں کے حسن کو کیا نسبت ہے۔ اللہ کا حسن تو بے مثال ہے۔ وہ پروردگار جس نے حسن کو پیدا کیا بھلا اس کے اپنے حسن و جمال کا کیا عالم ہو گا۔ حدیث پاک میں آیا ہے:

اَللّٰهُ جَمِيْلٌ (اللہ رب العزت خوبصورت ہیں)

اللہ رب العزت کے جمال کے جلوے کیا ہوں گے، یہ تو قیامت کے دن جنت میں جا کر ایمان والوں کو نظر آئیں گے۔ دنیا میں تو ہم ان جلووں کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ البتہ اتنی بات آپ کی خدمت میں پیش کر دیتا ہوں کہ جنتی جب جنت میں جائیں گے اور حور و غلمان کے حسن و جمال کو دیکھیں گے تو اتنے حیران ہوں گے کہ ان کو پانچ سو سال تک ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے رہ جائیں گے پھر جب جنتی جنت میں رہنا شروع کریں گے اور بالآخر اللہ رب العزت جنتیوں کو اپنا دیدار عطا فرمائیں گے تو حدیث پاک میں آیا ہے کہ دیدار الٰہی کے وقت جنتیوں کے اوپر نور کی آندھی چلے گی۔ جیسے دنیا میں آندھی چلتی ہے تو مٹی کی تہہ ہر انسان کے چہرے پر آ جاتی ہے اسی طرح جنت میں بھی نور کی آندھی چلے گی اور نور کی ایک تہہ جنتیوں کے چہرے پر

آ جائے گی۔ اس نور کی وجہ سے جنتیوں کے چہرے کا حسن اتنا بڑھ جائے گا کہ جب یہ جنتی لوٹ کر اپنے گھروں میں آئیں گے تو ان کی حوریں اور غلمان ان کے حسن و جمال کو دیکھ کر پانچ سو سال تک ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے رہ جائیں گے۔ مالک! تیرے حسن و جمال کا بھی کیا عالم ہوگا کہ جو آپ کا دیدار کرے گا جنتی مخلوق بھی پانچ سو سال تک اس کے حسن و جمال کو تعجب کے ساتھ دیکھتی رہ جائے گی اور ان کو وقت گزرنے کا پتہ بھی نہیں چلے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تجلیٔ الٰہی کا اثر

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر گئے تو وہاں پر چالیس دن ٹھہرے اور انہیں اللہ رب العزت کا دیدار نصیب ہوا۔ اس وقت اللہ رب العزت نے ستر ہزار پردوں میں سے تجلی ڈالی۔ اس کے باوجود کوہ طور جل کر سرمہ کی مانند بن گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ ان کو نہ آگ لگی اور نہ ہی موت آئی کیونکہ استعداد میں فرق تھا۔ آپ کے قلب کے اندر اللہ رب العزت کی محبت کی اور تجلیات کو قبول کرنے کی استعداد تھی اور اس پہاڑ کے اندر استعداد نہیں تھی اس لئے وہ جل گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فقط غشی کی سی کیفیت طاری ہوئی۔

تفسیر درمنثور میں لکھا ہے،

لَمَّا كَلَّمَ مُوْسٰى رَبَّهٗ عَزَّ وَجَلَّ مَكَثَ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا لَا يَرَاهُ اَحَدٌ اِلَّا مَاتَ مِنْ نُوْرِ اللّٰهِ

[جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے کلام کیا تو چالیس دن تک ٹھہرے رہے، (اس کے بعد) کوئی بھی ان (کے چہرے) کو نہیں دیکھ سکتا تھا، اگر کوئی دیکھتا تھا تو دیکھتے ہی اس آدمی کو موت آجاتی تھی]

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے چہرے کو چھپائے رکھتے تھے۔ حتی کہ ان کی اپنی بیوی بھی ان کا چہرہ دیکھنے کو ترستی تھی اور وہ نہیں دیکھنے دیتے تھے۔ اس لئے کہ ان کی آنکھوں میں وہ حسن اور نور آ گیا تھا کہ اس تجلی کو دیکھنے کے بعد دیکھنے والا ان کے حسن کی تاب نہ لا کر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا تھا۔ سبحان اللہ! جس نے پروردگار کے حسن و جمال کو ستر ہزار پردوں میں دیکھا اس کے چہرے کا حسن اتنا بڑھ گیا کہ مخلوق اس کا بھی دیدار کرنے کی استعداد نہیں رکھتی تھی۔

دار قطنی میں طبرانی کی روایت ہے کہ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّهٗ قَالَ لَمَّا كَلَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰى مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامَ كَانَ يُبْصِرُ النَّمْلَ عَلَى الصَّفَا فِي اللَّيْلَةِ الْمُظْلِمَةِ

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ رب العزت کا دیدار کیا تو ان کی آنکھوں میں ایسی بینائی آ گئی کہ کالی رات میں چلنے والی چیونٹی کو بھی صاف طور پر دیکھ لیا کرتے تھے)

جمال یوسف کی تجلی تو ہزاروں مرتبہ دنیا میں ہوئی مگر دنیا میں کوئی فرق نہ آیا اور جمال مولیٰ کی تجلی تو ایک ہی ہوئی تھی جس کی وجہ سے کوہ طور سرمہ کی مانند بن گیا۔ جن لوگوں نے حسن یوسف کا نظارہ کرنے والیوں کو دیکھا ان پر کوئی اثر نہ پڑا لیکن اے مالک! تیرے حسن و جمال کا کیا عالم ہوگا کہ جن پر آپ کی تجلی کوہ طور سے منعکس ہو کر پڑی ان کا حسن اتنا بڑھ گیا کہ کوئی دوسرا ان کو دیکھ نہیں سکتا تھا اور ان کی بینائی ایسی بڑھ گئی تھی کہ اندھیرے میں بھی چلتی ہوئی کالی چیونٹی کو دیکھ لیا کرتے تھے۔ حالانکہ یہ آنکھ جتنی تیز روشنی کو دیکھتی ہے اتنی زیادہ بینائی کی قوت متاثر ہو کر زائل ہوتی جاتی ہے۔ لیکن یہ تجلی حسن الٰہی کا معجزہ تھا کہ بینائی اور زیادہ ہوگئی۔

تجلیٔ الٰہی کی برکات

اللہ رب العزت نے جب کوہ طور پر اپنی تجلی ڈالی تو اس وقت کی کیفیت روح البیان میں یوں لکھی ہوئی ہے:

عذب کل ماء وافاق کل مجنون وبرأ کل مریض و زال الشرک عن الاشجار واخضرت فی الارض واظهرت وحمنت نیران المجوس وخرت الاصنام بوجوهن وانقطعت اصوات الملئكة وجعل الجبل ينهدم و ينحال.

(ہر کھارا پانی میٹھا ہو گیا، ہر مجنون آدمی کا جنون ختم ہو گیا، ہر مریض کی بیماری کو شفا مل گئی، کانٹے درختوں سے نیچے گر گئے، زمین ساری کی ساری سرسبز ہو گئی اور خوبصورت ہو گئی، مجوسیوں کی آگ بجھ گئی، دنیا کے سارے بت اپنے منہ کے بل زمین پر گر گئے، ملائکہ کی آوازیں رک گئیں اور پہاڑ اپنی جگہ پر لرز گئے)

اللہ رب العزت کے جمال کے وقت مخلوق کی یہ کیفیت تھی۔ جس محبوب کا جمال ایسا ہو پھر ہمیں اس محبوب کے دیدار کے لئے کوششیں کیوں نہیں کرنی چاہئیں۔

اللہ تعالیٰ کی ناقدری

کئی مرتبہ بندہ اللہ رب العزت کے دیدار کی لذت کی بجائے مخلوق کے دیدار کے پیچھے پریشان پھر رہا ہوتا ہے۔ ہم نے حسن باقی کے بدلے حسن فانی کو چنا تو ہم نے گویا اللہ رب العزت کی ناقدری کی۔ حیرت اور غیرت کا مقام ہے کہ لوہا لعل بدخشان کی طرف بھی توجہ نہیں کرتا اور ہم اللہ رب العزت جیسی خوبصورت ہستی کو چھوڑ کر دنیا کے مختلف چہروں کی طرف محبت بھری نگاہیں ڈال رہے ہوتے ہیں۔

میرے دوستو! جنہوں نے پروردگار کی قدردانی کی پروردگار نے ان کو عزتیں

دیں۔ آج ہم لوگ اللہ رب العزت کی طرف سے توجہ ہٹا کر مخلوق کی طرف کئے پھرتے ہیں۔ اس لئے زندگی سے پریشانیاں ختم نہیں ہوتیں۔ جس طرح کولہو کا بیل چل رہا ہوتا ہے اس طرح ہم بھی پریشانیوں کا پٹہ ڈالے زندگی گزارتے پھر رہے ہیں۔ یہ سب کچھ ہمیں بتا رہا ہے کہ ہمیں اپنی توجہ کا قبلہ درست کرنے کی ضرورت ہے۔ لوگوں نے ہر چیز کی قدر کی، اگر ناقدری کی تو اپنے پروردگار کی کی۔ یہ کتنی عبرت کی بات ہے کہ اللہ رب العزت جیسی ہستی کو فرمانا پڑا۔

وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ (الزمر:٦٧)

(اور انہوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جیسی قدر کرنی چاہیے تھی)

جی ہاں، محبت والوں کو یہ چیز بہت بری لگتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی ناقدری

سچی بات تو یہ ہے کہ ہم نے نہ تو اللہ رب العزت کی قدر کی اور نہ ہی اس کے رسول ﷺ کی۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں بڑے عجیب انداز میں فرماتے ہیں:

یٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ○

(حسرت ہے بندوں پر، ان کے پاس کوئی ایسے رسول نہیں آئے کہ انہوں نے ان کا مذاق نہ اڑایا ہو) (یٰسٓ:۳۰)

پہلے دور میں انبیائے کرام کا مذاق اڑایا جاتا تھا اور آج کے زمانے میں ان کی سنتوں کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ آج کسی گھر میں کوئی نوجوان اپنے چہرے پر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کا نور سجا لے

......ذرا اس کی ماں کے تاثرات سن لیجئے

......اس کی بہنوں کے فقرات سن لیجئے

......اس کے دوسرے رشتہ داروں کی ہرزہ سرائی سن لیجئے

حالانکہ یہ سارے کلمہ گو ہوں گے۔ ہم نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنتوں کی کیا قدر کی؟

کلام اللہ کی ناقدری

انسان تو ایسا ناقدرا ہے کہ یہودی تھوڑے سے مال کی خاطر پروردگار کے کلام کو تبدیل کر دیا کرتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اللہ کا صحیح کلام یہ ہے لیکن دنیا کے چند ٹکوں کی خاطر اللہ کے کلام کو بدل دیتے تھے۔ اے انسان! ایک ہندو عورت اپنے مردہ خاوند کے پیچھے مر کر جان دے دیتی ہے مگر تیرے لئے زندہ خدا کے پیچھے اپنی جان کو دے دینا کیوں مشکل ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم بھی اپنے پروردگار پر قربان ہو جائیں۔

حسن لیلیٰ کی حیثیت

مجنوں کو لیلیٰ کے ساتھ ایک تعلق تھا۔ لیلیٰ کا نام لیلیٰ اس لئے تھا کہ وہ لیل (رات) کی طرح کالی تھی۔ ایک مرتبہ مجنوں کے سامنے ایک خوبصورت عورت پیش کی گئی، اس نے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ سوچنے کی بات ہے کہ مجنوں کالی عورت کی محبت میں ایسا پھنسا کہ وہ خوبصورت گوری عورتوں کو بھی دیکھنا پسند نہیں کرتا تھا اور ہم اللہ رب العزت کے کیسے عاشق ہیں کہ اللہ رب العزت جیسی حسن و جمال والی ہستی کو چھوڑ کر کالی کلوٹی شخصیتوں کے پیچھے نظریں دوڑاتے پھر رہے ہوتے ہیں۔ بھلا حسن مولیٰ کے ساتھ حسن لیلیٰ کو کیا نسبت ہو سکتی ہے؟

......کوئی زمین اور آسمان کی مثال دے تو وہ ہرگز ٹھیک نہیں ہے،

......کوئی دونوں میں عرش اور فرش کا فرق بیان کرے تو وہ بھی بعید از قیاس ہے۔

..... کوئی قطرہ اور سمندر کی مثال دے تو وہ بھی کہانی غلط ہے۔ اور
..... آفتاب اور ذرہ کی نسبت ٹھہرائے تو وہ بھی درست نہیں ہے۔
مخلوق کے حسن و جمال کو اللہ رب العزت کے حسن و جمال کے ساتھ کوئی نسبت ہو ہی نہیں سکتی۔ ہمیں چاہیے کہ ہم پروردگار حقیقی کے طالب بن کر زندگی گزارنے لگ جائیں۔

عشق کے تین امتحان

عشق الٰہی کے میدان میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے راسخ قدم رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے جب ان کو آزمایا تو وہ اس آزمائش میں کامیاب ہو گئے۔ اسی حقیقت کو قرآن مجید میں یوں بیان کیا گیا۔

وَ اِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ط (البقرۃ:۱۲۴)

(اور یاد کرو اس وقت کو جب آزمایا ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں میں، اور وہ اس میں کامیاب ہوا)

ہمارے حضرت مرشد عالمؒ فرمایا کرتے تھے کہ فَاَتَمَّهُنَّ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس میں Cent per cent (سو فیصد) کامیاب ہوئے۔ اب آپ کی خدمت میں ان چند باتوں کی تفصیل پیش کرتا ہوں۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق

کتابوں میں لکھا ہے کہ

اوحی اللہ تعالیٰ الی نبیہ ابراھیم علیہ الصلوٰۃ والسلام یا ابرھیم انک لی خلیل فاحذر ان اطلع علی قلبک فاجد مشغولا بغیرتی فیقطع حبک منی فانی انما اختار لحبی من لو احرقتہ بالنار لم

يلتفت قلبه عني.

(اللہ رب العزت نے اپنے نبی ابراہیم علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی کہ اے ابراہیم! آپ میرے خلیل ہیں، اس بات سے پرہیز کرنا کہ میں آپ کے قلب کی طرف توجہ کروں اور میں آپ کے قلب کو کسی غیر کے ساتھ مشغول پاؤں، اس لئے کہ جس کو میں اپنی محبت کے لئے چن لیتا ہوں تو وہ ایسا ہوتا ہے کہ اگر اس کو آگ بھی جلا دے تو بھی اس کا قلب میری طرف سے دوسری طرف متوجہ نہیں ہوتا)

چنانچہ زندگی میں وہ وقت بھی آیا جب نمرود نے آپ کو آگ میں ڈال دینے کا حکم دیا۔ تفاسیر میں اس آگ کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ ان لکڑیوں کو ایک ہی وقت میں آگ لگائی گئی۔ جب ساری لکڑیاں جلنے لگیں تو نمرود اس سوچ میں پڑ گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں کیسے ڈالے۔ بالآخر شیطان نمرود کے پاس آیا اور اس نے سمجھایا کہ ایک جھولا بنا لیجئے اور اس میں بٹھا کر ان کو آگ مین پھینک دیجئے، اس طرح یہ آگ کے وسط میں جا کر گریں گے۔ چنانچہ اس نے جھولا بنوالیا اور آپ کو اس میں بٹھا کر آگ میں پھینک دیا گیا۔

ابھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جھولا ہوا میں ہی تھا کہ فرشتے تعجب سے کہنے لگے، اے اللہ! ابراہیم علیہ السلام کے دل میں آپ کی کتنی محبت ہے، آپ کی محبت کیوجہ ت آگ میں ڈالے جا رہے ہیں، انہوں نے اسباب کی کوئی پروا نہیں کی، اے اللہ! ان کی مدد فرما دیجئے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو فرمایا،

''تم لوگ ان کے پاس چلے جاؤ اور اپنی مدد پیش کر لو، پھر میرا خلیل قبول کر لے تو تم مدد کر دینا، ورنہ خلیل جانے اور خلیل کا رب جلیل جانے، کیونکہ یہ میرا اور میرے خلیل کا معاملہ ہے''۔

چنانچہ فرشتوں نے ابرہیم علیہ السلام کے پاس آ کر مدد کی پیش کش کی مگر آپ علیہ

السلام نے ان کی بات سن کر فرمایا،

لَا حَاجَةَ لِیْ اِلَیْکُمْ (مجھے تمہاری کوئی حاجت نہیں)

پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے اور امداد پیش کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا، جبرائیل! کیا آپ اپنی مرضی سے آئے ہیں یا اللہ رب العزت نے بھیجا ہے؟ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ میں آیا تو اللہ کی مرضی سے ہوں مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا ہے کہ اگر وہ مدد کو قبول کریں تو مدد کر دینا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا، نہیں، جب میرے اللہ کو میرے حال کا پتہ ہے تو پھر مجھے یہی کافی ہے کہ پروردگار جانتا ہے کہ ابراہیم کس حال میں ہے، میرا مالک اور میرا محبوب جانتا ہے کہ مجھے اس کے نام پر آگ میں ڈالا جا رہا ہے لہٰذا میں آگ میں جانا ہی پسند کروں گا۔

جب فرشتے واپس چلے گئے تو اللہ رب العزت نے آگ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا

يٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ (الانبیاء:۶۹)

(اے آگ! میرے ابراہیم پر سلامتی والی ٹھنڈک والی بن جا)

اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے آگ کو گل وگلزار بنا دیا۔

بے آب وگیاہ وادی میں

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش ہوگئی تو اللہ رب العزت نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرمایا،

''اے میرے پیارے خلیل! آپ اپنی بیوی کو بے برگ وگیاہ وادی کے اندر چھوڑ آیئے''۔

چنانچہ آپ اپنی بیوی حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور بچے حضرت اسماعیل علیہ السلام

کو بیت اللہ کے قریب جہاں پانی اور سبزہ کا نام ونشان بھی نہیں تھا چھوڑ دیتے ہیں۔ کوئی بات بھی نہیں کرتے اور پھر واپس ملک شام جانے کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں..... یہ کوئی آسان کام نہیں تھا، ذرا تصور کر کے دیکھئے کہ اپنی بیوی کو اکیلے مکان میں چھوڑ کر آنے کے لئے بندے کا دل آمادہ نہیں ہوتا حالانکہ شہر کے اندر ہوتا ہے۔ پھر اپنی بیوی اور بچے کو ایسے ویرانہ میں چھوڑ دینا جہاں پینے کو پانی بھی نہ ملے اور ہر طرف پتھر ہی پتھر نظر آئیں، کتنی بڑی آزمائش ہے..... جب اللہ کے حکم سے ان کو چھوڑ کر واپس آنے لگے تو بیوی نے پوچھا، آپ ہمیں یہاں کیوں چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ مگر آپ علیہ السلام نے کوئی جواب نہ دیا۔ دوبارہ پوچھا کہ آپ ہمیں یہاں کیوں چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ مگر پھر بھی آپ علیہ السلام نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بھی آخر نبی علیہ السلام کی صحبت یافتہ تھیں، چنانچہ تیسری بار پوچھنے لگیں، کیا آپ ہمیں اللہ کے حکم سے یہاں چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ آپ نے جواب دینے کی بجائے سر ہلا دیا کہ ہاں میں اللہ کے حکم سے آپ کو یہاں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ جب اس نیک بیوی نے یہ سنا تو کہنے لگیں، اگر آپ ہمیں اللہ کے حکم سے چھوڑ کر جا رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہمیں کبھی ضائع نہیں فرمائیں گے۔ پھر آپ علیہ السلام اپنی بیوی کو چھوڑ کر وہاں سے واپس ملک شام چلے گئے۔

سکھائے کس نے اسماعیلؑ کو آداب فرزندی

اپنی جان دینا آسان ہوتا ہے لیکن اپنے سامنے اپنے بچے کو مرتے دیکھنا اس سے بھی زیادہ مشکل کام ہے۔ اسی لئے تو بچے کو بچانے کے لئے ماں باپ آجاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پہلے ہمیں مارو پھر بچے کو ہاتھ لگانا۔ تو معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آگ میں ڈالے جانے والا امتحان ایک درجہ پیچھے تھا اور اولاد کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کرنا اس سے بھی ایک درجہ آگے تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی اور بچے کو ملنے کے لئے ملک شام سے مکہ مکرمہ آئے۔ آپ علیہ السلام نے آٹھ ذوالحج کی رات کو خواب دیکھا کہ میں اپنے بیٹے کو اللہ کے نام پر ذبح کر رہا ہوں۔ آپ صبح اٹھے تو سوچنے لگے کہ شاید قربانی مطلوب ہے۔ چنانچہ آپ نے ستر اونٹ اللہ کے راستے میں قربان کر دیئے۔ پھر نویں کی شب کو پھر وہی خواب دیکھا۔ چنانچہ دوسرے دن بھی ستر اونٹ قربان کر دیئے۔ لیکن دسویں کی رات کو پھر وہی خواب دیکھا کہ میں اپنے بیٹے کو اللہ کے نام پر قربان کر رہا ہوں۔ جب تیسری بار یہی خواب دیکھا تو واضح طور پر سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ کو میرے بیٹے کی ہی قربانی مطلوب ہے۔ چنانچہ آپ علیہ السلام نے مصمم ارادہ کر لیا کہ اب میں نے اپنے سات سالہ بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ کی راہ میں قربان کرنا ہے۔

چنانچہ جب صبح ہوئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بچے کو پیار کیا اور کہا، بیٹا! میرے ساتھ چلو۔ بیوی نے پوچھا، کہاں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا، کسی بڑے کی ملاقات کرنی ہے..... نام نہ بتایا کیونکہ وہ بالآخر ماں ہے، ممکن ہے کہ قربانی کا نام سن کر اس کا دل پسیج جائے اور اس کی آنکھوں سے آنسو آجائیں اور صبر وضبط میں کچھ فرق پڑ جائے۔ چنانچہ موٹی سے بات کر دی کہ کسی بڑے کی ملاقات کے لئے جانا ہے..... بی بی ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو نہلا دیا، سر پر تیل بھی لگایا اور کنگھی بھی کر دی۔ لیکن ان کو معلوم نہیں تھا کہ آج میرا بیٹا کس آزمائش میں جا رہا ہے۔ البتہ روانہ ہوتے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کو کہہ دیا، بیٹا! ایک رسی اور چھری بھی لے لو۔ اس نے پوچھا، ابا جان! رسی اور چھری کس لئے لینی ہے؟ فرمایا، بیٹا! جب بڑے سے ملاقات ہوتی ہے تو پھر قربانیاں بھی دینی پڑتی ہیں۔ بیٹا سمجھا کہ شاید کسی جانور کو قربان کریں گے۔ یوں حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے لخت جگر کو

قربان کرنے کے لئے گھر سے چل پڑے۔

جب وہ اپنے گھر سے چلے گئے تو پیچھے شیطان ملعون بی بی ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا اور کہنے لگا، تجھے پتہ بھی ہے کہ آج تیرے بیٹے کے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟ انہوں نے پوچھا، کیا؟ وہ کہنے لگا، تیرا خاوند تیرے بیٹے کو ذبح کر دے گا۔ انہوں نے کہا، بوڑھے! تیری عقل چلی گئی، کبھی باپ بھی اپنے بیٹے کو ذبح کرتا ہے؟ وہ کہنے لگا، ہاں، ان کو اللہ کا حکم ہوا ہے۔ جب اس نے یہ کہا کہ ہاں ان کو اللہ کا حکم ہوا ہے تو بی بی ہاجرہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں، اگر اللہ کا حکم ہوا ہے تو میرے بیٹے کو قربان ہونے دو کیونکہ اگر میرے بارے میں اللہ کا حکم ہوتا تو میں بھی اس کے راستے میں قربان ہونے کے لئے تیار ہو جاتی۔

جب شیطان کا بی بی ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے سامنے کوئی بس نہ چلا تو وہ راستے میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پاس آیا اور ان سے پوچھا، سناؤ! تم کہاں جا رہے ہو؟ آپ نے فرمایا، کسی بڑے کی ملاقات کے لئے جا رہا ہوں۔ وہ کہنے لگا، ہرگز نہیں، تجھے ذبح کر دیا جائے گا۔ انہوں نے کہا، یہ کیسے ہو سکتا ہے، کوئی باپ بھی اپنے بیٹے کو ذبح کرتا ہے؟ کہنے لگا، ہاں اللہ کا حکم ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کہنے لگے، اگر اللہ کا حکم ہے تو میں حاضر ہوں۔ چنانچہ شیطان پھر ناکام ہوا۔

پھر راستے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آیا اور کہنے لگا، بیٹے کو کیوں ذبح کرتے ہو، کبھی خواب کے پیچھے بھی کوئی اپنی اولاد کو ذبح کرتا ہے، دیکھئے قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تھا لیکن آج تک اس کا نام رسوائے زمانہ مشہور ہے، اگر آپ بھی اپنے بیٹے کو ذبح کر دیں گے تو کہیں آپ کا نام بھی ایسے ہی برا نہ مشہور ہو جائے، لہٰذا ایسا کام ہرگز نہ کرنا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا، ارے بدبخت! معلوم ہوتا ہے کہ تو

شیطان ہے، قابیل نے تو اپنی نفسانی خواہش کی وجہ سے بندے کو مارا تھا اور میں تو رحمانی خواب کو پورا کرنے کے لئے اپنے بیٹے کو قربان کرنا چاہتا ہوں، میرے خواب کا اس کے عمل کے ساتھ کوئی تعلق واسطہ بھی نہیں ہے، قابیل تو عورت کا وصل چاہتا تھا اور میں پاک پروردگار کا وصل چاہتا ہوں، لہٰذا میں آج اپنے بیٹے کی قربانی دے۔ ۔ ۔ دکھاؤں گا۔

اس کے بعد جب حضرت ابراہیم علیہ السلام آگے بڑھے تو شیطان آ کر راستے میں کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا، میں نہیں جانے دیتا۔ اس وقت انہوں نے سات کنکریاں اٹھا کر شیطان کو ماریں اور اللہ تعالیٰ نے وہاں سے شیطان کو بھگا دیا۔ جہاں اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کنکریاں ماریں اس جگہ کا نام جمرۂ اولیٰ پڑ گیا۔ پھر دوسری جگہ پر جا کر راستہ روکا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام علیہ السلام نے وہاں بھی اس کی رمی جمار کی۔ شیطان پھر بھاگ گیا۔ اس جگہ کا نام جمرۂ وسطیٰ پڑ گیا۔ پھر تیسری جگہ بھی اس کو کنکریاں لگیں اور اس جگہ کا نام جمرۂ عقبہ پڑ گیا۔

جمرۂ عقبہ سے آگے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا، ابا جان! آپ نے فرمایا کہ بڑے کی ملاقات کے لئے جاتا ہے، بتائیے کہ اس بڑے کی ملاقات کب ہوگی؟ اب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو ساری بات بتائی کہ

يٰبُنَيَّ اِنِّي اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّي اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ط

(اے میرے بیٹے! میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں، بتا تیری کیا رائے ہے؟) (الصّٰفّٰت:۱۰۲)

بیٹا بھی جد الانبیاء کے گھر کا چشم و چراغ تھا اور بعد میں منصب رسالت پر فائز ہونے والا تھا، اس لئے کم سنی کے باوجود سر تسلیم خم کرتے ہوئے نہایت ہی ادب

سے عرض کرنے لگے،

یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ○

(اے ابا جان! کر گزریئے جس بات کا آپ کو حکم ہوا ہے، آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے) (الصفت:۱۰۲)

سبحان اللہ! جب باپ کے دل میں محبت الٰہی کا جذبہ موجزن ہوتا ہے تو پھر گھر کے دوسرے افراد کے اندر بھی اس کے نمونے نظر آتے ہیں.... جب بیٹے نے یہ جواب دیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو ذبح کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ یہ دیکھ کر وہ کہنے لگے۔

''ابا جان! میں آپ سے چار باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں''۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا، میرے بیٹے! تم مجھے بتاؤ کہ تم اس وقت مجھے کیا کہنا چاہتے ہو؟ عرض کیا، ابا جان! پہلی بات تو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ چھری کو اچھی طرح تیز کر لیجئے، ایسا نہ ہو کہ چھری کند ہو اور مجھے ذبح کرنے میں زیادہ وقت لگ جائے۔ میں نے جب اللہ کے نام پر ہی جان دینی ہے تو چھری تیز ہونے کی وجہ سے میری جان جلدی نکلے گی اور میں جلدی اللہ سے واصل ہو جاؤں گا''

یہ بات سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چھری اور بھی تیز کر لی اور پوچھا، بیٹا! دوسری بات کونسی ہے؟ بیٹے نے عرض کیا،

''ابا جان! میں چھوٹا ہوں، آپ مجھے رسی سے باندھ دیجئے''۔

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو رسی سے باندھ دیا اور پوچھا، بیٹا! تیسری بات کون سی ہے؟ بیٹے نے عرض کیا،

''ابا جان! جب آپ مجھے ذبح کریں گے تو آپ میرا چہرہ اوپر آسمان کی طرف نہ

کرنا، کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ مجھے سجدہ کی حالت میں موت آئے۔ ویسے بھی جب آپ کی طرف میری پیٹھ ہوگی تو آپ کے دل میں محبت پدری بھی جوش نہیں مارے گی"۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا، بیٹا! میں یہ بھی کردوں گا۔ آپ اور کیا بات کرنا چاہتے ہیں؟ عرض کیا،

"ابا جان! جب آپ مجھے ذبح کر چکیں تو آپ میرے کپڑے میری والدہ کو دکھا دینا اور کہنا کہ آپ کا بیٹا اللہ کے نام پر کامیاب ہو گیا ہے"۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی چوتھی بات پر حضرت ابراہیم علیہ السلام رو پڑے اور اللہ رب العزت سے فریاد کی،

"اے اللہ! آپ نے مجھے بڑھاپے میں اولاد دی اور اب اس معصوم بچے کی قربانی مانگتے ہیں، اے اللہ! اپنے خلیل پر رحم فرمانا اور اس بچے پر بھی رحم فرما دینا جو قربانی کے لئے تیار ہے"۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اوندھے منہ لٹا کر ان کے گلے پر چھری رکھ دی۔ وہ ان کو ذبح کرنا چاہتے ہیں مگر چھری ان کو ذبح نہیں کرتی۔ اللہ رب العزت نے جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا،

"اے جبرائیل! جاؤ اور چھری کو تھام لو، اگر رگوں میں سے کوئی رگ کٹ گئی تو فرشتوں کے دفتر سے تمہارا نام نکال دوں گا"۔

چنانچہ جبرائیل علیہ السلام آکر چھری کو تھام لیتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام چھری کو چلانے کی پھر کوشش کرتے ہیں۔ لیکن چھری نہیں چلتی۔ پھر اپنا پورا بوجھ اس کے اوپر ڈال دیتے ہیں مگر چھری نے بچے کو پھر بھی ذبح نہ کیا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام غصے

میں آ کر چھری سے کہتے ہیں، اے چھری! تو کیوں نہیں چلتی؟

چھری نے جواب میں پوچھا،

''اے ابراہیم خلیل اللہ! جب آپ کو آگ میں ڈالا گیا تھا تو آپ کو آگ نے کیوں نہیں جلایا تھا''؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا،

''آگ کو اللہ کا حکم تھا کہ میرے ابراہیم کو نہیں جلانا''۔

پھر چھری کہنے لگی،

''اے ابراہیم خلیل اللہ! آپ مجھے ایک مرتبہ کہتے ہیں کہ گلے کو کاٹو اور اللہ تعالیٰ مجھے ستر مرتبہ کہہ رہے ہیں کہ ہرگز نہیں کاٹنا، اب بتائیں کہ میں گلا کیسے کاٹ سکتی ہوں''۔

اللہ رب العزت کی شان دیکھئے کہ اس نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو زندہ بچا لیا اور ان کی بجائے ایک مینڈھا قربان ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ اللہ نے ان کے بیٹے کو محفوظ بھی فرما لیا اور فرمایا

وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ۝ (الصفت:۱۰۷)

(اس کی جگہ ہم نے ایک بڑی قربانی دے دی)

مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ''عظیم'' کا لفظ اس لئے ارشاد فرمایا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیشانی میں دو نبوتوں کا نور تھا۔ ایک اپنی نبوت کا اور ایک سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ۝ (الصفت:۱۰۶)

(بے شک یہ بہت بڑی آزمائش تھی)

پھر فرمایا،

سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝ (الصّٰفّٰت:۱۰۹)

(اے ابراہیم! تجھ پر سلامتی ہو)

یعنی اے ابراہیم! تجھے شاباش ہو۔ ابراہیم! تو جیتا رہے کہ تو نے ایسی قربانی کر کے دکھائی۔

اللہ رب العزت نے اپنے خلیل کی اتنی حوصلہ افزائی فرمائی کہ فرمایا:

وَ تَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ (الصّٰفّٰت:۱۰۸)

(اور ہم نے آنے والوں میں اس عمل کو جاری کر دیا)

یعنی اے ابراہیم! ہمیں تیرا یہ عمل اتنا پسند آیا کہ ہم تیرے اس عمل کو قیامت تک سنت بنا کر جاری کر دیں گے...... دیکھئے، جو عشق حقیقی میں کامیاب ہوتے ہیں اللہ رب العزت کی طرف سے ان کو یوں عزتیں ملتی ہیں،........ آج بھی ایمان والوں کی زندگیوں میں محبت الٰہی کے آثار نظر آتے ہیں۔ کتنی مائیں ہیں جو آج کے دور میں بھی اپنے بیٹوں کو دین اسلام کی سربلندی کے لئے میدان جہاد میں بھیجتی ہیں اور کہتی ہیں کہ جایئے اور اپنی جان قربان کر دیجئے۔

ماں ہو تو ایسی

ہمارے اسی شہر (جھنگ) سے تعلق رکھنے والا ایک نوجوان چند دن پہلے میدان جہاد میں شہید ہوا۔ جب اس کا جنازہ پڑھایا جانے لگا تو اس کی والدہ نے کہا،

''میرا ایک بیٹا شہید ہوا ہے، تین بیٹے اور بھی موجود ہیں' میرا جی چاہتا ہے کہ باقی تین بھی اللہ کے راستے میں شہید ہو جائیں''۔

دیکھئے ایمان والوں کے دل میں اللہ رب العزت کی کیسی محبتیں ہیں کہ آج بھی ایمان

والی عورتیں تمنائیں کرتی ہیں کہ ہمارے بیٹے اللہ کے دین کی خاطر جان دے دیں۔

ذکر الٰہی کی اہمیت

میرے عزیز دوستو! اس ذکر اللہ سے ذات الٰہی کی محبت پیدا ہوتی ہے۔ اس ذکر کا مطلب فقط گنتی کر کے عدد پورے کرنا نہیں بلکہ اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہو جائے۔

اشتیاق حق بود ذکر دلت
کوشش تا گردد ترا ایں حاصلت

(حق کا عشق تیرے دل کا ذکر ہے۔ پس کوشش کر کہ یہ تجھے حاصل ہو جائے)

جب محبت الٰہی حاصل ہو جاتی ہے تو پھر انسان کے لئے عبادات آسان ہو جاتی ہیں۔ اس کے لئے قربانیاں دینا آسان ہو جاتا ہے اور اپنے نفس کو لگام دینی آسان ہو جاتی ہے۔ اسی لئے فرمایا،

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرۃ:۱۶۵)

(اور ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ سے شدید محبت ہوتی ہے)

محبت الٰہی وہ نعمت ہے جو اللہ کے محبوب ﷺ نے اللہ سے مانگی۔ آپ ﷺ تہجد کی نماز میں فرماتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ يُّحِبُّکَ

(اے اللہ! میں آپ سے آپ کی محبت کا سوال کرتا ہوں اور جو آپ سے محبت کرتے ہیں میں ان کی بھی محبت کا سوال کرتا ہوں)

ہمیں بھی چاہیے کہ ہم بھی اللہ رب العزت سے اس کی محبت کا سوال کیا کریں۔ یاد رکھئے کہ

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

جب انسان کے دل میں آشنائی کی لذت آجاتی ہے تو دنیا سے انقطاع ہو جاتا ہے اور انسان کی نگاہیں اللہ رب العزت کی ذات پر جم جایا کرتی ہیں۔ اسی طرح اس کی توجہ کا قبلہ ایک بن جایا کرتا ہے۔ وہ لا کی تلوار سے ماسوی پر چھری پھیر دیتا ہے۔ اس کے دل میں اللہ آجاتے ہیں، اس کے دل میں اللہ سما جاتے ہیں، بلکہ اس کے دل میں اللہ رب العزت چھا جاتے ہیں۔ اس کو فنائے قلب کہتے ہیں۔ اسی کو حاصل کرنے کیلئے میں اور آپ اس کے طلب گار ہیں۔

ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ رب العزت سے یوں مانگیں کہ رب کریم! ہمیں اپنی ایسی یاد عطا فرما دے جس کی وجہ سے ہماری پوری زندگی اس کے حکموں کے مطابق ہو جائے۔

یاد رکھیں کہ جو طلب کرتا ہے وہ پا لیتا ہے۔ حضرت خواجہ محمد معصومؒ فرماتے ہیں

''سالک جب تک ہالک نہ بنے، کام نہیں ہوتا''۔

یعنی سالک اپنے آپ کو ہلاک کرنے کے درپے ہو جائے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انسان پر ذکر کی کوئی بندش نہیں لگائی۔ بلکہ فرمایا

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا ○ (الاحزاب:۴۱)

(اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرو)

دوسری جگہ فرمایا،

وَالذّٰکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّالذّٰکِرَاتِ (الاحزاب:۳۵)

(اور کثرت کے ساتھ ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں)

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اپنے ذکر کے لئے کثرت کا لفظ ارشاد فرمایا۔ اور

کثرت اس کو نہیں کہتے کہ ہم پانچ منٹ یا دس منٹ کا مراقبہ کریں۔ جب منٹوں کے چکر سے نکل جائیں گے اور ذکر الٰہی کو زندگی کا مقصد بنا لیں گے تو پھر اللہ رب العزت بھی ہم پر رحمت فرما دیں گے۔ جس طرح شیخ صاحب ☆ دامت برکاتہم نے کتنی عجیب بات ارشاد فرمائی کہ

"بادشاہ اپنے دیدار کے لئے انتظار کروایا کرتے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ ہمیں مراقبہ کی شکل میں اس انتظار کی روزانہ توفیق عطا فرما دے۔ اگر آج ہم نے یہ بات دل میں پکی کر لی تو گویا ہمارا یہاں آنے کا مقصد پورا ہو گیا۔ انسان اللہ تعالیٰ سے اس کی محبت کا یوں سوال کرے،

اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ مِنْکَ

(اے اللہ! میں آپ سے آپ ہی کو چاہتا ہوں)

اگر انسان کے دل میں یہ طلب پیدا ہو جائے تو پھر دیکھنا کہ عبادات کی کچھ اور ہی کیفیت ہو گی۔

زندگی میں سے گناہ ختم ہو جائیں گے

اور اللہ رب العزت کی اطاعت آ جائے گی

محبت الٰہی تو کسی نہ کسی درجے میں ہر کلمہ گو کے اندر موجود ہوتی ہے مگر پروردگار عالم نے "اشد" کا لفظ استعمال فرمایا، کہ جب تک یہ محبت "اشد" کے مرتبہ تک نہیں پہنچے گی اس وقت تک گویا ایمان کامل کی لذت نہیں ملے گی۔ اس لئے ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ رب العزت سے اس کی محبت کی شدت مانگیں اور کہیں۔

"اے اللہ! ہمیں اپنی محبت میں دیوانہ بنا دیجئے، مستانہ بنا دیجئے، ہر وقت ہماری آپ کے ساتھ تار جڑی رہے اور ہر وقت ہمارے دل میں آپ کا بسیرا ہو جائے"۔

☆ شیخ: بہاء الدین صاحب دامت برکاتہم

کسی عارف نے کیا ہی اچھی بات کہی کہ

مجھ کو نہ اپنا ہوش نہ دنیا کا ہوش ہے
بیٹھا ہوں مست ہو کے تمہارے جمال میں
تاروں سے پوچھ لو میری روداد زندگی
راتوں کو جاگتا ہوں تمہارے خیال میں

ہم بھی پروردگار عالم کی خاطر راتوں کو جاگنے والے بن جائیں، تہجد پابندی سے پڑھنے والے بن جائیں اور ہر وقت وقوف قلبی رکھنے والے بن جائیں۔

صنم خانوں کی صفائی

محبت الٰہی کی شدت حاصل کرنے کے لئے دل کو صاف کرنا پڑتا ہے۔ جب انسان دل میں پڑے ہوئے بتوں کو توڑ دیتا ہے تو پھر اللہ رب العزت اس کے اوپر تجلی فرماتے ہیں۔ آج میلی جگہ پر کوئی انسان بیٹھنا پسند نہیں کرتا، پاک پروردگار عالم گندی جگہ پر آنا کیسے پسند فرمائیں گے۔ وہ بھی یہی چاہتے ہیں کہ اپنے دلوں کو صاف کرلو اس لئے ہمیں چاہیے کہ ہم معبودان باطل سے اپنی توجہ کو ہٹالیں، چاہے وہ انفسی ہوں، چاہے وہ آفاقی ہوں اور چاہے وہ خیالی ہوں۔ جی ہاں، کئی بت ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو انسان اپنے دماغ میں پوجتا ہے۔ ایسے سب صنم خانوں کی صفائی کرنی پڑتی ہے۔

خلاصہ کلام

میرے دوستو! ہماری عبادتیں اور مجاہدے یقیناً اس قابل نہیں کہ ان کے بدلے ہمیں اللہ تعالیٰ کی محبت جیسی لازوال دولت مل جائے۔ مگر ہم تو سوالی ہیں۔ سوالی کا کام تو سوال کرنا ہوتا ہے۔ وہ یہ نہیں دیکھتا کہ میں اس بات کے قابل ہوں یا

نہیں۔ ہم بھی اللہ تعالیٰ سے یہی کہیں کہ اے اللہ! اگرچہ ہم بھی اس قابل نہیں ہیں، آپ ہی عطا فرما دیجئے، قابل بھی تو آپ ہی بناتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے،

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا

(اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی انسان کبھی ستھرا نہ ہوتا) (النور:۲۱)

معلوم ہوا کہ معاملہ ہماری محنت پر موقوف نہیں ہے بلکہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر موقوف ہے۔ ہاتھ پاؤں بچہ مارتا ہے اور ماں باپ کو ترس آجاتا ہے، تزکیہ کا بھی یہی معاملہ ہے، ہاتھ پاؤں سالک مارتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ہاتھ پاؤں مارنے پر ترس آجاتا ہے۔ اس طرح وہ خود تزکیہ کر دیا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ مہربانی فرما کر اپنے بندوں کی عاجزی کو قبول فرما لیتے ہیں۔ جیسے باپ اپنے بیٹے سے کہتا ہے، بیٹا! میری طرف آؤ۔ حالانکہ وہ جانتا ہے کہ بچہ کمزور ہے اور وہ نہیں آسکتا، گر جائے گا مگر باپ کو پتہ ہوتا ہے کہ میں نے اسے گرنے نہیں دینا، صرف یہ دیکھنا ہے کہ میری طرف آتا ہے یا نہیں آتا۔ اسی طرح ہم بھی راستے پر قدم آگے بڑھائیں گے۔ اگرچہ ہم کمزور اور نادان ہیں اور اہلیت و طاقت بھی نہیں ہے، مگر جب قدم آگے بڑھائیں گے اور کسی جگہ پر ڈولنے لگیں گے تو اللہ تعالیٰ بھی تو دیکھ رہے ہوں گے، وہ اپنی رحمت کے ساتھ ہمیں فتنوں میں پڑنے سے بچا لیں گے۔ جس طرح باپ بیٹے کو سینے سے لگا لیتا ہے اسی طرح اللہ رب العزت بھی ہمیں اپنی رحمت کے سایہ میں جگہ عطا فرما دیں گے۔

پروردگار عالم سے دعا ہے کہ وہ ہمارے گناہوں کو معاف فرمادے اور ہمیں وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ کا مصداق بنادے۔ (آمین ثم آمین)

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین۔

إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا

علم نافع کی برکات

حضرت اقدس دامت برکاتہم نے یہ بیان ۲۴ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ مطابق یکم جولائی ۲۰۰۲ء بروز سوموار ملاوی کے شہر لیلونگو میں فرمایا جس میں کثیر تعداد میں علماء وطلباء وعوام الناس موجود تھے۔

اقتباس

......اگر کسی کو فلسفہ و منطق پر ناز ہے تو وہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کو دیکھے۔

......اگر کسی کو اپنی قوتِ حافظہ پر ناز ہے تو وہ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کو دیکھے۔

......اگر کسی کو اپنی فقاہت پر ناز ہے تو وہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کو دیکھے۔

......اگر کسی کو اپنی اقامتِ دین کی کوششوں پر ناز ہے تو وہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کو دیکھے۔

......اگر کسی کو تبلیغِ دین پر ناز ہے تو وہ مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کو دیکھے۔

......اگر کسی کو اپنی تحریر پر ناز ہے تو وہ حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کو دیکھے۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

علم نافع کی برکات

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَکَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَ لٰکِنْ کُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ بِمَا کُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْکِتٰبَ وَبِمَا کُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ○ (ال عمران : ۷۹)

...............وقال اللہ تعالیٰ فی مقام اٰخر ....

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا. (فاطر : ۲۸)

...............وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ....

اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ . اَوْ کَمَا قَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ و السَّلام

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ○ وَ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○ وَ الْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَ بَارِکْ و سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

علم اور عشق کے برتن

پروردگار عالم نے ہر انسان کو دو خاص نعمتوں سے نوازا ہے۔ ایک پھڑکتا ہوا دماغ اور دوسرا دھڑکتا ہوا دل۔ پھڑکتا ہوا دماغ علم الٰہی کا برتن ہے اور دھڑکتا ہوا دل محبتِ الٰہی کا برتن ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ ان دونوں برتنوں کو بھرا رکھے۔ اگر

دل عشقِ الٰہی سے بھر جائے لیکن دماغ علم سے خالی ہو تو انسان پھر بھی گمراہ ہو جاتا ہے۔ عشق انسان کو بدعات سکھاتا ہے جبکہ علم اس کے اندر توازن پیدا کرتا ہے۔اور اگر دماغ علم سے بھر جائے اور دل عشق سے خالی ہو تو پھر بھی انسان گمراہ ہو جاتا ہے۔ وہ خود پسندی اور تکبر کا شکار ہو جاتا ہے۔ شیطان کے پاس علم تھا مگر کیوں گمراہ ہوا؟ اس لئے کہ اس میں ''میں'' تھی اور اس نے کہا تھا کہ

اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ (صٓ: ۷۶) (میں اس سے بہتر ہوں)

شیطان کو اسی عجب اور خود پسندی نے راندۂ درگاہِ بارگاہِ الٰہی بنا دیا تھا۔

تین واضح تبدیلیاں

پہلے دور کے لوگوں میں اور آج کے دور کے لوگوں میں تین واضح تبدیلیاں نظر آتی ہیں۔

(۱) ..... پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمارے اسلاف اللہ رب العزت کی معرفت کے حصول کے لئے دن رات فکر مند رہتے تھے جبکہ آج کا انسان کائنات کی معرفت حاصل کرنے کے لئے فکر مند رہتا ہے۔ سائنسدان کمپیوٹر سکرین کے سامنے بیٹھے رہتے ہیں تاکہ Galaxies (کہکشاؤں)، Solar System (نظامِ شمسی) اور Planets (سیاروں) کے بارے میں کائنات کی معرفت پا سکیں۔

(۲) ..... دوسری تبدیلی یہ دیکھنے میں آ رہی ہے کہ ہمارے اسلاف جتنی محنت اپنی آخرت کو بنانے کے لئے کرتے تھے آج کا انسان اس درجے کی محنت اپنی دنیا کو بنانے کے لئے کر رہا ہے۔ وہ دن رات دنیا کے پیچھے بھاگتا پھر رہا ہے۔ دنیا اس کے دل میں ایسی رچ بس چکی ہے کہ دن میں تو انسان دکان کے اندر ہوتا ہے لیکن رات کے وقت دکان انسان کے اندر ہوتی ہے۔ انہی سوچوں اور خیالوں میں اس

کی رات بسر ہو جاتی ہے۔

(۳)۔تیسری تبدیلی یہ نظر آ رہی ہے کہ ہمارے اسلاف اپنی روح کو غذا بہم پہنچانے کے لئے جتنی محنت کرتے تھے آج کا انسان اپنے جسم کو غذا پہنچانے کے لئے اتنی محنت کر رہا ہے۔جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ روح کمزور ہوتی جا رہی ہے اور جسم کو غذا ضرورت سے زیادہ مل رہی ہے۔پہلے زمانے میں لوگ کم کھانے کی وجہ سے مرتے تھے اور آن کے دور میں انسان زیادہ کھانے کی وجہ سے مرتا ہے۔سب بڑی بڑی بیماریاں زیادہ کھانے کی وجہ سے جنم لیتی ہیں۔افسوس کے ساتھ یہ بات کہنی پڑتی ہے کہ عورتوں کا اتنا وقت مصلے پر نہیں گزرتا جتنا کچن مین کیک اور دیگ بنانے میں گزر رہا ہوتا ہے۔

فلاسفروں اور انبیائے کرام کے اصول وضوابط میں فرق

دنیا میں مختلف تہذیبوں کے جتنے سکالرز گزرے ہیں انہوں نے بھی انسانیت کی فلاح و بہبود کے اصول وضوابط بنائے اور اللہ کے انبیاء علیہم السلام جب دنیا میں تشریف لائے تو انہوں نے بھی اصول وضوابط بنائے۔سکالرز کا وہ طبقہ تھا جس نے اپنی عقل کی بنیاد پر زندگی گزارنے کے اصول وضع کیے۔عقل کو جہاں فائدہ نظر آیا اس کام کو کر لیا اور جہاں عقل کو نقصان نظر آیا اس کام سے پیچھے ہٹ گئے۔دوسرے لفظوں میں وہ عقل کے پجاری ثابت ہوئے۔اب انسانیت کا ایک طبقہ ان فلاسفروں اور سکالروں کے پیچھے چل رہا ہے اور ایک وہ کلمہ گو طبقہ ہے جو انبیاء کرام کے راستے پر چل رہا ہے۔اس دوسرے طبقے کے لوگ وہ تھے جنہوں نے اپنے قلوب پر محنت کی اور ان کو ایمانِ حقیقی اور محبتِ الٰہی سے اور اپنے دماغ کو وحی کے علوم سے بھر لیا۔انہوں نے اللہ رب العزت کی منشا کے مطابق زندگی گزاری۔

عجیب بات یہ ہے کہ ان دونوں طریقہ ہائے زندگی میں تین نمایاں فرق نظر آتے ہیں

(۱) ...وہ لوگ جو عقل کے پجاری بنے اور فلسفہ کے پیچھے چلے ان میں ایک بات تو یہ دیکھی گئی کہ انہوں نے انسانیت کی فلاح کے لئے جو اصول مرتب کئے ان کے ہم عصر لوگوں نے ان کی مخالفت کی۔ چنانچہ ایک فلاسفر کے اصول کچھ اور ہوتے تھے اور دوسرے کے کچھ اور۔ گویا کہ ہر ایک کا اپنا اپنا نظریہ تھا۔ لیکن انبیاء کرام جب تشریف لائے تو ان سب نے ایک ہی بات کہی کہ تم اللہ رب العزت کی عبادت کرو۔ قرآن عظیم الشان سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے۔ اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں۔

وَ اِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا ط قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ (ھود: ۸۴)

(اور مدین کی طرف بھیجا ان کے بھائی شعیب کو، فرمایا اے میری قوم! بندگی کرو اللہ کی)

وَ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاھُمْ صٰلِحًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ (ھود: ۶۱)

(اور ثمود کی طرف بھیجا ان کا بھائی صالح، بولا اے قوم بندگی کرو اللہ کی)

گویا سب انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنے سے پہلے نبیوں کی تصدیق کی کہ جس نظریے کا پرچار وہ کرتے تھے ہم بھی اسی نظریے پر کاربند ہیں۔

(۲) ......دوسرا واضح فرق یہ ہے کہ جن فلاسفروں نے اصول وضوابط پیش کئے ان کے شاگردوں نے اپنے استادوں کی باتوں کو رد کر کے انہیں ناقابلِ عمل بنا دیا۔ جیسے کمیونزم ایک طریقہء زندگی تھا لیکن ستر سال کے بعد خود کمیونزم پر چلنے والے لوگوں نے ہی لینن کے مجسمے کو سڑکوں پر گھسیٹا کہ اس آدمی نے ہمیں غلط راستے پر لگا دیا تھا۔

دوسری طرف جتنے بھی انبیائے کرام تشریف لائے ان سب کے شاگردوں نے پوری زندگی ان کی تصدیق کی۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام جو کچھ اللہ رب العزت کی طرف سے لے کر آئے سب صحابہؓ نے اس کی تصدیق کی۔ یہاں تک کہ ابوجہل نے کہا، ابوبکر! کیا کوئی بندہ رات کے وقت مکہ مکرمہ سے مسجد اقصیٰ تک جا سکتا ہے؟ فرمایا، جا تو نہیں سکتا۔ وہ مردود کہنے لگا، تمہارے دوست کہتے ہیں کہ میں گیا ہوں۔ فرمایا، اگر وہ کہتے ہیں تو وہ اللہ کے نبی ہیں اور سچ کہہ رہے ہیں۔ سبحان اللہ، فوراً تصدیق کر دی۔

(۳)......ایک تیسرا فرق یہ نظر آتا ہے کہ جن لوگوں نے عقل کی بنیاد پر اصول بنائے انہوں نے جب بھی کوئی اصول بنایا اور سمجھایا تو انہوں نے اپنے آپ کو آگے پیش کیا اور کہا،

......میں نے یہ سوچا

......میں اس نتیجے پر پہنچا

......میری ریسرچ یہ بتاتی ہے

......میرا تجربہ یہ کہتا ہے

......میرے ذہن میں یہ خیال آیا

......میں نے یہ فیصلہ کیا ہے

گویا ان کی پوری بات کا نچوڑ ''میں'' ''میں'' اور ''میں'' نکلا...... جبکہ انبیائے کرام علیہم السلام جو تعلیمات لے کر آئے ان سب نے انسانیت کی توجہ اللہ رب العزت کی طرف دلائی۔ انہوں نے اپنی بات کو مقدم نہیں کیا بلکہ اللہ کے پیغام کو مقدم کیا اور فرمایا،

......اللہ رب العزت نے یہ فرمایا

......اللہ رب العزت نے یہ نازل فرمایا

......میری طرف اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام آیا

......اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ حکم دیا

یعنی ان تمام تعلیمات میں انبیائے کرام نے انسانیت کو اللہ کے در پر پہنچایا۔

الحمد للہ، ثم الحمد للہ، جس دین پر ہم کار بند ہیں یہ تمام ادیانِ عالم کا نچوڑ اور خلاصہ ہے۔ جیسے دودھ سے مکھن کو نکال کر کہتے ہیں کہ یہ سارے دودھ کا نچوڑ ہے اسی طرح یوں سمجھئے کہ شریعتِ محمدی ﷺ بھی تمام شریعتوں کا نچوڑ ہے۔ یہ ایسی نعمت ہے جس کے بارے میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا،

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ......(المائدہ:۳)

(آج کے دن میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا اور میں نے یہ نعمت تم پر مکمل کر دی)

سبحان اللہ، خود پروردگارِ عالم نے اسے نعمت قرار دیا......قربان جائیں اس پروردگار کی فیاضی پر کہ اس نے ہم عاجز مسکینوں کو اس شریعت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمادی۔ یاد رکھیں کہ یہ ایک کامل شریعت ہے، اس شریعت کو جاننے کے لئے علم حاصل کرنا پڑتا ہے۔ علم کے بغیر شریعت کا پتہ نہیں چلتا۔

انسان کانیں ہیں

محسنِ انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ نے ارشاد فرمایا،

اَلنَّاسُ مَعَادِنٌ (انسان کانیں ہیں)

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بہت ہی قیمتی بات ارشاد فرمائی ہے۔لوگ تو دنیا میں کسی کی اچھی بات کو سن کر کہہ دیتے ہیں کہ فلاں نے تو لاکھ روپے کی بات کہی۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کے اس فرمان کو اس سے تشبیہ دی ہی نہیں جاسکتی۔ بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ اس کوملین اور بلین ڈالر سے بھی تشبیہ نہیں دی جاسکتی۔

کان زمینی خزانے کو کہتے ہیں۔کہیں سونے کی کان ہوتی ہے، کہیں تانبے کی کان ہوتی ہے،کہیں لوہے کی کان پائی جاتی ہے،کہیں یورینیم کی کان پائی جاتی ہے۔ ان کانوں سے چیزیں نکال کر طرح طرح کے فائدے حاصل کئے جاتے ہیں۔ ...... نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انسانوں کو کانوں کے ساتھ اس لئے مشابہت دی کہ ہر انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے استعداد اور صفات کے خزانے رکھ دیئے ہیں۔ جیسے کانوں میں سے چیز خود نکالنی پڑتی ہے اسی طرح انسان اپنی محنت سے ان چھپی ہوئی صفات اور صلاحیتوں کو بیدار کرسکتا ہے...... چونکہ ہر بندے میں یہ صلاحیتیں ہوتی ہیں اس لئے کسی بندے کو بھی کم نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے۔حدیثِ پاک میں آیا ہے،

خِیَارُکُمْ فِی الْاِسْلَامِ خِیَارُکُمْ فِی الْجَاھِلِیَّةِ اِذَا فَقِھُوْا

(تم میں سے اسلام میں وہ بندہ بہتر ہے جو جاہلیت میں بہتر تھا۔جب وہ دین کی سمجھ حاصل کریں)

جب وہ اسلام کی طرف آکر نیک بنیں گے تو وہ دین میں بھی تم سے آگے نکل جائیں گے اور ان کو فقاہت (سمجھ) مل جائے گی۔اس لئے کہ ابتدا میں جوڈاکوؤں کا لیڈر ہوگا، جب توبہ کرے گا تو وہ نیکیوں میں بھی دوسروں سے آگے بڑھ جائے گا، کیونکہ اس کے اندر Leadership (قیادت) کی Capability (صلاحیت)

موجود ہوتی ہے۔

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک بیج کے اندر درخت بننے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ بڑ کا درخت کتنا بڑا ہوتا ہے لیکن اس کا بیج مٹر کے دانے سے بھی چھوٹا ہوتا ہے۔ اتنے چھوٹے سے بیج میں اتنا بڑا درخت بننے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے، لیکن ہر بیج درخت نہیں بنتا۔ صرف وہ بیج درخت بنتا ہے جس کو زرخیز زمین، پانی اور حفاظت کرنے والا مالی ملتا ہے، ورنہ کئی بیج زمین میں پڑے پڑے ضائع ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح انسانوں کی یہ خوابیدہ صلاحیتیں تب بیدار ہوتی ہیں جب ان کو نیک صحبت مل جائے اور کوئی اچھا استاد اور مربی مل جائے جو اسے موقع بہ موقع گائیڈ کرتا رہے۔

شاہ بھیکؒ ایک بزرگ گزرے ہیں۔ انہوں نے ہندی زبان میں ایک عجیب شعر لکھا...... اس شعر کی بنیاد امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کی یہ بات بنی کہ انہوں نے فرمایا کہ ہر انسان ولی بالقوۃ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو اتنی صلاحیتیں دے رکھی ہیں کہ اگر وہ ان کو بروئے کار لائے تو وہ اللہ رب العزت کا ولی بن سکتا ہے۔ مگر ولی بالفعل بننے کے لئے محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ محنت کوئی بھی کرسکتا ہے۔ اس لئے کوئی کوئی اللہ کا خاص ولی بنتا ہے۔...... شاہ بھیکؒ اپنا تخلص بھیکا لکھتے تھے۔ انہوں نے یہ شعر لکھا،

بھیکا بھکھا کوئی نہیں ہر دی گٹھڑی لعل
گرہ کھول نہ جاندے تے ترت پھرن کنگال

بھیکا! کوئی بھی بھوکا نہیں ہے ہر ایک کے پاس **Pearl and Diamond** (لعل و جواہر) ہیں۔ یہ اپنی گٹھڑی کی گرہ کو کھولنا نہیں جانتے اسلئے بیچارے کنگال

پھرتے ہیں......واقعی اللہ تعالیٰ نے ہمارے اندر صلاحیتیں رکھی ہیں، ہم ان صلاحیتوں کو بیدار نہیں کرتے اس لئے کنگال زندگی گزار رہے ہوتے ہیں۔

ان خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار کرنے کے لئے علم کی ضرورت ہے۔اس لئے دین اسلام کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر لازم کر دیا گیا ہے۔

۔فرائض کا علم حاصل کرنا فرض ہے

۔واجبات کا علم حاصل کرنا واجب ہے

۔سنن کا علم حاصل کرنا سنت ہے۔

علم حاصل کرنا اس لئے ضروری ہے کہ انسان کے ساتھ ہر وقت تو مفتی نہیں ہوتا کہ اس سے پوچھ کر کام کرے گا۔ضروریاتِ دین کا علم تو ہر صورت حاصل کرنا چاہئے۔البتہ اگر کوئی مکمل دین کا علم حاصل کر لے تو وہ نورٌ علیٰ نور ہے۔یہ اللہ رب العزت کی نعمت ہے جس کو چاہے عطا کر دے۔

سمجھ کب بیدار ہوتی ہے؟

انسان کی سمجھ کب بیدار ہوتی ہے اور اس میں فقاہت کب پیدا ہوتی ہے؟ ......اس کا جواب یہ ہے کہ جب اس کا دل سنورتا ہے تب اس کے اندر فقاہت اور سمجھ پیدا ہوتی ہے۔اسی لئے قرآن عظیم الشان میں فرمایا گیا،

لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ (الحج: ۴۶)

(ان کے دل ہوتے جوان کو عقل سکھاتے۔)

گویا عقل کو قلب کا تابع بنایا گیا ہے۔

خانقاہ سے کیا مراد ہے؟

ہمارے معاشرے میں دل سنورنے کی جو درسگاہیں ہیں، ان کو خانقاہیں کہتے

ہیں ۔ یہ خانقاہ کسی عمارت کا نام نہیں ہوتا بلکہ یہ شخصیات کا نام ہوتا ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے اپنے مشائخ کی خدمت میں وقت گزارا اور ان سے تربیت پائی، پھر ان مشائخ نے ان کے علم اور عمل کے اندر جوڑ اور ظاہر و باطن کے اندر فرق کو ختم کرتے دیکھا تو انہوں نے تصدیق کر دی کہ

......اب یہ بندہ سچ کی زندگی گزار رہا ہے

......اب یہ بندہ تربیت پا چکا ہے اور

......اب یہ دوسروں کو اللہ اللہ سکھانے کے قابل ہے۔

اس شخصیت کا نام خانقاہ ہوتا ہے۔

یونیورسٹیوں اور خانقاہوں کی تعلیمات میں فرق

آج یونیورسٹیوں میں بھی تعلیم ملتی ہے اور خانقاہوں میں بھی تعلیم ملتی ہے، مگر دونوں میں فرق ہے۔ یونیورسٹی عمارت کا نام ہوتا ہے اور خانقاہ کوئی عمارت نہیں ہوتی بلکہ یہ ایک چلتی پھرتی یونیورسٹی ہوتی ہے...... یونیورسٹیوں میں ایک خاص وقت کے لئے تعلیم دی جاتی ہے لیکن ان خانقاہوں میں چوبیس گھنٹے تعلیم ہوتی ہے اور جو طلباء ان خانقاہوں میں آ کر رہتے ہیں وہ چوبیس گھنٹے کے سٹوڈنٹ ہوتے ہیں۔ دن ہو یا رات، وہ اپنے شیخ سے دین سیکھ رہے ہوتے ہیں...... یونیورسٹیوں کا کورس چند سالوں کا ہوتا ہے، مثلاً ڈاکٹر چند سالوں میں ڈاکٹر بن جاتا ہے اور اسے چھٹی ہو جاتی ہے۔لیکن خانقاہوں کا کورس ایسا ہے کہ ساری عمر چھٹی نہیں ملتی، انسان کو یہ کورس پوری زندگی میں یعنی اپنی قبر میں جانے تک کرنا پڑتا ہے۔

ے مکتب عشق کے انداز نرالے دیکھے
اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

اگر کوئی محنت کر کے اپنے آپ کو بناتا ہے تو پھر مشائخ اس کو بیٹھنے نہیں دیتے، بلکہ وہ اسے آگے دوسروں کی خدمت (اصلاح) میں لگا دیتے ہیں۔

خانقاہوں کا سب سے بڑا فائدہ

یہ خانقاہیں ایسی ہیں کہ انسان کو فائدہ مند علوم سے فائدہ حاصل کرنے والا بنا دیتی ہیں اور ان کا جو نقصان دہ پہلو ہوتا ہے اس سے بچا لیتی ہیں۔ جیسے جسم کے اندر معدہ...... جو غذا ہم کھاتے ہیں اس میں کچھ غذا تو وہ ہوتی ہے جو جسم کے لئے فائدہ مند ہوتی ہے اور معدہ اس غذا کو خون بنا کر جسم کے مختلف اعضاء کو بھیج دیتا ہے لیکن جو چیزیں نقصان دہ ہوتی ہیں ان کو پیشاب پاخانہ بنا کر خارج کر دیتا ہے۔ گویا غذا کا وہ پہلو جو فائدہ مند تھا اس کو حاصل کر لیا اور جو نقصان دہ تھا اس سے بچا لیا۔ خانقاہوں میں بھی یہی ہوتا ہے۔ انسان جو علم حاصل کرتا ہے اس کا فائدہ مند پہلو یہ ہے کہ اس کے دل کے اندر

......عبادات کا شوق پیدا ہو جائے

......اخلاص پیدا ہو جائے

......خشوع وخضوع پیدا ہو جائے اور

......نماز کو اچھے انداز کے ساتھ پڑھنے والا بن جائے۔

یہ سب فائدے اسے حاصل ہو جاتے ہیں مگر اس کا ایک نقصان دہ پہلو بھی ہے کہ جب کسی بندے کے اندر علم آتا ہے تو پھر اس کے اندر ''میں'' آ جاتی ہے۔ پھر وہ خود پسندی اور تکبر کا شکار ہو کر اپنی علمیت کو منوانے کی کوشش کرتا ہے۔ ''ہم چو ماں دیگرے نیست'' کے مصداق اس کے ذہن میں یہ بات آ جاتی ہے کہ میرے جیسا کوئی اور نہیں ہے۔ یہود کے اندر علم زیادہ تھا اسی لئے انہوں نے سوچنا شروع کر دیا کہ

نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ (المائدہ:۱۸)

(ہم اللہ کے بیٹے اور محبوب ہیں)

انہوں نے یہ بات تکبر کی وجہ سے کہی۔ چنانچہ ارشاد فرمایا،

(سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِیَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ

(الاعراف:۱۴۶)

(میں پھیر دونگا ان کو اپنی آیتوں سے جو تکبر کرتے ہیں۔ زمین میں ناحق)

چونکہ تکبر ایک نقصان دہ چیز ہے اس لئے خانقاہوں میں علم کے فائدہ مند پہلو کو تو انسان پر لاگو کر دیا جاتا ہے مگر اس تکبر اور خود پسندی کو اس کے اندر سے نکال دیا جاتا ہے جس سے انسان کو فائدہ ہو جاتا ہے۔ تکبر اور خود پسندی کا نکلنا بہت مشکل ہے۔ آج تو لوگ ایک اچھا خواب دیکھ کر اپنے معتقد بن جاتے ہیں اور فیصلہ کر لیتے ہیں کہ ہم بڑے پہنچے ہوئے ہیں، حالانکہ وہ کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہو رہے ہوتے ہیں۔ شیطان اس کبیرہ گناہ کے ارتکاب کی طرف ان کی توجہ نہیں دلاتا بلکہ انہیں اپنا معتقد بنا دیتا ہے۔ انسان اللہ والوں کی خدمت میں آکر اس نقصان دہ پہلو سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

خانقاہوں میں کیا تربیت دی جاتی ہے؟

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ نے لکھا ہے کہ انسان مدنی الطبع پیدا کیا گیا ہے۔ یعنی یہ اکیلے رہنا پسند نہیں کرتا بلکہ مل جل کر رہنا پسند کرتا ہے۔ جب مل جل کر رہیں گے تو پھر ایک دوسرے کے حقوق بھی لاگو ہوں گے۔ اس لئے انسان دوسروں کے ساتھ ایسی معاشرت رکھے کہ وہ حسد، کینہ، تکبر اور دیگر اخلاق رذیلہ سے بچ جائے۔ اس مقصد کے لئے اسے تربیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یاد رکھیں کہ اچھی

صفات خود بخود انسان کے اندر آتی نہیں اور بری صفات خود بخود جاتی نہیں۔ مثال کے طور پر اگر آپ آج فیصلہ کر لیں کہ آج کے بعد مجھے جھوٹ نہیں بولنا تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آج کے اس فیصلے کے بعد آپ کو یہ چیز حاصل ہو گئی ہے۔ نہیں، بلکہ چونکہ عادت بنی ہوئی ہے اس لئے بے اختیار زبان سے جھوٹ نکل جائے گا۔ ایک چھوٹی سی بات بتاتا ہوں۔ مثلاً کوئی آدمی فون پر یہ کہہ دے کہ ''میں ایک سیکنڈ میں آیا'' یہ حقیقت میں جھوٹ ہے لیکن انسان اس کو خود نوٹ نہیں کرتا۔ اچھا اگر وہ کسی کی نشاندہی پر نیت کر بھی لے کہ آئندہ میں نہیں کہوں گا تو وہ پھر بھی کہہ بیٹھے گا کیونکہ اس کی عادت بن چکی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو چیزیں عادت بن چکی ہوتی ہیں ان کو چھوڑنا کوئی آسان کام نہیں ہوتا۔ اس لئے استاد کی ضرورت ہوتی ہے جو اسے سمجھائے کہ اس وقت آپ یہ غلطی کر رہے ہیں۔ اسی تربیت کا نام ''تزکیہ'' ہے اور خانقاہوں میں یہی تربیت دی جاتی ہے۔

صحابہ کرامؓ کی تربیت

اللہ رب العزت نے اپنے محبوب ﷺ کی تربیت فرمائی اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام کی تربیت فرمائی۔ نبی علیہ السلام کے تربیت کرنے کے مختلف انداز تھے۔

☆ ...... کبھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کوئی ناپسندیدہ بات سرزد ہو جاتی تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرۂ انور پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوتے تھے جس کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سمجھ لیتے تھے۔

☆ ...... بسا اوقات نبی علیہ السلام کوئی بات دیکھتے تھے تو خاموشی اختیار فرما لیتے تھے۔ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خاموشی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے برداشت

کرنا مشکل ہو جاتی تھی۔

☆......بعض اوقات نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی زبان مبارک سے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اصلاح فرمایا کرتے تھے۔

کبھی خاموش رہ کر تربیت فرمائی اور کبھی بات بتا کر تربیت فرمائی۔ایک صحابیؓ نے کوئی سوال پوچھا، اس کے بعد پھر سوال پوچھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم مجھ سے اس وقت تک نہ پوچھو جب تک میں تم سے نہ کہوں، تم سے پہلی قوموں پر اسی لئے عذاب اترا کہ وہ اپنے انبیاء سے کثرت سے سوال پوچھتے تھے۔

☆......کبھی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے درخت کی ٹہنی ہلائی اور جب پتے گرے تو سمجھایا کہ جو شخص نماز پڑھتا ہے اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح پت جھڑ کے موسم میں درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔

☆......کبھی کسی کو نہر کی مثال دے کر سمجھایا کہ اگر کسی کے گھر کے سامنے نہر ہو اور وہ اس میں پانچ دفعہ غسل کرے تو کیا اس کے بدن پر میل کچیل رہے گی۔صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، نہیں۔فرمایا کہ جو شخص پانچ وقت وضو کرتا ہے وہ بھی گناہوں کی میل کچیل سے پاک ہو جاتا ہے۔

علومِ دینیہ کے اثرات

اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغام انبیائے کرام کے دلوں پر نازل فرمایا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے،

فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِکَ (البقرۃ:۹۷)

(بے شک اس نے اس قرآن کو نازل کر دیا آپ کے قلب پر)

تو وحی کا تعلق دل کے ساتھ ہوتا ہے، عقل کے ساتھ نہیں ہوتا۔اس لئے جو علوم

انسان کو قلب کے ذریعے سے ملے ہیں وہ ٹھوس اور پکے ہیں اور جو علوم انسان کو عقل کے ذریعے سے ملتے ہیں وہ پختہ نہیں ہوتے۔ ایک بات کے بعد عقل دوسری بات سوچتی ہے، پھر تیسری بات سوچتی ہے، لہٰذا انسان عقل کے اوپر اپنی زندگی کی بنیاد نہیں باندھ سکتا۔

انبیائے کرام علیہم السلام نے علومِ دینیہ دوسرے انسانوں کو سکھائے۔ انہوں نے اس پیغامِ خداوندی کی وضاحت فرمائی۔

لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (النحل: ۴۴)

(تاکہ آپ بیان کر دیں۔ وہ جو کچھ ان کی طرف نازل کیا گیا)

اس لئے یہ علوم صداقتوں اور سچائیوں پر مبنی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں تک پہنچائے ہیں۔ ان سچائیوں کی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنے والے لوگ ہمیشہ کامیاب رہتے ہیں۔ ان الہامی علوم سے فائدہ اٹھانے کے لئے انسان کو اپنے آپ کو ستھرا کرنا پڑتا ہے تاکہ گناہوں کی میل کچیل اتر جائے۔ جب تک انسان کا من ستھرا نہ ہو اسے یہ علوم فائدہ نہیں دیتے۔ چنانچہ جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے تو آپ ﷺ کے مقاصد میں سے ایک یہ مقصد بھی تھا،

وَ يُزَكِّيْهِمْ (البقرۃ: ۱۲۹)

(اور آپ ان کو ستھرا فرمائیں گے)

اسی حکم کی بنا پر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تزکیہ فرمایا۔ یہ تزکیہ ہم میں سے ہر ایک کے لئے حاصل کرنا انتہائی ضروری ہے۔ جب انسان کا تزکیہ ہو جاتا ہے تو پھر یہ علوم انسان کے اندر اپنے اثرات چھوڑتے ہیں۔

......قلب کے اندر ایمان بڑھتا ہے

... محبتِ الٰہیہ بڑھتی ہے

... خوفِ خدا بڑھ جاتا ہے اور

..... اس کا دل سنور جاتا ہے۔

ایسا ہی انسان کامیاب زندگی گزارتا ہے۔

ایمان والوں کی دو نشانیاں

قرآن مجید کی ایک آیت میں ایمان والوں کی دو نشانیاں بتائی گئی ہیں۔ اب ہم ان نشانیوں کو اپنی زندگی مین تلاش کریں۔

پہلی نشانی...... ارشادِ باری تعالیٰ ہے،

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ (الانفال:۲)

[بے شک ایمان والے بندے وہ ہیں کہ جن کے سامنے اللہ رب العزت کا تذکرہ کیا جائے تو ان کے دل پھڑک اٹھتے ہیں]

جیسے محبوب کا نام سن کر بندہ متوجہ ہو جاتا ہے اور اس کی کیفیت بدل جاتی ہے اس طرح مؤمن بھی اللہ رب العزت کا نام سن کر پھڑک اٹھتا ہے۔ ع

اک دم بھی محبت چھپ نہ سکی جب تیرا کسی نے نام لیا

اب ہم یہ نشانی اپنی زندگی میں تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جب ہمارے سامنے اللہ رب العزت کا نام لیا جاتا ہے تو کیا ہم اپنے قلب میں اسکی حرارت محسوس کرتے ہیں؟ اور اگر پرواہی نہیں ہوتی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے اندر وہ کیفیت ابھی کامل درجے کی نہیں پیدا ہوئی۔ یہ طے شدہ بات ہے کہ جس بندے نے بھی کلمہ پڑھا اس کے دل میں اللہ رب العزت کی محبت ضرور ہے۔ لیکن اس محبت کو بڑھا کر ہم نے شدید تر بنانا ہے۔ کیونکہ اللہ رب العزت فرماتے ہیں۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرۃ:۱۶۵)

[اور ایمان والوں کو اللہ سے شدید محبت ہوتی ہے]

دوسری نشانی...... اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا (الانفال:۲)

[اور جب ان کے سامنے قرآن پاک کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے]

کیا یہ کیفیت بھی ہمیں حاصل ہے کہ جب ہم قرآن پاک کی آیات پڑھیں یا سنیں تو ہمارے اوپر بھی یہ اثرات ہوں؟

رحمتوں کے جھرمٹ میں رحمت سے محرومی

یہ بات بڑے افسوس سے کہہ رہا ہوں کہ ایک قاری صاحب اپنے حالات بتاتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ حضرت! جب میں بچوں کو پڑھا رہا تھا تو عین سبق سننے کی حالت میں میری شہوت بھری نظر ایک بچے پر پڑ رہی تھی۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں کہ جہاں قرآن پڑھا جائے وہاں رحمت اترتی ہے۔ اب وہ بندہ جس نے فجر سے پہلے کلاس لینی شروع کی اور پھر فجر کے بعد سے لے کر عشاء تک مختلف وقفوں سے بچوں کو اللہ کا قرآن پڑھایا، خود بھی پڑھا، بچوں سے بھی سنا اور ایک وقت میں درجنوں بچوں کی قرآن پڑھنے کی آواز اس کے کانوں میں جاتی رہی تو وہ تو دن کے بارہ چودہ گھنٹے اللہ کی رحمتوں کے جھرمٹ میں بیٹھا رہا۔ ایسے بندے کا دل تو بالکل ڈھل جانا چاہیے تھا، اس پر نفس و شیطان نے غلبہ کیوں کیا اور اس پر قرآن مجید کی تلاوت کا اثر کیوں نہ ہوا؟ ہمارے مشائخ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کے وقت اللہ کی

رحمتوں کے اترنے میں تو کوئی شک ہی نہیں مگر اس کا دل ان رحمتوں کو جذب نہیں کر رہا ہوتا۔

ایک مثال سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آ جائے گی ...... جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اگر آپ اس کو پہلے دن بھینس کا دودھ پلا دیں تو اس کا معدہ اسے برداشت نہیں کر سکے گا۔ اس کا پیٹ خراب ہو جائے گا اور اسے اسہال کی تکلیف ہو جائے گی۔ اس لئے بچے کو یا تو ماں کا دودھ پلایا جائے یا بکری کا دودھ پلایا جائے۔ چونکہ بکری کا دودھ بہت ہلکا اور پتلا ہوتا ہے اس لئے بچہ اسے برداشت کر لے گا اور جوان ہو کر بھینس کا ایک کلو دودھ بھی برداشت کر لے گا ...... کیا مطلب؟ ...... مطلب یہ ہے کہ شروع میں اس کی استعداد کمزور تھی اس لئے اسے کسی ہلکی پھلکی چیز کی ضرورت تھی، جب ہلکی غذا ملتی رہی اور وہ پرورش پاتا رہا تو پھر اس کے اندر استعداد بڑھتی گئی، حتیٰ کہ اس کے اندر گائے کا دودھ جذب کرنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی۔ پھر جب بڑھتے بڑھتے وہ جوان ہو گیا تو اب اس کے اندر بھینس کا دودھ برداشت کرنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی ...... بالکل اسی طرح قرآن مجید کے انوارات ثقیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں،

اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلًا ثَقِیْلاً (المزمل:۵)

[ہم عنقریب آپ پر ایک بھاری بات نازل کریں گے]

اس لئے اس کے انوارات کو برداشت کر لینا ہر بندے کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ ہمارے مشائخ فرماتے ہیں کہ ذکر اللہ کے انوارات بہت لطیف ہوتے ہیں۔ لہٰذا جو بندہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے اس کا قلب گناہوں کی میل کی وجہ سے جتنا بھی گندہ ہو ذکر کے انوارات کو قبول کر لیتا ہے۔ اس ذکر اللہ سے اس کے قلب کی

نورانیت بڑھتی رہتی ہے، حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اس کا قلب لا الہ الا اللہ کے انوارات قبول کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ لا الہ الا اللہ کا ذکر کرتے کرتے انسان کی ایک ایسی کیفیت بن جاتی ہے کہ جب وہ قرآن مجید کے انوارات سے بھی فیض پانا شروع کر دیتا ہے۔ اب اس کے قلب کی روحانیت اتنی بن چکی ہوتی ہے کہ یہ قرآن سن کر پھڑک اٹھتا ہے۔

سورۃ زلزال سننے کی تمنا

ہمارے مشائخ کے کانوں میں جب قرآن مجید کی تلاوت کی آواز آجاتی تھی تو ان کی کیفیت بدل جاتی تھی۔ وہ آیات سن کر پھڑک اٹھتے تھے۔ کئی تو ایسے حضرات بھی تھے کہ وہ یہ دعائیں مانگتے تھے کہ اے اللہ! ہم سورۃ زلزال پوری سن سکیں۔ ابھی شروع کی جاتی تھی تو چند آیات کے بعد ان پر بے ہوشی طاری ہو جاتی، وہ غش کھا کر گر جاتے تھے اور کئی دنوں کے بعد انہیں ہوش آتا تھا۔

اتنا خوفِ خدا......!!!

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مرتبہ تہجد کی نماز میں ایک آیت پڑھی،

اِنَّ لَدَیْنَآ اَنْکَالًا وَّجَحِیْمًاo وَّطَعَامًا ذَا غُصَّۃٍ وَّعَذَابًا اَلِیْمًا

[البتہ ہمارے پاس بیڑیاں ہیں اور آگ کا ڈھیر اور کھانا گلے میں اٹکنے والا اور عذاب دردناک] (المزمل: ١٢، ١٣)

آپ ﷺ کے پیچھے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کھڑے تھے۔ انہوں نے یہ آیت سنی اور اسی وقت گر کر اپنی جان دے دی۔ ان حضرات کو اتنا خوفِ خدا ہوتا تھا۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پوری رات یہ آیت پڑھتی رہیں،

وَ بَدَالَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ O (الزمر: ۴۷)

[اور نظر آئے ان کو اللہ کی طرف سے جو خیال بھی نہ رکھتے تھے]

وہ حضرات قرآن مجید کے انوارات سے فیض پاتے تھے۔ پھر ان کے آنسو جاری ہو جاتے تھے اور قرآن مجید اس کی تصدیق کر رہا ہے۔ فرمایا،

وَ اِذَا سَمِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ (المائدہ: ۸۳)

[اور جب سنتے ہیں اس کو جو اترا رسول پر تو دیکھے ان کی آنکھیں کہ ابلتی ہیں آنسوؤں سے اس بات سے کہ انہوں نے پہچان لیا حق بات کو]

کیا آج ہماری بھی یہ کیفیت ہوتی ہے؟ اگر یہ ہماری کیفیت نہیں ہے تو یہ اس بات کی نشاندہی ہے کہ ہمیں ابھی محنت کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر قرآن پڑھتے سنتے ہوئے ہمارے اندر سے شہوات زائل نہیں ہو رہیں تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ ہمیں بھی اپنے دل کو صاف کرنے کی ضرورت ہے۔ کسی روحانی ڈاکٹر سے اپنا چیک اپ کروانے کی ضرورت ہے۔ اگر نہیں کروائیں گے تو ان نجاستوں کو اپنے ساتھ قبر میں لے کر جائیں گے۔

حدیثِ جبرئیل کی وضاحت

سیدنا عمرؓ حدیثِ جبرائیل کے راوی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک صاحب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں آئے۔ ان کے کپڑے سفید تھے اور بال کالے تھے، چہرہ تر و تازہ تھا۔ وہ آ کر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں اس طرح بیٹھ گئے کہ انہوں نے اپنے گھٹنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھٹنوں کے ساتھ التحیات کی شکل میں بیٹھ کر ملا دیئے۔ انہوں نے آ کر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال پوچھے۔

☆ پہلے پوچھا، ما الایمان ؟ ایمان کیا ہے؟'' نبی علیہ السلام نے اسکا جواب دے دیا۔ پھر وہ کہنے لگا، ''صدقت'' کہ اے نبی علیہ السلام! آپ نے سچ فرمایا۔ ہمیں حیرانی ہوئی کہ ایک تو سوال پوچھ رہا ہے اور پھر جواب ملنے پر جواب کی تصدیق بھی کرر ہا ہے۔ جیسے پہلے ہی جواب کا پتہ ہے۔

☆ پھر دوسرا سوال پوچھا، ''ما الاسلام ؟ اسلام کیا ہے؟'' نبی علیہ السلام نے اس کا بھی جواب دیا۔ پھر وہ کہنے لگا کہ آپ نے سچ فرمایا۔ ہمیں اور حیرانی ہوئی۔

☆ پھر تیسرا سوال پوچھا، ''ما الاحسان ؟ احسان کیا ہے؟'' نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا،

اَنْ تَعْبُدَا للّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يرا ک

[یہ کہ تو اللہ تعالی کی عبادت ایسے کر جیسے تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو ایسا نہیں دیکھ سکتا تو یوں سمجھ کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ رہے ہیں۔]

انہوں نے اس جواب کی بھی تصدیق کی اور چلے گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کی گفتگو سے حیران تھے کہ یہ بندہ قریب کا ہی لگتا ہے کیونکہ اس کے کپڑوں اور بدن کے آثار دور سے آنے والے کے نہیں تھے مگر چونکہ ہم میں سے اسے کوئی جانتا نہیں اس لئے یہ قریبی کیسا؟ اور اگر یہ دور سے آیا ہے تو اس کے کپڑوں اور چہرے پر گرد کے نشان کیوں نہیں؟...... وہ یہی سوچ رہے تھے کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا،

هٰذَا جِبْرَئِيْلُ اَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِيْنَكُمْ

[یہ جبرئیل تھے، یہ اس لئے آئے تھے کہ یہ تمہیں تمہارا دین سکھائیں]

غور کیجئے کہ جبرائیل علیہ السلام آکر تین سوال پوچھتے ہیں اور پھر نبی علیہ الصلوٰۃ

والسلام ارشاد فرماتے ہیں کہ جبرائیل تمہیں تمہارا دین سکھانے کے لئے آئے تھے۔

......اب اس حدیث میں چند باتیں قابلِ توجہ ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام اپنی مرضی سے نہیں آئے ہوں گے کیونکہ فرشتوں کی یہ صفت ہے کہ

لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ○(التحریم: ٦)

[اللہ ان کو جو حکم کرتا ہے۔ اس کی نافرمانی نہیں کرتے۔ اور وہی کچھ کرتے ہیں جس کا ان کو حکم دیا جاتا ہے]

معلوم ہوا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام خود نہیں آئے تھے بلکہ انہیں پروردگار نے بھیجا تھا۔

دوسری بات یہ کہ یہ سوال بھی حضرت جبرائیل علیہ السلام نے خود نہیں پوچھے بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے سوال پچھوائے۔ پروردگارِ عالم نے پسند کیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان باتوں کا پتہ چل جائے اس لئے اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو ایک ذریعہ بنا دیا۔

تیسری بات یہ کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ یہ جبرائیل علیہ السلام تمہیں تمہارا دین سکھانے لئے آئے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ تینوں سوال دین ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ماالاحسان والی کیفیت کا حاصل کرنا بھی دین ہے۔ یہ دین سے باہر کی کوئی چیز نہیں ہے۔ جو اسے دین سے باہر کی چیز سمجھے گا اس کا دین ادھورا رہ جائے گا۔ دین اس وقت کامل ہوگا جب ایمان، اسلام اور احسان تینوں کی کیفیات حاصل ہوں گی۔

نمازوں پر محنت کرنے کی ضرورت

اب آپ اپنی نمازوں پر غور کر لیجئے۔ حدیثِ پاک میں دو کیفیتیں بیان کی گئی

ہیں کہ یا تو اس طرح عبادت کرو کہ جیسے تم اللہ تعالیٰ کو دیکھتے ہو یا پھر یوں کرو کہ جیسے اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھتے ہیں۔ اگر ہماری نماز میں نہ تو پہلی کیفیت ہے اور نہ ہی دوسری کیفیت ہے تو پھر ہم کیسی نمازیں پڑھتے پھر رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ ہماری نمازیں نہ پہلی حالت والی ہیں اور نہ ہی دوسری حالت والی ہیں، پھر یہ تیسری حالت والی نمازیں کیسے قبول ہوں گی جو دنیا کے خیالات سے بھری ہوئی ہوں گی۔ ہمیں اپنی نمازوں پر محنت کرنے کی ضرورت ہے۔ یا تو ہمیں مشاہدہ کی کیفیت حاصل ہو جائے اور اگر وہ حاصل نہیں ہوتی تو کم از کم مراقبہ کی کیفیت ہی حاصل ہو جائے۔ اسی لئے ہمارے اسلاف اپنی نمازوں پر محنت کیا کرتے تھے۔

نماز میں ماسوی کی مداخلت کیسے دور ہوئی؟

شاہ اسماعیل شہیدؒ نے ایک مرتبہ سو رکعتیں صرف اس لئے پڑھیں تاکہ ماسوی کے خیال کے بغیر اللہ کی نماز ادا کر سکیں۔ مگر انہیں ہر دفعہ کوئی نہ کوئی خیال آ جاتا۔ سو رکعتیں ادا کرنے کے بعد بڑے متفکر ہوئے کہ میں نے سو نفل بھی پڑھے اور میں ایک دوگانہ بھی ایسا نہ پڑھ سکا جس میں باہر کا کوئی خیال نہ آیا ہو۔ چنانچہ سید احمد شہیدؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، حضرت! میں نے سو رکعتیں اس نیت سے پڑھیں کہ مجھے کم از کم ایک دوگانہ ایسا نصیب ہو جائے جس میں کسی غیر کے بارے میں کوئی خیال نہ آئے مگر مجھے ہر دفعہ کوئی نہ کوئی خیال آتا رہا، اب میں پریشان ہوں کہ میری نماز نماز کیسے بنے گی۔ شاہ صاحب نے فرمایا، اچھا، تم تہجد میں ہمارے ساتھ کھڑے ہو کر نماز پڑھ لینا۔ چنانچہ شاہ اسماعیل شہیدؒ نے سید احمد شہیدؒ کے مصلے کے قریب آ کر تہجد کی نیت باندھ لی، ان کی صحبت کا یہ اثر تھا کہ ابھی پہلی رکعت کا سجدہ ادا نہیں کیا تھا کہ ان کی طبیعت میں رقت پیدا ہوگئی، پھر وہ اتنا روئے کہ ان کے لئے

نماز کا سلام پھیرنا مشکل ہو گیا ... سو رکعتیں اپنے طور پر پڑھیں تو کچھ نہ بنا اور طبیب کے پاس آ کر دو رکعت کی نیت باندھی تو ایسا گریہ طاری ہوا کہ سلام پھیرنا مشکل ہو گیا..... تو یہ حضرات زندگی کے اعمال کو بنانا سکھاتے ہیں۔ سبحان اللہ

کیفیاتِ نبوی کے وارث

علمائے کرام علوم نبوی کے وارث ہیں اور مشائخ حضرات کیفیاتِ نبوی کے وارث ہیں۔ مثلاً اگر کسی نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توکل دیکھنی ہو تو وہ کتابوں سے تھوڑا ملے گی، اس کو مشائخ کی زندگی میں دیکھنا پڑے گا..... اگر زہد کو دیکھنا ہو ..... اگر انقطاع عن الخلوق کو دیکھنا ہو..... اگر محبتِ الٰہیہ کی کیفیت کو دیکھنا ہو..... اگر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلبِ اطہر کی کیفیات کا کوئی نمونہ دیکھنا چاہے گا تو اسے مشائخ کی صحبت اختیار کرنی پڑے گی..... کچھ ایسے بھی خوش نصیب حضرات ہوتے ہیں جو علوم کے بھی وارث ہوتے ہیں اور کیفیات کے بھی وارث ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو حامل کامل بنا دیتے ہیں۔ ہمیں ایسا بننا ہے تاکہ ہمیں بھی نبی علیہ السلام کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے انابت الی اللہ کی کیفیت نصیب ہو جائے۔ یہ محنت کرنی ہمارے لئے ضروری ہے۔ ہم جو مدارس میں آئے تو ہمارا اصل مقصد یہی ہے۔ ہم نے یہاں سے فقط الفاظ پڑھ کر نہیں جانا۔ فقط علم پر مغفرت ہوتی تو پھر شیطان کی مغفرت ہم سے پہلے ہو جاتی، اس لئے کہ وہ ہم سے بڑا عالم ہے۔ معلوم ہوا کہ فقط علم کی بات نہیں ہے، اس علم پر عمل کی بات ہے اور عمل پر اخلاص کی بات ہے، تب جا کر علم کا اصل مقصود حاصل ہوتا ہے۔ اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ جب ہم اساتذہ کے سامنے پڑھنے بیٹھیں تو اس نیت سے بیٹھیں کہ ہم نے جو کچھ پڑھنا ہے اس پر اخلاص کے ساتھ عمل کرنا ہے۔ ہم جو کچھ آج سنیں گے اس پر عمل کریں گے۔ یہ نہیں

کہ ہم سارا علم پڑھ کر عالم بن لیں اور پھر اکٹھا عمل کریں گے۔ اگر یہ نیت کر لیں گے تو شیطان کے بہکاوے میں آ جائیں گے اور پھر شیطان عمل کی توفیق نہیں ہونے دے گا۔

علم عمل کی نیت سے حاصل کیا جائے

کسی شخص نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال پوچھا، حضرت! دین کی جو کتابیں آپ نے پڑھیں وہی کتابیں آپ کے دوسرے ساتھیوں نے بھی پڑھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے جو مرتبہ آپ کو دیا ہے وہ کسی اور کو نہیں دیا، اس کی کیا وجہ ہے؟ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے عجیب جواب دیا کہ میرے ساتھیوں نے قرآن مجید کو اس نیت سے پڑھا کہ ہم معارفِ قرآن کو جان لیں اور حقائقِ قرآن مجید سے واقف ہو جائیں، اسلئے ان کو وہ حقائق تو مل گئے مگر وہ نعمت نہ ملی جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کر دی۔ اس نے پوچھا، حضرت! آپ کو یہ نعمت کیسے ملی؟ فرمانے لگے کہ میں نے جب بھی قرآن کو پڑھا، ہمیشہ اس نیت سے پڑھا کہ اے اللہ! تیرا غلام حاضر ہے، تیرا حکم جاننا چاہتا ہے کہ جس کو یہ اپنی زندگی میں عمل میں لے آئے...... سبحان اللہ۔ یہی چیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تھی۔ سیدنا صدیقِ اکبر ﷺ نے اڑھائی سال کے اندر سورۃ بقرہ مکمل کی۔ حالانکہ عربی زبان تو ان کی مادری زبان تھی۔ اس لئے ان کو تو صرف ونحو کی ضرورت ہی نہیں تھی، پھر اڑھائی سال کیسے لگے؟ معلوم ہوا کہ وہ حضرات ایک ایک آیت پڑھتے تھے اور اس پر عمل کرتے تھے۔ ادھر ان کی سورۃ مکمل ہوتی تھی اور ادھر ان کا عمل اس سورۃ پر مکمل ہوتا تھا۔ کیا کبھی ہم نے اس نیت سے قرآن مجید کو کھولا؟ اس محنت کو کرنا چاہیے، اس محنت کو کیے بغیر وہ کمال حاصل نہیں ہو سکے گا جو ہمارے اسلاف کو حاصل تھا زندگی کے

اندر یہ نعمتیں حاصل کرنے کے لئے محنت کرنا تزکیہ اور احسان کی محنت کہلاتا ہے۔

جوتیاں سیدھی کرنے سے تکبر کا خاتمہ

قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ بہت ہی حسین و جمیل تھے۔ ان کی طبیعت میں نفاست بھی بہت تھی۔ وہ اچھے اور صاف کپڑے پہنتے تھے۔ دیکھنے والے حیران ہو کر کہتے تھے کہ

مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ○ (یوسف:۳۱)

[یہ تو کوئی انسان نہیں بلکہ معزز فرشتہ ہے]

وہ اپنا واقعہ خود لکھتے ہیں کہ میں چھوٹی عمر میں ہی مہتمم بن گیا تھا...... چھوٹی عمر اور مہتمم...... اس کی وجہ سے ان میں کچھ خود پسندی سی آ گئی تھی...... یہ مہتمم کا لفظ ھم سے بنا۔ یہ ھم عربی زبان کا ہے اردو کا نہیں۔ اردو کے ہم کا مطلب ہوتا ہے ''ہم ہی ہم ہیں'' اور عربی کے ھم کا مطلب ''غم'' ہوتا ہے...... چونکہ ان کی عمر چھوٹی تھی اس لئے ان میں غم والے ھم کی بجائے ''ہم ہی ہم'' والا ہم تھا۔

ان کی بیعت کی نسبت حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تھی۔ جب انہوں نے محسوس کیا کہ میرے اندر خود پسندی آ گئی ہے تو انہوں نے حضرت اقدس تھانویؒ کو خط لکھا کہ حضرت! میں اپنے اندر یہ چیز محسوس کرتا ہوں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، سب کچھ چھوڑ کر ہمارے پاس آ جاؤ۔ چنانچہ انہوں نے اہتمام کو چھوڑا اور حضرت کے پاس آ گئے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے لئے علاج تجویز فرمایا...... دیکھو، جو حاذق طبیب ہوتا ہے وہ بندے کی بیماری کے مطابق دوا دیتا ہے...... انہوں نے ان کے ذمے یہ ڈیوٹی لگائی کہ خانقاہ میں جو لوگ آتے ہیں وہ اپنے جوتے اتار کر مسجد میں داخل ہوتے ہیں۔ آپ نے ان کے جوتوں کو سیدھا کرنا

ہے ......اب نوجوان اور اتنے اختیارات کے مالک اور اتنے علم والے ......ان کو جوتے سیدھے کرنے پر لگا دیا۔ شروع میں طبیعت کو ناگواری تو محسوس ہوئی مگر شیخ کے حکم پر جوتے سیدھے کرنے شروع کر دیے۔

حضرت تھانویؒ نے ان پر نظر رکھی کہ کیسے جوتے سیدھے کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضرتؒ نے دیکھا کہ جو نئے نئے جوتے ہیں ان کو بالکل سیدھا کر کے رکھتے ہیں اور جو گندے اور پرانے ہیں ان کو بس تھوڑا سا ہاتھ لگاتے ہیں۔ حضرت سمجھ گئے کہ ابھی اندر سے تکبر نہیں نکلا۔ حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ پرانے جوتوں کو پہلے ٹھیک کرو۔ فرماتے ہیں کہ بس حضرت کا یہ حکم ہونا ہی تھا کہ میرے اندر سے عجب اور تکبر سب کچھ نکل گیا، چند دن جوتیاں سیدھی کرنے نے میرے من کے اندر سے تکبر کو بالکل ختم کر دیا۔

تکبر ایک ایٹمی گناہ ہے

یہ لفظ جس کا مادہ ک، ب، ر ہے یہ بڑی بری بیماری ہے۔ حدیث پاک میں فرمایا گیا

لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِهٖ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ مِّنْ کِبْرٍ

[وہ آدمی جنت میں داخل نہیں ہو سکتا جس کے دل میں ذرہ کے برابر بھی تکبر ہوگا]

مثقال ذرہ کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ تکبر ایک ایٹمی گناہ ہے۔ جیسے لوگ ایٹمی اسلحہ سے بڑا ڈرتے ہیں اسی طرح اس گناہ سے بھی انسان کو بچتے رہنا چاہیے کیونکہ جس طرح ایٹمی اسلحہ بہت زیادہ تباہی پھیلاتا ہے اسی طرح تکبر بھی انسان کو اتنا نقصان دیتا ہے کہ اس کا سارا کیا کرایا تباہ کر کے رکھ دیتا ہے۔ اس لئے مشائخ اس پر محنت کرتے ہیں تاکہ انسان کے اندر سے یہ بیماری نکل جائے۔

بڑے بڑے مشائخ کو اپنی تربیت کی فکر

بڑے بڑے مشائخ نے اپنے آپ کو تربیت کے لئے پیش کیا۔

☆ ...... حضرت مولانا عبدالرحمٰن کاملپوری رحمۃ اللہ علیہ مظاہر العلوم کے شیخ الحدیث تھے۔ وہاں وہ بخاری شریف پڑھاتے تھے۔ بخاری شریف پڑھانے میں ان کا اتنا بڑا شہرہ تھا کہ لوگ ہزاروں میل دور سے انکے پاس بخاری شریف پڑھنے کے لئے مظاہر العلوم میں جاتے تھے۔ عین اسی وقت جب وہ بخاری شریف کے استاد تھے انہوں نے حضرت اقدس تھانویؒ کو خط لکھا اور اپنے آپ کو بیعت کے لئے پیش فرما دیا...... آخر کوئی نعمت تو تھی جس کی تلاش میں ان کو بھی اپنے آپ کو پیش کرنا پڑا

☆ ...... سید سلیمان ندویؒ بہت بڑے عربی دان تھے لیکن وہ بھی حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ اقدس پر بیعت ہوئے۔

☆ ...... حضرت مفتی محمد حسن امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم دیوبند سے پڑھا اور دارالعلوم دیوبند میں ہی پڑھانے لگ گئے۔ مفتی اور استاذِ حدیث تھے مگر محسوس کرتے تھے کہ جو کیفیات اندر ہونی چاہئیں وہ نہیں ہیں۔ چنانچہ اسی فکر کے ساتھ حضرت اقدس تھانویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان سے انہوں نے بیعت کی اور حضرت کے اجل خلفاء میں سے ہوئے۔

☆ ...... خود حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی سینکڑوں کتابیں ہیں۔ ان کی یہ کتابیں علمی اعتبار سے ایک مقام رکھتی ہیں۔ حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے شاگردوں کو منع فرمایا کرتے تھے کہ اردو زبان کی کتابیں مت پڑھا کرو کیونکہ ان میں علم نہیں ہوتا، بلکہ عربی کے اصل ماخذ کی طرف رجوع کیا کرو۔ ایک مرتبہ حضرت اقدس تھانویؒ کی تفسیر بیان القرآن حضرت انور شاہ کشمیریؒ کی نظر سے

گزری تو آ کر درس میں طلبا کو فرمایا کہ میں اب تک تمہیں اردو زبان میں لکھی ہوئی کتابوں سے منع کرتا تھا کیونکہ ان میں اتنا علم نہیں ہوتا بلکہ اصل ماخذ اور مراجع کی طرف رجوع کیا کرو، لیکن میں نے جب سے تفسیر بیان القرآن کا مطالعہ کیا ہے تب سے پتہ چلا ہے کہ اردو زبان میں بھی علم موجود ہے...... ان کی کتابوں میں ایسا علم تھا کہ جس کی تصدیق حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرما دی...... حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اتنے کمالات کے باوجود حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی خدمت میں وہ کیفیات اور واردات حاصل کرنے کے لئے گئے جن سے انسان کے اندر ایمان بڑھتا ہے اور اس کے دل میں اللہ رب العزت کی محبت ٹھاٹھیں مارتی ہے۔ اسی کا نام تربیت ہے۔

اگر کسی کو ناز ہے تو......

یاد رکھئے کہ

...... اگر کسی کو فلسفہ و منطق پر ناز ہے تو وہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کو دیکھے۔

...... اگر کسی کو اپنی قوتِ حافظہ پر ناز ہے تو وہ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کو دیکھے۔

...... اگر کسی کو اپنی فقاہت پر ناز ہے تو وہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کو دیکھے۔

...... اگر کسی کو اپنی اقامتِ دین کی کوششوں پر ناز ہے تو وہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کو دیکھے۔

...... اگر کسی کو تبلیغِ دین پر ناز ہے تو وہ مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کو دیکھے۔

......اگر کسی کو اپنی تحریر پر ناز ہے تو وہ حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کو دیکھے۔

......اگر کسی کو اپنی تقریر پر ناز ہے تو وہ امیرِ شریعت حضرت عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کو دیکھے۔

......اگر کسی کو عربی دانی پر ناز ہے تو وہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کو دیکھے

......اگر کسی کو اپنی تدریس پر ناز ہے تو وہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کو دیکھے کہ انہوں نے اٹھارہ سال تک مدینہ منورہ میں درسِ حدیث دیا اور بالآخر تربیت پانے کے لئے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

یہ جتنے اکابر کے نام لئے، وہ اپنے اپنے فن کے مشاہیر تھے مگر انہوں نے تربیت پانے کے لئے مشائخ سے بیعت کی اور باقاعدہ ان کی صحبت میں وقت گزارا۔ اگر ان حضرات کو مشائخ کی صحبت میں وقت گزارنا پڑا تو اگر ہم بھی ان نعمتوں کو چاہتے ہیں تو ہمیں بھی اپنے آپ پر محنت کے لئے کچھ وقت گزارنا پڑے گا۔

اللہ والے بن جاؤ

علما اور طلبا کو خاص طور پر ان مشائخ کی صحبت میں رہ کر تربیت پانی چاہیے کیونکہ اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں :

كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۝

[تم بن جاؤ رب والے کیوں کہ تم کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور درس و تدریس کا کام کرتے ہو] (آل عمران:۷۹)

یہ کـــونـــوا امر کا صیغہ ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ حکماً ارشاد فرما رہے ہیں کہ اے

قرآن پڑھنے والو! اے میری کتاب کے وارث بننے والو! تم اللہ والے بن جاؤ۔ معلوم ہوا کہ درس و تدریس کا کام کرنے والوں کو بہت زیادہ اس کی محنت کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ پروردگارِ عالم نے ان کو مخاطب کر کے حکم دیا ہے کہ تم اللہ والے بن جاؤ۔ اس لئے ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے اندر اخلاص پیدا کرلیں اور ہم اپنے علم کا رنگ اپنے اوپر چڑھالیں تاکہ جو کچھ ہم نے پڑھا وہ چیز ہمارے اوپر اپنا رنگ ڈال دے اور ہم اللہ کے رنگ میں رنگے جائیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم ہر معاملے میں اللہ کی طرف رجوع کریں اور یہ رجوع بے اختیار ہونا چاہیے۔ جیسے چھوٹے بچے کو ماں مارے تو وہ ''اماں'' پکارتا ہے، اگر اسے کوئی غیر مارے تو وہ ''اماں'' پکارتا ہے، اگر اس نے کوئی چیز مانگنی ہو تو وہ ''اماں'' پکارتا ہے، اگر کوئی اس سے کوئی چیز چھینے تو وہ ''اماں'' پکارتا ہے، اگر وہ گر پڑے تو وہ ''اماں'' پکارتا ہے۔ جیسے اس بچے کے ذہن میں ماں کے ساتھ ایسا تعلق ہے کہ وہ ہر غم اور خوشی میں اپنی ماں کو یاد کرتا ہے، مؤمن کو چاہیے کہ اس کا اللہ رب العزت کے ساتھ بھی ایسا تعلق ہو کہ وہ ہر خوشی اور غمی میں، ہر قدم پر اور ہر موڑ پر اس کی زبان پر اللہ کا ذکر جاری ہو اور وہ ہر وقت اپنے رب کی طرف رجوع کر رہا ہو۔

نور کی کرنیں

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ میں حج پر گیا، جب میں مدینہ منورہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں سلام پیش کرنے کے لئے مواجہہ شریف پر حاضر ہوا تو میں نے خود دیکھا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلب اطہر سے ایک نور آرہا تھا اور اس نور کی کرنیں باریک باریک سنہری دھاگوں کی شکل میں ان لوگوں کے دلوں پر پڑ رہی تھیں جو حدیثِ پاک کی

خدمت کرتے تھے۔ سبحان اللہ...... چونکہ یہ نبی علیہ السلام کے وارث ہیں اس لئے تھوڑی محنت پر بھی ان کی زیادہ پذیرائی ہوتی ہے اور انہیں جلدی قبولیت نصیب ہو جاتی ہے۔

نبی علیہ السلام کی دعوت

سائیں توکل شاہ انبالوی رحمۃ اللہ علیہ کا دستر خوان بہت وسیع ہوتا تھا۔ وہ اللہ کی رضا کے لئے اللہ کی مخلوق کو کھانا کھلایا کرتے تھے۔ انکی طرف سے اذنِ عام تھا کہ جو آئے کھانا کھائے۔ چنانچہ غریب، یتیم، مسکین اور نادار لوگ آتے اور کھانا کھا کر چلے جاتے تھے۔ ان کو ایک مرتبہ خواب میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت نصیب ہوئی تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا، توکل شاہ! تم اللہ تعالیٰ کی دعوت تو روزانہ کرتے ہو لیکن تم نے ہماری دعوت کبھی نہیں کی۔ اسکے بعد ان کی آنکھ کھل گئی۔

وہ بڑے پریشان ہوئے کہ اس خواب کا کیا مطلب ہے۔ چنانچہ انھوں نے رورو کر اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیں کہ پروردگارِ عالم! اس خواب کی حقیقت کو واضح فرما دے۔ بالآخر ان کے دل میں ڈالا گیا کہ تم اللہ کی مخلوق کو اللہ کیلئے ہر روز کھلاتے ہو مگر تم نے میرے نبی علیہ السلام کے وارثوں یعنی علماء، طلباء اور قراء کو اپنے دستر خوان پر اہتمام کے ساتھ کبھی نہیں بلایا۔ اس لئے فرمایا کہ تم نے ہماری دعوت کبھی نہیں کی۔ چنانچہ انہوں نے شہر بھر کے علماء طلباً اور قراء کی دعوت کی اور پھر یہ سمجھے کہ گویا میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت فرما دی ہے۔

طالبِ علم کی دعا کی برکت

سلطان محمود غزنوی کے دل میں تین باتیں کھٹکتی تھیں۔

(۱) ایک بات تو یہ دل میں کھٹکتی تھی کہ میں سبکتگین کا بیٹا ہوں اور سبکتگین تو پہلے بادشاہ

نہیں تھا بلکہ ایک فوجی تھا، پھر بادشاہ بنا۔ کیا میری نسبت صحیح ہے یا کچھ اور ہے۔

(۲) دوسری بات یہ دل میں کھٹکتی تھی کہ دین کے مختلف شعبے ہیں لیکن سب سے افضل اور بہتر شعبہ کون سا ہے، یعنی امت میں سے جو سب سے اعلیٰ لوگ ہیں وہ کون ہیں؟

(۳) تیسری بات یہ دل میں کھٹکتی تھی کہ مجھے بڑے عرصے سے نبی علیہ السلام کی زیارت نصیب نہیں ہوئی اس لیے مجھے زیارت نصیب ہو جائے۔

ایک مرتبہ وہ گلی میں راؤنڈ کر رہے تھے۔ انہوں نے باہر آ کر ایک طالبعلم کو کسی روشنی میں پڑھتے ہوئے دیکھا۔ انہوں نے پوچھا کہ تم مسجد میں کیوں نہیں پڑھتے؟ اس نے کہا کہ مسجدوں کے اندر روشنی کا انتظام نہیں ہے۔ یہ ایک بندے کے گھر کے باہر روشنی جل رہی ہے اس لئے میں یہاں بیٹھ کر مطالعہ کر رہا ہوں۔ انہوں نے کہا، بچے! تم جاؤ اور میں آج کے بعد تمہارے لئے روشنی کا انتظام کروا دوں گا۔ جب طالب علم نے روشنی دیکھی تو اس نے دعا کر دی کہ اے اللہ! اس بندے کی مرادیں پوری کر دے۔ چنانچہ جب سلطان محمود غزنوی گھر آئے تو ان کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت ہوئی اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا،

”اے سبکتگین کے بیٹے! تو نے میرے وارث کی عزت کی، اللہ تعالیٰ تجھے دنیا اور آخرت میں عزتیں عطا فرمائے۔“

سبحان اللہ! اس طالب علم کی دعا کی برکت سے سلطان محمود غزنوی کی تینوں مرادیں پوری ہو گئیں۔

......ایک تو انھیں نبی علیہ السلام کی زیارت نصیب ہو گئی۔

......دوسرا ان کے دل میں اپنے نسب کے بارے میں جو چھوٹی موٹی باتیں تھیں وہ ختم ہو گئیں۔

......تیسرا ان کو یہ پتہ چل گیا کہ علمائے کرام ہی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وارث ہیں اور یہی لوگ دوسروں سے افضل ہیں۔

ہر ہفتے نبی علیہ السلام کی زیارت

ہمارے ایک تعلق والے دوست ہیں۔ وہ الحمدللہ حافظ الحدیث ہیں۔ ایک دفعہ وہ اپنے اسباق اور اپنی کیفیات کے بارے میں بیٹھے بتا رہے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ بخاری شریف کے حافظ ہیں، کیا آپ نے ان احادیث مبارکہ کی برکات کا بھی مشاہدہ کیا ہے؟ وہ فرمانے لگے، حضرت! میں اس بات پر حیران ہوں کہ حفظِ حدیث کے بعد میرے اوپر اللہ کا ایسا فضل ہوا کہ میرا کوئی ہفتہ بھی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت سے خالی نہیں گزرتا۔ کم از کم ایک بار اور کبھی کبھی ایک سے زیادہ بار مجھے نبی علیہ السلام کی زیارت ہوتی رہتی ہے...... الحمدللہ! آج بھی وہ اسوقت دنیا میں زندہ ہیں۔ حدیث پاک کی محبت نے انہیں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایسا قرب عطا کر دیا کہ انہیں ہر ہفتے میں نبی علیہ السلام کی زیارت ہوتی رہتی ہے۔ سبحان اللہ

ان کا رونا پسند آ گیا

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کو حدیث پاک کی خدمت کی وجہ سے بہت زیادہ نبی علیہ السلام کی زیارت ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ کچھ ہفتوں کے لئے ان کو زیارت ہونا بند ہو گئی تو حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کو غم کی وجہ سے اسہال لگ گئے۔ کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ کہیں مجھ سے کوئی ایسی غلطی اور کوتاہی نہ ہو گئی ہو جس کی وجہ سے سزا کے طور پر مجھے اس نعمت سے محروم کر دیا گیا ہو۔ چنانچہ خوب

روئے۔ اللہ تعالیٰ کو ان کا رونا پسند آ گیا اور اللہ رب العزت نے اس نعمت کو واپس لوٹا دیا۔ سبحان اللہ..... تو یہ علما اور طلبا جب ذرا آگے قدم بڑھاتے ہیں تو پھر ان کے اوپر اللہ رب العزت کی خاص رحمت ہوتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی پذیرائی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے تو اس وقت ان کی بڑھاپے کی عمر شروع ہو چکی تھی۔ وہ اکثر بھول جایا کرتے تھے۔ چنانچہ نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، اے اللہ کے محبوب! میں آپ کی باتیں سنتا ہوں مگر بھول جاتا ہوں۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا، اپنی چادر پھیلاؤ۔ انہوں نے چادر پھیلا دی۔ نبی علیہ السلام نے اپنے دونوں مبارک ہاتھوں سے ایسا اشارہ فرمایا جیسے کسی کی گٹھڑی میں کچھ ڈال رہے ہوں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ! اب چادر کی گٹھڑی باندھ لو۔ چنانچہ انھوں نے گٹھڑی باندھ لی۔ اللہ رب العزت نے ان کو ایسا حافظہ دیا کہ اس کے بعد وہ کوئی بات نہیں بھولتے تھے۔ سبحان اللہ! علم کے حصول کے لئے انہوں نے قدم بڑھایا اور استاد نے دعائیں دیں، جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کو یوں پذیرائی عطا فرمائی۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ''مولوی'' قسم کے صحابی تھے، وہ احادیث اکٹھی کرنے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔ اسی لئے سب سے زیادہ روایات بھی انہی کی ہیں۔ سبحان اللہ۔

یادداشت ہو تو ایسی......!!!

ایک مرتبہ عبد الملک نے سوچا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بہت زیادہ احادیث کی

روایت کرتے ہیں، کیا یہ روایات من وعن انہی الفاظ کی ہیں جو نبی علیہ السلام کے تھے یا روایت بالمعنیٰ کرتے ہیں۔ چنانچہ اس نے ان کی دعوت کی۔ اور بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بلایا گیا۔ اس نے ایک پردہ لٹکا کر اس کے پیچھے دو کاتب حضرات کو بٹھا دیا اور انہیں کہا کہ ابو ہریرہ ﷺ جو بولیں گے آپ لوگوں نے لکھنا ہے۔ دو بندے اس لئے بٹھائے کہ آپس میں بھی تطبیق ہو سکے۔

جب محفل شروع ہوئی تو عبد الملک کہنے لگا، حضرت! آپ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بہت باتیں سنیں، آپ مہربانی فرما کر ہمیں بھی ان کی کچھ باتیں سنا دیجئے۔ سیدنا ابو ہریرہ ﷺ نے اس محفل میں ایک سو احادیث روایت فرمائیں اور لکھنے والوں نے لکھ لیں مگر کسی کو کچھ پتہ نہ چلا۔ اس کے بعد محفل برخاست ہوگئی۔

ایک سال کے بعد اس نے حضرت ابو ہریرہ ﷺ کو دوبارہ دعوت دی۔ اس بار اس نے پھر پردے کے پیچھے انہی دو آدمیوں کو بٹھا دیا اور کہا کہ اپنے گزشتہ نوٹس نکالنا اور ملاتے جانا، میں ان سے درخواست یہ کروں گا کہ آپ نے جو احادیث پچھلی مرتبہ سنائیں ان کا بڑا مزہ آیا، آپ مہربانی فرما کر وہی حدیثیں آج پھر سنا دیجئے۔ چنانچہ جب محفل لگی تو اس نے کہا، حضرت! جو حدیثیں آپ نے پچھلے سال سنائی تھیں وہ سن کر بڑا مزہ آیا تھا، آپ وہی حدیثیں آج پھر سنائیں۔ سیدنا ابو ہریرہ ﷺ نے پھر وہی ایک سو احادیث سنائیں۔ دونوں کاتب ورطۂ حیرت میں پڑ گئے کہ کہیں ایک حرف کا بھی فرق نہ آیا۔ یوں اللہ تعالیٰ نے ان کو Photographic memory عطا فرمائی تھی۔

علم دوستی ہو تو ایسی......!!!

ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی میں لکھا ہے کہ وقت کے بادشاہ نے ان

سے کوئی فتویٰ مانگا مگر انہوں نے فتویٰ نہ دیا۔ اسے غصہ آیا اور ان کو قید کروا دیا۔ جب تین دن گزرے تو بادشاہ اپنے دربار میں بیٹھا تھا۔ اس وقت ایک ایسا نوجوان جس کی اٹھتی جوانی تھی، اس کے چہرے پر نورانیت اور معصومیت کا حسین امتزاج تھا۔ وہ نوجوان زار و قطار رو رہا تھا۔ جس نے بھی اسے دیکھا اس کا دل پسیج گیا اور ہر بندے نے توقع کی کہ بادشاہ سلامت اس طالب علم کی مراد ضرور پوری کریں گے۔ جب بادشاہ نے دیکھا تو اس نے بھی وعدہ کیا کہ اے نوجوان! تو کیوں اتنا رو رہا ہے، تو ڈر نہیں، تو جو بھی کہے گا ہم تیری بات ضرور پوری کریں گے۔ جب اس نے یہ وعدہ کیا تو طالبعلم نے فریاد پیش کی کہ بادشاہ سلامت! آپ مجھے قید خانے میں بھیج دیجیے۔ بادشاہ بڑا حیران ہوا کہ قید خانے میں جانے کے لئے تو کوئی اس طرح نہیں روتا۔ چنانچہ اس نے پوچھا کہ آپ قید خانے میں جانے کے لئے اتنا کیوں رو رہے ہیں۔ طالب علم نے کہا،

"بادشاہ سلامت! آپ نے میرے استاد کو تین دنوں سے قید خانے میں بند کر رکھا ہے جس کی وجہ سے میرا سبق قضا ہو رہا ہے، اگر آپ مجھے قید میں ڈال دیں گے تو میں قید و بند کی مشقتیں تو برداشت کر لوں گا مگر اپنے استاد سے سبق تو پڑھ لیا کروں گا۔"

یوں پہلے وقتوں میں شاگرد اپنے اساتذہ سے علم حاصل کیا کرتے تھے۔ جبکہ آج تو علم دوستی نکلتی جا رہی ہے۔ ہم نے ٹی وی کو دوست بنا لیا ہے اور باقاعدگی کے ساتھ اس پر تماشے دیکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے قرآن کو کھول کر بیٹھنے کی بہت کم فرصت ملتی ہے۔ کئی گھر ایسے ہوتے ہیں جن کے اندر قرآن مجید کھولا ہی نہیں جاتا۔ الا ما شاء اللہ

چار مردوں کا جہنم میں داخلہ

مرد سمجھتے ہیں کہ عورتوں کو تو دینی تعلیم کی ضرورت ہی نہیں۔ ان کو تو بس کچن کا

کام آنا چاہیے۔ کھانا بھی بنائیں، مٹھائیاں بھی بنائیں اور سویٹ ڈشز بھی بنائیں۔ ہمارے معاشرے میں آج وہ عورت ہنر مند سمجھی جاتی ہے جو کچن ورک کی ماہر ہو ...... یاد رکھیں کہ یہ بوجھ مردوں کی گردن پر ہوگا...... وہ عورتیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور عذر پیش کریں گی کہ انہوں نے ہمارے لئے دین کے راستے بند کئے تھے۔ نہ وہ خود گھر میں نیکی کی تلقین کرتے تھے اور نہ ہی ہمیں ایسی مجالس میں لے کر جاتے تھے جہاں ہم نیکی کی باتیں سن پاتیں، اس وجہ سے ہم نیک نہ بن سکیں ...... چنانچہ ان عورتوں کی وجہ سے ان مردوں کا مؤاخذہ ہوگا۔ اسی لئے روایت میں آتا ہے کہ ایک جہنمی عورت اپنے ساتھ چار نیک مردوں کو لے کر جہنم میں جائے گی۔

(۱) باپ کو (۲) میاں صاحب کو (۳) بھائی جان کو (۴) بیٹے کو

وہ کہے گی کہ میں گھر کی دھوبن اور باورچن بنی رہتی تھی، یہ کام کرتی تھی تو سارے مجھ سے خوش تھے، میں دین پر عمل نہیں کرتی تھی مگر مجھے کوئی پوچھتا ہی نہیں تھا کہ تو نے دین پر عمل کیوں نہیں کیا۔

دورۂ حدیث کے بعد دورۂ حدیث

جو علم کے قدر دان ہیں وہ ساری زندگی اپنے آپ کو علم میں بڑھاتے ہیں۔ اور آج یہ گزارش علمائے کرام کی خدمت میں بھی کرنی ہے کہ وہ بھی مدرسے سے نکلنے کے بعد اپنے علم میں اضافہ کرتے رہیں اور اپنے علم کو تازہ بھی رکھیں۔ ذرا پوچھیں کہ کتنے علماء ہیں جنہوں نے دورۂ حدیث کے بعد حدیثِ پاک کا دورہ کیا ہو۔ یعنی ایک دورہ تو وہ جو استادوں سے کیا، اس کے بعد بھی کبھی حدیث کا دورہ کیا۔ یاد رکھیں کہ ہمارے اسلاف جس طرح قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتے تھے اسی طرح احادیث کی کتب کی باقاعدہ روزانہ تلاوت کرتے تھے۔ جیسے ہم کچھ وقت کے بعد

قرآن مجید کا ختم کرتے ہیں اسی طرح وہ اپنے نفع کے لئے بخاری شریف، مسلم شریف اور دوسری کتب حدیث کا ختم کیا کرتے تھے جس سے ان کا علم تازہ رہتا تھا۔حتیٰ کہ علماء نے کتابوں میں لکھا ہے کہ جس علاقے میں قحط پڑ جاتا تھا یا کوئی نا گہانی مصیبت آجاتی تو وہاں بخاری شریف کا ختم کروایا جاتا تھا اور اللہ تعالیٰ اس شہر سے مصیبت کو دور فرما دیا کرتے تھے۔آج تو علما کی زندگیوں میں بھی یہ چیز نہیں پائی جاتی۔البتہ کبھی کبھی وعظ ونصیحت اور بیان کے لئے پڑھ لیتے ہیں اور بس۔

اخباری جمعہ کی مذمت

بعض جگہوں پر تو ''اخباری جمعہ'' ہوتا ہے۔کہتے ہیں کہ جی میں نے جمعہ پڑھانا ہے دو چار اخبار لے آؤ۔اب اخباری جمعہ سے قوم کی تقدیر کیا بدلے گی۔پہلے وقتوں میں جمعہ پڑھانے کے لئے تفسیروں کا مطالعہ کیا جاتا تھا اور آج اخبار بینی کی جاتی ہے۔گویا علم دوستی نکلتی چلی جارہی ہے۔پہلے ہمارے اکابرین اس وقت تک سوتے نہیں تھے جب تک کہ وہ کچھ وقت کے لئے مطالعہ نہیں کر لیتے تھے اور آج اس وقت تک نہیں سوتے جب تک آپس میں مل کر گپیں نہیں لگا لیتے۔ ہمارے اکابرین صبح اٹھتے ہی شوق سے تلاوت کیا کرتے تھے اور آج کے حضرات دن کی ابتدا اخبار کی تلاوت سے کرتے ہیں۔

مطالعہ کی اہمیت

مطالعہ کرنے کی اہمیت کا اندازہ اسی بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس امت کو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلا پیغام علم حاصل کرنے کے لئے دیا تھا۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے اترنے والی پہلی وحی کا پہلا لفظ تھا ''اقــــراء'' اسکا مطلب ہے''پڑھ''

مگر افسوس کہ ہمارے دلوں میں اس پہلے لفظ کی محبت پیدا نہیں ہوتی۔حق تو یہ ہے کہ بندہ مؤمن کو پوری زندگی علم میں آگے بڑھنا چاہیے اور اس علم سے مراد دین کا علم ہے۔علم میں ہر روز ترقی ہونی چاہیے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جس بندے کے دو دن ایک جیسی حالت میں گزرے وہ انسان مغبون یعنی گھاٹے میں ہے۔یعنی دو دن بھی ایک جیسے نہیں ہونے چاہئیں بلکہ ہر روز بندے کے علم اور عمل میں ترقی ہونی چاہیے۔ ہر آنے والا دن گزرے ہوئے دن سے بہتر ہونا چاہیے۔او ر برابر تو کیا ہمارا ہر آنے والا دن پہلے دن سے تنزلی والا ہوتا ہے اور اعمال کے اعتبار سے گر رہے ہوتے ہیں۔یاد رکھیں کہ جب ہم علم دوست بنیں گے تو امت کے اندر علم آئے گا اور عمل کا راستہ ہموار ہو جائے گا۔انبیائے کرام کے طریقے پر علم پڑھنے والے اور اپنی اولادوں کو علم پڑھانے والے علم دوست ہوتے ہیں۔

کتابوں کا خزینہ

آپ جتنا علم پڑھ سکتے ہیں پڑھ لیں اس کی کوئی حد نہیں ہے۔ہم نے اپنی عمر میں جتنا علم حاصل کیا ہمارے اکابر اتنا علم حاصل کر کے شاید بھول ہی جایا کرتے تھے۔یعنی ہمارے اکابر اتنا علم حاصل کرتے تھے کہ ان کا بھولا ہوا علم ہمارے حاصل کردہ علم سے زیادہ ہوتا تھا۔یقین جانیں کہ ان کے دماغ میں کتابیں ہوتی تھیں۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ان کا دماغ کتابوں کا خزینہ ہوتا تھا۔

قوتِ حافظہ کا کمال

جب بہاولپور میں ختمِ نبوت کے سلسلے میں مقدمہ ہوا تو حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے گئے۔مخالفین نے وہاں ایک کتاب پیش کی۔اس

کتاب کا ترجمہ مسلمانوں کے عقیدے کے خلاف بنتا تھا۔ وہ کتاب بھی مسلمانوں کے اکابرین کی تھی۔ جج بڑا حیران ہوا۔ اس نے کہا کہ دیکھو یہ تو تمہاری اپنی کتاب پیش کر رہے ہیں جو تمہاری ہی جڑیں کاٹ رہی ہے۔ علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ذرا وہ کتاب مجھے دکھائی جائے۔ جج نے کتاب دکھائی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب کے صفحے کا مطالعہ کیا اور فرمانے لگے کہ جس کاتب نے یہ کتاب لکھی ہے اس سے اصل کتاب سے لکھتے ہوئے درمیان میں سے ایک سطر چھوٹ گئی ہے۔ ...... اس وقت تو مطبوعہ کتابیں نہیں ہوتی تھیں بلکہ مخطوطہ کتابیں ہوتی تھیں ...... اس سطر کے چھوٹ جانے کی وجہ سے جب پچھلی عبارت کو اگلی عبارت سے ملا کر پڑھتے تو معانی مخالف بن جاتے۔ لہٰذا حضرت نے فرمایا کہ اسی کتاب کا ایک نسخہ اور منگوایا جائے۔ چنانچہ ایک اور نسخہ منگوایا گیا۔ جب دونوں نسخوں کو ملایا تو علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی بات بالکل ٹھیک نکلی۔ چنانچہ اس طرح مخالفین کے جھوٹ کا پول کھل گیا۔ لیکن بعد میں علما نے کہا، حضرت! آپ کو تو توقع ہی نہیں تھی کہ وہ اس کتاب کا حوالہ پیش کریں گے، آپ کو کیسے یاد رہا کہ درمیان سے ایک سطر چھوٹی ہوئی ہے؟ فرمایا، ہاں! میں نے ستائیس سال پہلے یہ کتاب دیکھی تھی، الحمد للہ کہ مجھے اس وقت سے یہ بات یاد ہے۔ سبحان اللہ

عصیان نسیان کا موجب ہے

یاد رکھنا کہ بندہ عصیان سے نسیان کا مریض بنتا ہے ...... یہ بات لوہے پر لکیر کی مانند ہے ...... آج کل طالب علم جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت! دعا فرمائیں میں بھول جاتا ہوں۔ یہ سب گناہوں کا وبال ہوتا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے حافظے کی کمزوری کی شکایت کی

توانہوں نے مجھے نصیحت کی کہ گناہ کرنا چھوڑ دے۔ اسلئے کہ علم اللہ رب العزت کا نور ہے اور اللہ کا نور کسی گنہگار کو عطا نہیں کیا جاتا۔

علم کی نسبت

ہمارے پاس علم تو ہوتا ہے لیکن علم کی نسبت نہیں ہوتی۔ نسبت اس نور کو کہتے ہیں جو نبی علیہ السلام کے اقوال، اخبار اور افعال کو اپنانے کی وجہ سے بندے کے سینے میں منتقل ہوتا ہے۔ اگر وہ نسبت کا نور آ جائے تو واضح فرق نظر آئے گا۔ جس کو اس نسبت کا نور مل گیا اسے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں قبولیت نصیب ہو گئی۔

شریعت کی قلعی

ہم لڑکپن میں برتن قلعی کرنے والے کو بیٹھ کر دیکھا کرتے تھے۔ ہمیں خوشی ہوتی تھی کہ برتن چمکدار بن جاتے ہیں۔ وہ صدا لگاتا تھا کہ ''برتن قلعی کرالو'' ہم بھی امی کو اصرار کے ساتھ کہتے تھے کہ امی! آپ بھی برتن قلعی کروالیں۔ مقصد یہ ہوتا تھا کہ ہم بھی دیکھیں کہ وہ کیا کرتا ہے۔ چنانچہ ہم اس کے پاس برتن لے کر جاتے تھے۔ وہ آگ کی بھٹی میں رکھ کر برتنوں کو گرم کرتا تھا۔ پھر ان کے اوپر نوشادر لگا کر ان کا میل اتارتا تھا۔ اس کے پاس قلعی ہوتی تھی۔ وہ میل اتارنے کے بعد ان کے اوپر ہلکی سی قلعی بچ کر کے ایک لائن لگاتا اور بعد میں وہ پورے برتن پر اس قلعی کو ایسے پھیرتا کہ اس کی ایک تہہ برتن پر چڑھ جاتی تھی...... مشائخ بھی ایسا ہی کرتے ہیں کہ وہ سالک کو مجاہدے کی بھٹی میں ڈال کر ذکر کے ذریعے اس کا تزکیہ نفس کرتے ہیں۔ گویا وہ لِكُلِّ شَيْءٍ صِقَالَةٌ وَ صِقَالَةُ الْقُلُوْبِ ذِكْرُ اللّٰهِ کے مصداق ذکرِ الٰہی کا نوشادر لگاتے ہیں، جس سے اس کے دل کا برتن صاف ہو جاتا ہے۔ پھر اس کے بعد جب

وہ اس کے اوپر شریعت کی قلعی پھیرتے ہیں تو پھر اس کی پوری شخصیت شریعت کے مطابق بن جاتی ہے۔

رجال اللہ کی اہمیت

یہ تزکیہ کسی شیخ کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اگر انسان اپنا تزکیہ خود کر سکتا ہوتا تو پھر اللہ تعالیٰ انبیائے کرام کو نہ بھیجتے، فقط کتاب بھیج دیتے اور بندوں سے کہہ دیتے کہ اس کے مطابق عمل کرو۔ ایسا تو ہوا کہ نبی علیہ السلام تشریف لائے اور کتاب نہ آئی لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کتاب آئی ہو اور نبی علیہ السلام تشریف نہ لائے ہوں۔ کتاب اللہ کو سمجھنے کے لئے رجال اللہ کا ہونا ضروری ہے۔ اس لئے جب بندہ کسی شیخ کی صحبت میں رہ کر محنت کرتا ہے تو اس کے اوپر علم کی نسبت کا رنگ چڑھ جاتا ہے۔ اسی لئے کسی عارف نے کہا،

قال را بگذار مرد حال شو
پیش مرد کاملے پامال شو

[علم قال کو چھوڑ کر علم حال کے بندے بن جاؤ اور اپنے آپ کو ایک کامل ولی کے سامنے پامال کر دو]

صد کتاب و صد ورق در نار کن
جان و دل را جانب دلدار کن

[سو کتابوں اور سو اوراق کو آگ میں ڈال دو اور اپنے جان و دل کو دلدار کے حوالے کر دو]

انسان ناشکرا ہے

میرے دوستو! جتنا ناقدرا انسان ہے اتنا ناقدرا کوئی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

فرمایا،

اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لِرَبِّہٖ لَکَنُوۡدٌ ۝ وَ اِنَّہٗ عَلٰی ذٰلِکَ لَشَہِیۡدٌ ۝

[بے شک انسان اپنے پروردگار کا ناشکرا ہے اور یہ خود بھی اس ناشکری کے اوپر گواہ ہے] (العٰدیٰت: ۶، ۷)

اگر ہم اپنے دل کو جھانک کر دیکھیں تو دل گواہی دے گا کہ ہم واقعی ناشکرے ہیں۔ ذرا سی تنگی آئے تو سب سے پہلے عبادتیں چھوٹ جاتی ہیں۔ ہماری استقامت کا یہ حال ہے۔ کہتے ہیں جی کہ کاروبار کی پریشانی ہے، یہ ختم ہولے پھر نماز پڑھیں گے۔ استغفر اللہ۔ تو سب سے پہلے رب کا دروازہ چھوٹتا ہے۔

کتے کی نصیحت

ایک متوکل صاحب اللہ پر توکل کرنے کی محنت کر رہے تھے۔ وہ ایک ویرانے میں عبادت کر رہے تھے۔ انہیں اللہ کی رحمت سے روزانہ کھانا مل جاتا تھا۔ ان کو تین سال تک کھانا ملتا رہا۔ ایک مرتبہ انہیں کھانا ملنا بند ہو گیا۔ تین دن کا فاقہ ہونے کی وجہ سے لاچار ہو گئے۔ چنانچہ کہنے لگے کہ کسی بندے سے جا کر کھانا لانا پڑے گا۔ لہٰذا وہاں سے گئے اور کسی بندے کے در پر جا کر سوال کیا۔ ان بندے نے اس کو تین روٹیاں دے دیں۔

وہ روٹیاں لے کر آ رہے تھے کہ راستے میں ایک کتا ان کے پیچھے لگ گیا۔ وہ اس قدر شدت سے بھونک رہا تھا کہ انہوں نے سمجھا کہ شاید یہ مجھے کھا ہی جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے جان چھڑانے کے لئے کتے کو ایک روٹی پھینک دی۔ کتے نے وہ روٹی کھا لی اور پھر ان کے پیچھے بھاگا۔ پھر انہوں نے جان چھڑانے کے لئے دوسری روٹی بھی ڈال دی۔ اس نے وہ روٹی بھی کھا لی اور پھر ان کے پیچھے دوڑا۔ ابھی

منزل پر نہیں پہنچے تھے کہ کتا پھر ان کے پاس پہنچ گیا۔ چنانچہ انہوں نے جان چھڑانے کے لئے تیسری روٹی بھی پھینک دی۔ کتے نے تیسری روٹی بھی کھالی۔ جب انہوں نے تیسری روٹی ڈالی تو ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ تم کتنے ظالم ہو کہ میرے لئے ایک روٹی بھی نہ بچائی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کتے کو بات کرنے کی توفیق عطا فرما دی ...... جی ہاں، جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں تو بلوا دیتے ہیں ...... کتے نے ان سے کہا،

''میں ظالم نہیں ہوں بلکہ تم ظالم ہو''

انہوں نے کہا، ''وہ کیسے؟''

کتا کہنے لگا، ''وہ اس طرح کہ آپ کا مالک آپ کو تین سال تک ایک ہی جگہ بٹھا کر رزق دیتا رہا، پھر تین دن روٹی نہ ملی تو آپ نے رب کا در چھوڑ کر کسی اور کے دروازے پر جا کر دستک دے دی۔ اور مجھے دیکھو کہ میرا مالک مجھے کئی کئی دن روٹی نہیں ڈالتا، میں بھوکا تو رہ لیتا ہوں مگر مالک کا در کبھی نہیں چھوڑتا۔''

ایک ناصحانہ کلام

بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ گزرے ہیں۔ ان کا پنجابی زبان میں ایک کلام ہے۔ آپ شاید کہ سمجھ تو نہیں پائیں گے تاہم میں اس کا ترجمہ کر دوں گا۔ سنئے ذرا:

راتیں جاگیں تے شیخ سڈاویں راتیں جاگن کتے تیتھوں اتے
رکھا سکھا ٹکڑا کھا کے دنیں جا رکھاں وچ ستے تیتھوں اتے
تو ناشکرا اتے پلنگاں اوہ شاکر روڑیاں اتے تیتھوں اتے
در مالک دا مول نہ چھوڑن بھانویں مارے سو سو جتے تیتھوں اتے
اٹھ بلھیا توں یار منا لے نئیں تے بازی لے گئے کتے تیتھوں اتے

[تو رات کو جاگتا ہے اور اپنے آپ کو شیخ کہلواتا ہے، رات کو تو کتے بھی جاگتے

ہیں، کتے تجھ سے بہتر ہیں...... وہ روکھی سوکھی روٹی کھا لیتے ہیں اور ساری رات جاگ جاگ کر مالک کے گھر کا پہرہ دیتے ہیں اور صبح کے وقت ان کے لئے نرم بستر نہیں ہوتے بلکہ کسی دیوار یا درخت کی اوٹ میں بغیر بستر کے زمین پر لیٹ کر سو جاتے ہیں، کتے تجھ سے بہتر ہیں.... تو پلنگوں پر سونے کے بعد بھی ناشکری کرتا ہے اور وہ روڑیوں یعنی غلاظت کے ڈھیروں پر بھی سو کر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کتے تجھ سے بہتر ہیں...... کتے اپنے مالک کا در کبھی نہیں چھوڑتے چاہے ان کا مالک انہیں سو سو جوتے مارلے اور تو تو ذرا سی بات پر مالک کا در چھوڑ کر چلا جاتا ہے، کتے تجھ سے بہتر ہیں......او بلھیا! اٹھ تہجد کا وقت ہے تو اپنے پروردگار کو راضی کر لے ورنہ تجھ سے بازی لے جائیں گے]

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمیں بھی اپنے مالک کا وفادار بن کر رہنے کی توفیق عطا فرمادے، ہم سب کو علم کی نسبت کا نور عطا فرمائے اور اس نسبت کو مضبوط سے اضبط کرنے کی توفیق عطا فرمادے اور موت سے پہلے پہلے موت کی تیاری کی توفیق عطا فرمادے۔

و اٰخر دعوٰنا ان الحمدلِلّٰه رب العٰلمین

الٓرٰ کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْکَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ۔ (القرآن)

قرآن مجید کی برکات

حضرت اقدس دامت برکاتہم نے یہ بیان زمبیا میں ۲۹ رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ مطابق ۱۴ دسمبر ۲۰۰۱ء کو اعتکاف کے دوران فرمایا۔ مخاطبین میں معتکفین اور عوام کی بڑی تعداد موجود تھی۔

اقتباس

قرآن مجید فرقان حمید

......انسانوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لانے والی کتاب

......بھٹکے ہوؤں کو سیدھا راستہ دکھانے والی کتاب

......قعر مذلت میں پڑے ہوؤں کو اوج ثریا پر پہنچانے والی کتاب اور

......اللہ سے بچھڑے ہوؤں کو اللہ سے ملانے والی کتاب ہے۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

قرآن مجید کی برکات

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سلمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِo بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَھَا وَاَشْفَقْنَ مِنْھَا وَحَمَلَھَاالْاِنْسَانُ ط اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَھُوْلًاo (الاحزاب:۷۲)

......وقال اللہ تعالیٰ فی مقام آخر......

الٓرٰ قف کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰہُ اِلَیْکَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ لا بِاِذْنِ رَبِّھِمْ اِلٰی صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِo (ابراہیم:۱)

......وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم......

خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ (صحاح ستہ)

......او کماقال علیہ الصلوٰۃ والسلام......

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَo وَ سلمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَo وَ الْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

اندھیروں سے روشنی کی طرف

الٓرٰ کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰہُ اِلَیْکَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ

(یہ ایک کتاب ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل فرمائی تاکہ اس کے ذریعے آپ انسان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں)

گویا قرآن مجید فرقان حمید

...... انسانوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لانے والی کتاب

...... بھٹکے ہوؤں کو سیدھا راستہ دکھانے والی کتاب

...... قعرِ مذلت میں پڑے ہوؤں کو اوجِ ثریا پر پہنچانے والی کتاب اور

...... اللہ سے بچھڑے ہوؤں کو اللہ سے ملانے والی کتاب ہے۔

قرآن مجید کی فضیلتوں میں سے سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ یہ شہنشاہِ حقیقی کا کلام ہے۔ اس کو دوسرے کلاموں پر وہی فضیلت حاصل ہے جو اللہ رب العزت کو اپنی مخلوق پر حاصل ہے۔

کتاب ہدایت

قرآن مجید کتاب ہدایت ہے...... اللہ رب العزت نے اسے کتاب عبادت نہیں کہا کہ یہ مصلے کی عبادت بتاتی ہے بلکہ یہ کتاب ہدایت بچے کے پیدا ہونے سے لے کر اس کے مرنے، حشر کے دن اٹھنے اور جنت کے اندر پہنچنے تک قدم قدم پر رہنمائی کرتی ہے...... اس لئے زندگی میں کوئی بھی معاملہ پیش آئے تو اس کتاب کی طرف رجوع کیجیے، آپ کو اس میں ہر بیماری کا علاج ملے گا اور اس میں ہر مسئلے کا حل ملے گا۔

قرآن مجید بسم اللہ کی ''با'' سے شروع ہوتا ہے اور والناس کی ''س'' پر مکمل ہوتا ہے۔ ''با'' اور ''س'' کو ملائیں تو ''بس'' کا لفظ بنتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس نے قرآن پڑھ لیا اس کو اب کسی اور ہدایت کی ضرورت نہیں ...... اس کے لئے بس

یہی کافی ہے۔

رحمت الٰہی کو کھینچنے کا مقناطیس

لوہا جہاں بھی ہو مقناطیس اس کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ جب قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید فرقان حمید اللہ رب العزت کی رحمتوں کو کھینچنے کا مقناطیس ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ

(اور جب قرآن پڑھا جائے تو توجہ سے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحمتوں کی بارش کی جائے) (الاعراف:۲۰۴)

معرفتوں بھری کتاب

قرآن مجید معرفتوں بھری کتاب ہے، یہ حقیقتوں کا خزانہ ہے، سچائیوں کا مجموعہ ہے، بلکہ سچی بات ہے کہ یہ **Ultimate realities of the universe** ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں کائنات کی صداقتوں کو یکجا فرما دیا ہے۔ یہ اب ہمارے پاس موجود ہے۔ اس کو پڑھئے، اس پر عمل کیجئے اور دنیا و آخرت کی عزتیں پائیے۔ یاد رکھیں کہ جو بندہ دنیا میں اس قرآن کی قدر نہیں پہچانے گا آخرت میں قرآن اس سے ناآشنا بن جائے گا اور اس طرح وہ بندہ قرآن عظیم الشان کی شفاعت سے محروم ہو جائے گا۔

ایک ایمان افروز واقعہ

1987ء میں یہ عاجز واشنگٹن میں ورجینیا کے قریب مقیم تھا۔ ہمیں اطلاع ملی کہ یہاں مختلف مذاہب کے لوگوں نے اپنے ملنے کا ایک دن متعین کیا ہوا ہے۔ وہاں ہر

مذہب کے لوگ آتے ہیں لیکن وہاں اسلام کی نمائندگی کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ لہٰذا ان کے دل میں اسلام کے بارے میں جو الٹی سیدھی باتیں آتی ہیں وہ کہتے رہتے ہیں۔ چنانچہ دوست احباب نے اس عاجز کو قربانی کا بکرا بنا دیا کہ آپ ہی وہاں جائیں۔ لہٰذا فقیر نے وہاں جانا شروع کر دیا۔ مہینے میں ایک بار ان کی میٹنگ ہوتی تھی۔ کبھی کوئی بات زیر بحث آتی اور کبھی کوئی بات۔ ہمارا فرض منصبی یہ تھا کہ مسلمان ہونے کے ناتے اگر اسلام کے بارے میں کوئی بات ہو تو اس کو ہم Watch (مشاہدہ) کریں۔ چنانچہ اگر ان کو کوئی Confusion (الجھن) ہوتی تھی تو ہم اس کو Clarify (دور) کر دیتے تھے۔ الحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے اس عاجز کو یہ سعادت سالہا سال نصیب فرمائی۔ کسی کرسی پر عیسائیوں کا پادری بیٹھا ہوتا تھا، کسی کرسی پر یہودیوں کا ربائی Rabai (یہودیوں کا مذہبی پیشوا) بیٹھا ہوتا تھا، کسی کرسی پر ہندوؤں کا پنڈت بیٹھا ہوتا تھا، اور جو کرسی اسلام کے نام پر رکھی ہوتی تھی اس پر اس عاجز کو بیٹھنے کی توفیق ملتی تھی۔ اس کے علاوہ ادیان عالم کے اور بھی نمائندے بیٹھے ہوتے تھے۔

ایک مرتبہ اس عاجز نے ایک پوائنٹ اٹھایا کہ آئندہ کی میٹنگ کا جو ایجنڈا بنایا جا رہا ہے اس میں یہ پوائنٹ رکھا جائے کہ ہر ہر دین والا اپنی اپنی آسمانی کتاب کا کچھ حصہ اس میٹنگ میں تلاوت کرے اور اس کی سمری (خلاصہ) بھی پیش کرے۔ اس پر وہ سب آمادہ ہو گئے...... اس میں ایک راز تھا جس کو وہ بالکل نہ سمجھ سکے۔

جب اگلے مہینے میٹنگ ہوئی تو انہوں نے اس عاجز سے کہا کہ چونکہ یہ آپ ہی کی یہ Suggestion (تجویز) تھی اس لئے آپ ہی شروع فرمائیں۔ چنانچہ ہم نے فاتحۃ الکتاب (سورۃ فاتحہ) کی ان کے سامنے تلاوت کی اور اس کے معانی ٹوٹی

چھوٹی انگریزی میں ان کے سامنے بیان کر دیئے ...... اس لئے کہ ہم نے پڑھا تھا کہ تمام آسمانی کتابوں کا نچوڑ قرآن مجید میں آ چکا ہے اور پورے قرآن مجید کا نچوڑ سورۃ فاتحہ میں ہے۔ لہٰذا ہم نے سوچا کہ سورۃ فاتحہ کا پڑھ لینا گویا پورے قرآن کو ان کے سامنے پیش کر دینے کے مترادف ہے...... اس کے بعد انہوں نے چند سوالات کئے ا ور وہ ان کے جوابات سن کر مطمئن ہو گئے۔

میر ے بعد قدرتا یہودی بیٹھا تھا۔ وہ مجھے ہمیشہ بڑے غور سے دیکھتا رہتا تھا۔ ہر بار عمامہ بھی ہوتا، ہر بار جبہ بھی ہوتا اور ہر بار ہاتھ میں عصا بھی ہوتا تھا...... اب اس کے دل کو محسوس تو ہوتا تھا کہ عصا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وراثت تھی مگر ہے ان کے ہاتھ میں....... حتیٰ کہ وہ بیچارہ ایک دن بول ہی پڑا۔ کہنے لگا،

You always come with a different respective look

(آپ ہمیشہ ایک منفرد اور قابل قدر شخصیت کے روپ میں تشریف لاتے ہیں)

سبحان اللہ یہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنتوں کی برکت ہے۔ یہ الفاظ یہودیوں کے ایک بڑے عالم کے ہیں۔ ''جی ہاں، جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے''

خیر، جب اس عاجز نے تلاوت اور ترجمہ مکمل کیا تو اس کے بعد اس یہودی ربائی نے انگریزی کی کتاب کھولی اور اس کو پڑھنا شروع کر دیا۔ جب اس نے وہ کتاب پڑھنا شروع کی تو میں نے کہا کہ میں ایک پوائنٹ ریز کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا، وہ کیا؟ میں نے کہا، جی آپ مجھے یہ بتائیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو کتاب ''تورات'' نازل ہوئی تھی وہ کس زبان میں ہوئی تھی؟ اس نے کہا، وہ تو حبرون (عبرانی) زبان میں نازل ہوئی۔ میں نے کہا، ابھی تو آپ انگریزی پڑھ رہے تھے، جبکہ طے یہ ہوا تھا کہ جو آسمانی کتاب نازل ہوئی اس میں سے پڑھا جائے

گا۔ جب میں نے یہ کہا تو مجمع میں سناٹا چھا گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد عیسائیوں کا پادری بولا کہ ''جی آپ کے سامنے کھری سی بات کرتا ہوں کہ اس وقت دنیا میں جتنے بھی ادیان موجود ہیں ان کے ماننے والوں میں سے فقط مسلمان ہی ایسے ہیں جن کے پاس الہامی کتاب (قرآن مجید) Original (اصلی) حالت میں موجود ہے، باقی سب کے پاس فقط ترجمے ہیں''۔ سب نے اس کی تائید کی۔

اللہ اکبر! اس وقت ایمان بہت مضبوط ہوا کہ اس وقت دنیا کے جتنے بڑے بڑے مذاہب ہیں ان کے چنے ہوئے بندے موجود ہیں اور سب اقرار کر رہے ہیں کہ فقط مسلمان ہی ایسے ہیں جن کے پاس ''کلام الٰہی'' اپنی اصلی شکل میں موجود ہے، باقی کسی کے پاس کلام الٰہی موجود نہیں ہے...... الحمد للہ ثم الحمد للہ..... یہی وجہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قرآن مجید پکڑ کر فرماتے تھے:

هٰذا كلام ربي ، هٰذا كلام ربي

(یہ میرے پروردگار کا کلام ہے، یہ میرے پروردگار کا کلام ہے)

ڈیپریشن کا لفظ کہاں سے آیا؟

آجکل تو قرآن کو ماننے والے بھی کہہ رہے ہوتے ہیں کہ بس کچھ ڈیپریشن سی ہے۔ یہ ''ڈیپریشن'' کا لفظ ہم مسلمانوں کا لفظ نہیں ہے۔ ہمارے اسلاف کی زندگیوں میں یہ نہیں ہوتا تھا۔ اسی لئے اس لفظ کا اردو میں ترجمہ کرنے کیلئے کوئی لفظ ہی نہیں ہے۔ اسی طرح عربی زبان میں بھی اس کے ترجمہ کے لئے کوئی لفظ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ڈیپریشن کو اردو میں بھی بولنا ہو تو ڈیپریشن ہی کہتے ہیں۔ نہ تو یہ لفظ اردو میں تھا اور نہ ہی عربی میں، لہٰذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ لفظ کہاں سے

آیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جن کی زبان کا لفظ ہے انہی کی زندگیوں میں ڈیپریشن ہوتا تھا اور وہیں سے ادھر ہمارے ہاں آیا ہے۔ قرآن مجید سے روگردانی کی وجہ سے یہ لفظ ہماری زندگیوں میں بھی آ گیا۔

''جس کا اللہ سے واسطہ ہو اس کا پریشانیوں سے کیا واسطہ''

غور سے سنئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد:۲۸)

(جان لو کہ اللہ کی یاد کے ساتھ دلوں کا اطمینان وابستہ ہے)

جب دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد ہوتی ہے تو پھر انسان کے ذہن میں کوئی پریشانی نہیں ہوتی۔ یہ ہاتھوں کی کمائی ہے، قرآن موجود ہے مگر پڑھتے نہیں، اور کہتے ہیں کہ جی ہمیں اسے پڑھنے کا وقت ہی نہیں ملتا۔ ہم خوش نصیب ہیں کہ ہمارے پاس قرآن مجید موجود ہے۔ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کے پاس یہ نعمت موجود نہیں ہے۔

ایک روسی عورت قرآن کی تلاش میں

مجھے 1992ء میں تاشقند جانے کا موقع ملا۔ وہاں ایک جگہ سے گزر رہا تھا کہ ایک جوان عورت ذرا تیز تیز چلتی ہوئی قریب آئی اور کہنے لگی،

Are you Muslim?

(کیا آپ مسلمان ہیں؟)

میں نے کہا، ہاں میں مسلمان ہوں۔

وہ کہنے لگی،

Do you have Quran?

(کیا آپ کے پاس قرآن مجید ہے؟)

میں نے کہا، ہاں، میرے پاس ہے۔ سفر میں ایک چھوٹا نسخہ سینے سے لگا کر رکھتے ہیں۔

اس نے کہا، کیا میں دیکھ سکتی ہوں؟

میں نے کہا، آپ ضرور دیکھ سکتی ہیں۔

جب اس نے میرے ہاتھ سے قرآن پاک لیا تو وہ قرآن پاک کو چوم کر کبھی ایک آنکھ سے لگانے لگی کبھی دوسری آنکھ سے لگانے لگی اور کبھی سینے سے لگاتی۔ عجیب دیوانوں والی اس کی حالت تھی۔ کچھ دیر تو میں انتظار میں رہا۔ پھر میں نے اس سے پوچھا، کیا وجہ ہے کہ ابھی تک آپ نے مجھے قرآن واپس نہیں کیا؟

وہ کہنے لگی، ''میں بھی مسلمان ہوں، میری عمر اس وقت انتالیس (39) سال ہے اور میں اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ قرآن مجید کی زیارت کر رہی ہوں''۔

اس وقت احساس ہوا کہ اے اللہ! یہ تیری کتنی بڑی نعمت ہے کہ ہم مسجد میں جائیں تو وہاں بھی قرآن مجید موجود ہوتا ہے، مدرسہ میں جائیں تو وہاں بھی موجود ہوتا ہے، گھروں میں جائیں تو وہاں بھی موجود ہوتا ہے حتیٰ کہ دکانوں میں جائیں تو وہاں بھی موجود ہوتا ہے۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ۔ اس کی برکات سے نہ صرف مسلمان ہی فائدہ اٹھا رہے ہیں بلکہ یہ غیر مسلموں کی زندگیوں میں بھی انقلاب برپا کر رہا ہے۔

ایک ہندو گھرانے کے اسلام لانے کا واقعہ

ہمارے ملک پاکستان کے صوبہ سندھ میں ایک ہندو گھرانے کے اسلام لانے کا ایک عجیب واقعہ پیش آیا...... ایک جوان کا تعلق ہندو گھرانے سے تھا۔ اسے کینسر کا مرض لاحق ہوا۔ ڈاکٹروں نے اسے لاعلاج قرار دے کر ہاسپٹل سے گھر بھیج دیا۔

اس کی عمر چالیس بیالیس سال تھی۔ وہ گھر آ کر بڑا اداس اور پریشان رہنے لگا۔ اسے رہ رہ کر یہ خیال آتا کہ میں تو بس چند دنوں کے بعد مر جاؤں گا۔

ایک دن اس کی بیوی اس کے پاس بیٹھی تھی۔ وہ اس کے ساتھ محبت بھری باتیں کر رہا تھا۔ اس دوران وہ کہنے لگا، اب تو میں اور آپ جدا ہو جائیں گے کیونکہ اب میری صحت کے بحال ہونے کا کوئی چانس باقی نہیں ہے۔

بیوی نے کہا، اگر آپ میرے ساتھ وعدہ کریں کہ میں جو بھی کہوں گی آپ میری بات مانیں گے تو اس شرط پر میں آپ کو ایک چیز پلاتی ہوں، آپ بالکل صحتمند ہو جائیں گے۔

اس نے جواب دیا، جب ہاسپٹل میں میرے علاج کے لئے دوائیاں نہیں ہیں تو آپ کے پاس کونسی چیز آ گئی ہے؟

وہ کہنے لگی، کیا آپ کو مجھ سے محبت ہے؟

اس نے کہا، جی ہاں بہت محبت ہے۔

بیوی نے کہا، اگر آپ کو مجھ سے واقعی محبت ہے تو پھر وعدہ کریں...... آپ بالکل ٹھیک ہو جائیں گے، پھر ہم اکٹھے لمبی زندگی گزاریں گے، بس آپ وعدہ کریں کہ جو بات میں کہوں گی آپ ضرور مانیں گے۔

اس نے کہا، میں تو آپ کی باتیں ویسے ہی مانتا ہوں...... پہلے زمانے میں تو جانور کو رسی ڈال کر پیچھے لے کر چلتے تھے لیکن آجکل کے نوجوان ایسے سدھائے ہوئے ہیں کہ ویسے ہی پیچھے چل رہے ہوتے ہیں۔

خیر میاں نے وعدہ کر لیا کہ آپ جو بات بھی کہیں گی میں مانوں گا۔ اس کے بعد اس کی بیوی اس کے پاس کرسی ڈال کر بیٹھ گئی۔ اس نے اپنے پاس ایک جگ میں

پانی بھی رکھ لیا۔ وہ کچھ پڑھ پڑھ کر اس پانی پر پھونکتی رہی۔ جب وہ فارغ ہوئی تو اس نے میاں کو اس میں سے کچھ پانی پلا دیا۔ پھر جب بھی اس کو پیاس محسوس ہوتی وہ اسی جگ میں سے اسے پانی پلا دیتی۔

اللہ کی شان دیکھئے کہ اس نے ابھی چند دن ہی وہ پانی پیا تھا کہ وہ اپنے آپ کو Healthy (صحت مند) محسوس کرنے لگا۔ اس نے جا کر لیبارٹری ٹیسٹ کروایا تو پتہ چلا کہ اس کے اندر کا بلڈ کینسر ختم ہو چکا تھا۔ اس کو یقین نہ آیا۔ جب اس نے ساری صورتحال اپنی بیوی کو بتائی تو اس نے کہا کہ کسی دوسری لیبارٹری سے چیک کروالیں۔ چنانچہ وہ دوسری لیبارٹری میں چلا گیا۔ وہاں سے بھی یہی رپورٹ ملی کہ بلڈ کینسر ختم ہو چکا ہے۔ وہ بڑا حیران ہوا۔

جب وہ دوسری رپورٹ لے کر گھر آیا تو بیوی سے کہنے لگا، میری بیماری تو واقعی ختم ہو چکی ہے اور میں بھی اپنے آپ کو بہتر محسوس کر رہا ہوں، مگر سچ بتائیں کہ آخر یہ معاملہ ہے کیا؟

بیوی کہنے لگی، پہلے تو آپ وہ وعدہ پورا کریں جو میرے ساتھ کیا تھا، پھر بتاؤں گی۔ اس نے کہا، ٹھیک ہے، آپ مطالبہ کریں، آپ جو بات بھی کہیں گی میں پوری کروں گا۔ وہ کہنے لگی،

"آپ کلمہ پڑھ کر مسلمان بن جائیں"

جب اس کی بیوی نے یہ کہا تو وہ ہندو جوان حیران رہ گیا۔ وہ اس کے چہرے کی طرف غور سے دیکھ کر بولا، آپ کیا کہہ رہی ہیں؟

بیوی نے کہا، میں آپ کی بیوی ہوں، اب آپ کو صحت مل چکی ہے، آپ نے مجھ سے وعدہ کیا ہوا ہے، لہذا اب آپ اپنا وعدہ نبھائیں اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو

جائیں۔

اس نے کہا، میں تو یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ آپ مجھ سے یہ کہیں گی۔

بیوی نے کہا، جی آپ کی بات بالکل ٹھیک ہے، لیکن اب جو کہہ دیا ہے وہ پورا کریں۔

اس نے پوچھا، کیا آپ مسلمان ہیں؟

بیوی کہنے لگی، ہاں میں مسلمان ہوں۔

اس نے کہا، تمہارا باپ تو اتنا پکا ہندو ہے کہ وہ تو اوروں کو بھی ہندو بناتا ہے، اگر اسے آپ کے بارے میں پتہ چل گیا تو وہ تو آپ کا گلا کاٹ دے گا، تم ایسے گھر کی لڑکی ہو، پھر تم کیسے مسلمان بن گئی؟

بیوی نے کہا، یہ لمبی کہانی ہے پھر سناؤں گی، آپ پہلے کلمہ پڑھیں اور مسلمان بن جائیں۔ میاں اب اچھی طرح قابو آچکا تھا اس لئے اسے کلمہ پڑھنا ہی پڑا۔ الحمد للہ وہ مسلمان بن گیا۔ اس کے بعد اس نے بیوی سے کہا کہ اب بتاؤ کہ اصل میں معاملہ ہوا کیا تھا؟ اب اس نے اسے یہ کہانی سنائی جواب میں سنا رہا ہوں۔

بیوی نے کہا کہ جب میں چھوٹی عمر میں سکول پڑھتی تھی اس وقت میری کلاس میں ایک مسلمان لڑکی بھی تھی۔ وہ میری سہیلی بن گئی۔ وہ ہمارے پڑوس میں ہی رہتی تھی۔ میں شام کے وقت اس کے گھر کھیلنے کے لئے جاتی تھی۔ اس کی والدہ مسلمان بچوں کو قرآن مجید پڑھاتی تھی۔ میری وہ سہیلی بھی اپنی والدہ سے قرآن مجید پڑھتی تھی۔ چونکہ وہ میری سہیلی تھی اس لئے جب وہ اپنا سبق یاد کرتی تو میں بھی اس کے پاس بیٹھ جاتی تھی۔ میں بھی ذہین تھی۔ اسے بھی سبق یاد ہو جاتا اور مجھے بھی اس کا سبق یاد ہو جاتا۔ جب وہ اپنی امی کو سناتی تو میں بھی ان سے کہتی کہ خالہ! میں بھی

سناتی ہوں۔اس طرح وہ مجھ سے بھی سبق سن لیتی تھیں۔

جب خالہ نے چند دنوں میں میرا یہ شوق دیکھا تو انہوں نے مجھے مشورہ دیا کہ بیٹی! تم روزانہ ہی تو آتی ہو، تم بھی اس کے ساتھ ساتھ روزانہ یاد کرتی رہو۔ چونکہ میری کلاس فیلو تھی اس لئے میں نے کہا، جی ٹھیک ہے۔ جب میں نے یہ کہا تو خالہ کہنے لگی، بیٹی! یہ کسی کو نہ بتانا۔ میں نے کہا، جی میں کسی کونہیں بتاؤں گی۔اس طرح میں دو سال تک ان کے گھر جاتی رہی اور سبق بھی پڑھتی رہی۔جس طرح ان کی بیٹی نے ناظرہ قرآن پاک مکمل کیا اسی طرح میں نے بھی اس کے ساتھ قرآن پاک مکمل کرلیا۔

میں نے جب قرآن پاک مکمل پڑھ لیا تو میں نے خالہ سے کہا، خالہ! باقی بچے تو گھر میں پڑھتے ہیں لیکن میں تو گھر میں نہیں پڑھ سکتی۔ انہوں نے کہا، قرآن مجید میں الم نشرح ایک سورت ہے۔ یہ سورت پڑھ کر اگر کسی مریض پر دم کردیں یا پانی پر دم کرکے اسے پلا دیں تو اس کو صحت مل جاتی ہے، یہ عمل مجھے کسی بزرگ نے بتایا تھا، اب یہی عمل میں آپ کو بتا رہی ہوں، اسے یاد رکھنا، یہ کبھی نہ کبھی تیرے کام آئے گا ......وہ مجھے اس قسم کی باتیں سناتی رہتی تھیں.......

جب میں جوان ہوئی اور میری شادی ہونے لگی تو چند دن پہلے میں ان کے پاس گئی اور ان کے پاس بیٹھ کر بہت روئی۔ میں نے کہا، خالہ! آپ کی بیٹی میری سہیلی تھی، اس کی وجہ سے میں آپ کے گھر میں آیا کرتی تھی، اسی بہانے سے میں نے قرآن پاک بھی پڑھ لیا تھا اور آپ نے مجھے کلمہ بھی پڑھا دیا تھا، اندر سے تو میں مسلمان ہو چکی ہوں، لیکن اب جہاں میری شادی ہو رہی ہے وہاں تو میں نہ اپنے ایمان کا اظہار کر سکتی ہوں اور نہ ہی میرے پاس قرآن مجید ہوگا، وہاں میرا کیا بنے گا؟

خالہ نے کہا، بیٹی! تم پریشان نہ ہونا۔ میں کسی نہ کسی طرح تمہارے ساتھ جہیز میں قرآن مجید بھیج دوں گی۔ میں نے کہا، یہ تو بہت ہی عجیب بات ہے۔ چنانچہ خالہ نے میری والدہ کو پیغام بھجوایا کہ آپ کی بیٹی میری بیٹی کی سہیلی ہے، میری بیٹی اسے ہدیے کے طور پر جہیز کے کچھ کپڑے دینا چاہتی ہے، اگر اجازت ہو تو میں بھی کپڑے بنوا دوں..... میرے والدین کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی۔ انہوں نے سوچا کہ یہ دونوں پرائمری سے لے کر کالج تک کلاس فیلوز ہیں اور آپس میں محبت بھی رکھتی ہیں، اس لئے انہوں نے اجازت دے دی کہ ٹھیک ہے آپ بھی کچھ جوڑے بنوا دیں ..... چنانچہ انہوں نے جواب بھیجا کہ ہم اس کو جہیز میں سات جوڑے بنوا کر دیں گے۔

اس خالہ نے میرے لئے بہت ہی قیمتی جوڑے بنوائے، انہوں نے ان کپڑوں کو بہت ہی خوبصورت طریقے سے گفٹ پیک کروایا اور ان کے درمیان میں قرآن مجید بھی گفٹ پیک کر کے ہمارے گھر پہنچا دیا۔ اور ساتھ یہ بھی کہا کہ ہم نے اس کے کپڑے گفٹ پیک کیے ہیں، آپ اسے یہاں اپنے گھر نہ کھولنا بلکہ آپ کی بیٹی اپنے نئے گھر میں جا کر کھولے گی تاکہ اس کا خاوند بھی دیکھ کر خوش ہو۔

میرے والدین کو ان کی یہ بات بہت اچھی لگی۔ چنانچہ انہوں نے بھی کہا کہ یہ گفٹ پیک واقعی بہت خوبصورت ہے، بہتر یہی ہوگا کہ دلہن اسے اپنے گھر میں جا کر ہی کھولے۔

میں جب آپ کے گھر میں آئی تو میں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ جس کمرے میں میری رہائش تھی، میں نے قرآن پاک نکال کر اس میں کہیں چھپا دیا۔ جب آپ روزانہ دفتر چلے جاتے تو میں پیچھے قرآن پاک کھول کر پڑھ لیتی اور جب آپ کے

واپس آنے کا وقت قریب ہوتا تو میں اسے اچھی طرح چھپا کر رکھ دیتی تا کہ آپ اس کو دیکھ نہ لیں، زندگی کے اتنے سال میں نے آپ سے اپنا ایمان چھپائے رکھا۔ بالآخر آپ بیمار ہو گئے اور دوائیوں نے کام نہ کیا۔ میرے دل میں پکا یقین تھا کہ جہاں دوائیاں کام نہیں آتیں وہاں اللہ کا کلام کام آجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی اسی کلام میں فرماتے ہیں۔

شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ

[(یہ قرآن مجید) سینے (دل) کی بیماریوں کے لئے شفا ہے]

وہ کہنے لگی کہ جب آپ اپنی زندگی سے ناامید ہو گئے اور آپ نے مجھے کہا کہ اب میں مرنے کے قریب ہوں تو پھر میں نے آپ سے کہا کہ وعدہ کریں کہ جو میں کہوں گی آپ اسے پورا کریں گے تو میں آپ کو کچھ پانی پلاتی ہوں، آپ نے میری بات مان لی اور میں نے وہی سورت آپ کو پانی پر دم کر کے دی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو شفا عطا فرمادی...... میں نے بھی کلمہ پڑھا ہوا تھا اور اب آپ بھی مسلمان بن چکے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اب آپ کو نئی زندگی دی ہے، اب آپ اس زندگی کو اللہ کے دین کی خدمت میں صرف فرمادیجئے۔ اللہ اکبر۔

قرآن مجید کا سب سے بڑا اعجاز

میرے دوستو! ہم قرآن مجید کی برکتوں سے واقف نہیں ہیں۔ اگر ہمیں اس کی برکتوں پر یقین ہو تو ہم اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھیں کہ اللہ رب العزت نے ہمیں دنیا میں اپنی یہ نعمت عطا فرمائی ہے۔ یہ ایسی نعمت ہے جو ہمارے پاس ہر وقت موجود ہے۔ اس کا بڑا اعجاز ہے۔ اس کا حفظ ہو جانا اللہ رب العزت کی بڑی رحمت ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچے بھی اسے یاد کر لیتے ہیں۔ پوری دنیا میں کوئی اور کتاب ایسی

نہیں ہے جس کے حافظ دنیا میں موجود ہوں۔

سینہ بہ سینہ قرآن کا فیض

ہمارے ایک دوست سٹیل مل کراچی میں انجینئر تھے۔ وہ ایک نیک سیرت اور متشرع مسلمان تھے۔ چونکہ سٹیل مل روس کے تعاون سے لگی تھی اس لئے وہ 1973ء میں ٹریننگ لینے کے لئے گیسٹ (مہمان) بن کر ماسکو گئے۔ یہ وہ دور تھا جب وہاں کمیونزم کا طوطی بولتا تھا۔ بلکہ دنیا تو یہاں تک کہتی تھی کہ بس اب پورا ایشیا سرخ ہونے والا ہے۔

انہوں نے یہ واقعہ خود سنایا کہ چند دنوں کے بعد وہاں جمعہ کا دن آیا اور میں نے دوستوں سے کہا کہ مجھے تو مسجد جانا ہے، میں جمعہ کی نماز مسجد میں پڑھوں گا۔ انہوں نے کہا کہ یہاں تو مسجدوں کو گودام بنا دیا گیا ہے، ایک دو مسجدوں کو ٹورسٹ (سیاحوں) کے لئے کھلا رکھا گیا ہے اور باقی سب مسجدوں کو ان کے کھلے کھلے ہال کی وجہ سے گودام بنا دیا گیا ہے، اور جو دو مسجدیں کھلی رکھی ہوئی ہیں وہ بھی کبھی کھلتی ہیں اور کبھی بند ہوتی ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ مجھے ان مسجدوں کا پتہ بتائیں۔

خیر، میں پتہ کر کے ایک مسجد کے پاس پہنچ گیا۔ وہاں پتہ چلا کہ اس مسجد کے پڑوس میں ایک آدمی کے پاس اس مسجد کی چابی ہے اور وہی اس کو کھولا کرتا تھا۔ چنانچہ میں اس آدمی کے پاس گیا اور کہا کہ مسجد کھولو، مجھے نماز پڑھنی ہے۔ اس نے کہا کہ میں کھول تو دیتا ہوں، آگے آپ جو کچھ کریں گے آپ خود ذمہ دار ہوں گے۔ اگر آپ کو پولیس پکڑ کر لے گئی تو میں ذمہ دار نہیں ہوں گا۔ میں نے کہا کہ آپ فکر نہ کریں، میں کوئی بھاگ کر یہاں نہیں آیا ہوا، بلکہ میں یہاں گیسٹ (مہمان) ہوں۔ میں اپنے ملک میں بھی مسلمان تھا اور یہاں بھی مسلمان ہوں، وہاں بھی نمازیں

پڑھتا تھا اور یہاں بھی پڑھوں گا، مجھے کون روک سکتا ہے؟

میری باتیں سن کر وہ بڑا حیران ہوا اور مسجد کھول دی۔ میں نے مسجد کی صفائی کی۔ مسجد میں کوئی اور آدمی نہیں تھا جس کی وجہ سے میں جمعہ کی نماز تو پڑھ ہی نہیں سکتا تھا، فقط ظہر کی نماز پڑھنی تھی۔ لہٰذا جب ظہر کا وقت ہوا تو میں نے خوب اونچی آواز سے اذان دی۔ جب اذان دی تو قریب کے مکانوں سے مرد، عورتیں اور بچے مسجد میں آ گئے۔ وہ یہ سارا ماجرا حیران ہو کر دیکھ رہے تھے۔ میں نے نماز پڑھی اور وہ مجھے دور دور سے اس طرح دیکھتے رہے جیسے کوئی نیا کام دیکھ رہے ہوں۔

جب نماز سے فارغ ہو کر میں جانے لگا تو ان میں سے ایک بچہ آ کر کہنے لگا کہ آپ ہمارے گھر چائے پینے کیلئے آئیں۔ میں نے ان کے خلوص کو دیکھتے ہوئے دعوت قبول کر لی۔ وہ مجھے اپنے مہمان خانے میں لے گئے۔ میں نے دیکھا کہ دستر خوان لگا ہوا ہے، اس پر میوے لگے ہوئے ہیں، عورتیں کھانا لے کر آ گئیں اور چائے بھی فوراً آ گئی...... میرے وہاں جانے پر اس گھر میں عید کی سی خوشی کا سماں تھا۔ بچے، مرد اور عورتیں سب خوش تھے..... میں نے کچھ کھانا کھایا، مردوں نے بھی ساتھ کھایا۔ اس کے بعد ہم وہاں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ ان کے چھوٹے چھوٹے بچے میرے آگے آگے بیٹھ گئے، ان کے پیچھے مرد بیٹھ گئے اور ان کے پیچھے عورتیں آ کر کھڑی ہو گئیں۔

ایک چھوٹا سا بچہ میرے قریب بیٹھا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا، بچہ! تم قرآن مجید پڑھے ہوئے ہو؟ بچے نے اشارے سے ہاں میں جواب دیا۔ میری جیب میں چھوٹے سے سائز کا قرآن مجید تھا، میں نے وہ کھول کر اس کے سامنے کیا اور میں نے کہا کہ یہاں سے پڑھو۔ وہ بچہ کبھی قرآن مجید کی طرف دیکھتا اور کبھی میرے

چہرے کی طرف۔ میں بڑا حیران ہوا کہ کہتا بھی ہے کہ میں پڑھا ہوا ہوں اور پڑھتا بھی نہیں۔ تیسری مرتبہ میں نے اس سے کہا کہ پڑھو نا یہاں سے

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْآ اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (التحریم:٦)

وہ کہنے لگے کہ جب میں نے یہ چند الفاظ پڑھے تو بچے نے پڑھنا شروع کر دیا اور وہ قرآن مجید کی طرف دیکھے بغیر پڑھتا چلا جارہا تھا۔ میں اور زیادہ حیران ہوا۔ میں نے ان لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ اس کے جواب میں اس کے والد مسکرائے اور کہنے لگے، دراصل ہمارے پاس قرآن مجید موجود نہیں ہے۔ اگر کسی گھر میں قرآن پاک کا ایک ورق بھی نکل آئے تو گھر کے چھوٹے بڑے سب لوگوں کو پھانسی دے دی جاتی ہے۔ اس لئے ہم اپنے پاس قرآن مجید رکھ ہی نہیں سکتے۔ میں نے پوچھا کہ پھر آپ کیا کرتے ہیں؟ کہنے لگے کہ جو ہمارے پُرانے حافظ ہیں ان میں سے کوئی درزی کا کام کرتا ہے اور کوئی اور کام، ہم یہ کرتے ہیں کہ بچوں کو درزی وغیرہ کا کام سکھانے کیلئے شاگرد بنا کر بھیج دیتے ہیں، وہ بچے کو جہاں کپڑا کاٹنا، سلائی کرنا اور بٹن لگانا سکھاتے ہیں وہاں ساتھ ہی ساتھ بچے کو دو تین آیتیں زبانی سبق بھی روزانہ دے دیتے ہیں اور اس طرح بچہ نابینا بچے کی طرح یاد کر رہا ہوتا ہے۔ بالآخر ایک ایسا وقت بھی آتا ہے کہ وہ قرآن مجید کا حافظ تو بن جاتا ہے لیکن اسے قرآن مجید ناظرہ پڑھنا نہیں آتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ نے قرآن پاک کھول کر اسے کہا کہ یہاں سے پڑھو تو اس کو تو پتہ نہیں تھا کہ کہاں سے پڑھنا ہے کیونکہ اس نے تو قرآن مجید دیکھا ہی نہیں ہے اور جب آپ نے آیت پڑھی تو اس کو پتہ چل گیا کہ یہاں سے پڑھنا ہے، اگر آپ کہتے تو بچہ قرآن مجید کے اختتام تک پڑھتا چلا جاتا۔ سبحان اللہ

وہ کہنے لگے کہ میں نے قرآن مجید کا معجزہ دیکھا کہ جہاں پر لوگ قرآن مجید پر پابندی لگا چکے ہیں، لوگ قرآن مجید کو دیکھ نہیں سکتے، وہاں قرآن مجید کو ناظرہ پڑھنے والے تو نہیں ہوتے مگر قرآن مجید کے حافظ وہاں بھی موجود ہوتے ہیں۔ اللہ اکبر

انہوں نے بتایا کہ میں نے دل میں کہا،

''لوگو! تم نے قرآن مجید کی اس کتاب پر تو پابندی لگا دی لیکن جو سینوں میں قرآن مجید ہے تم اس پر پابندی کہاں لگا سکتے ہو؟''

واقعی یہ قرآن مجید کا کھلا معجزہ ہے کہ جن ملکوں کے لوگ قرآن مجید رکھ نہیں سکتے تھے ان کی نسلوں میں قرآن مجید پھر بھی حفظ کے طور پر سینوں سے سینوں میں چلتا رہا۔

یہ کہاں کا انصاف ہے؟

ہم یقیناً خوش نصیب ہیں کہ اس پروردگار نے ہمیں یہ نعمت گھر میں دی ہوئی ہے، ہم جب بھی پڑھنا چاہیں اس قرآن مجید کو پڑھ سکتے ہیں۔ ہم اللہ رب العزت کے اس احسان کا شکر ادا کریں اور اس قرآن مجید کو روزانہ پڑھنا اپنا فرض منصبی سمجھیں۔ کوئی دن بھی اس کی تلاوت کے بغیر نہ گزرے۔

مثال کے طور پر میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر آپ کے پیر و مرشد کا بیٹا آپ کے گھر مہمان آئے اور آپ کسی دن اس کا حال ہی نہ پوچھیں تو آپ محسوس کریں گے کہ میرے شیخ کیا کہیں گے اور یہ بچہ کیا کہے گا کہ میری خیر خبر بھی نہیں لی۔ اور اگر وہ کئی دنوں تک آپ کے گھر میں رہے اور آپ اس سے نہ ملیں اور نہ ہی حال پوچھیں تو پھر آپ اور زیادہ عجیب محسوس کریں گے کہ بچہ ہمارے گھر مہمان کے طور پر آیا ہوا ہے اور میں نہ تو اس سے مل ہی سکا ہوں اور نہ ہی حال پوچھا ہے۔

او خدا کے بندو! اگر پیر و مرشد کا بیٹا گھر آئے اور ہم اس سے حال نہ پوچھ سکیں تو اپنے آپ کو مجرم سمجھتے ہیں، یہ قرآن مجید ہمارے پروردگار کا کلام ہے اور ہمارے پاس مہمان ہے مگر پورا دن گزر جاتا ہے اور ہم اس مہمان کا حال تک نہیں پوچھتے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے۔

قربِ قیامت کی ایک علامت

یہ اللہ رب العزت کا احسان سمجھئے کہ اس نے ابھی تک ہمارے اندر اپنا قرآن رکھا ہوا ہے۔ قربِ قیامت کی علامات میں سے ہے کہ قرآن مجید کو اٹھا لیا جائے گا۔ ہمیں چاہیے کہ اس وقت سے پہلے پہلے اس قرآن کی قدر کر لیں..... پروردگار عالم کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں رمضان المبارک میں قرآن مجید سننے کی توفیق عطا فرمائی۔ ہم پروردگار کا جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے۔

لمحہء فکریہ

معزز سامعین! یہ آج ۲۹ رمضان المبارک کی رات ہے۔ کیا معلوم کہ یہ رمضان المبارک کی آخری رات ہو۔ اگر یہ آخری رات ہے تو پھر ہمیں اس حدیث پاک کے مضمون کے بارے میں سوچنا پڑے گا جس میں فرمایا گیا ہے کہ برباد ہو جائے وہ شخص جس نے رمضان المبارک کا مہینہ پایا اور اپنی مغفرت نہ کروائی۔

کیا ہم نے اللہ تعالیٰ سے بچی معافی مانگ لی.........!!!

کیا ہم نے گناہ بخشوا لئے.........!!!

اگر ابھی تک گناہ نہیں بخشوا سکے تو ہمارے لئے تو خطرے کی گھنٹی بج رہی ہے۔ وقت تو ہمارے ہاتھوں سے جا رہا ہے۔ جس طرح ۲۸ دنوں کے گزرنے کا پتہ نہیں

چاہا اس طرح اگلے ۲۸ گھنٹوں کے گزرنے کا پتہ بھی نہیں چلے گا۔ یہ اس رمضان المبارک کی آخری طاق رات ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اس مبارک رات میں اپنے گناہوں سے سچی توبہ کریں اور اپنے رب سے صلح کر لیں۔ ہم نے اپنے پروردگار کی بہت نافرمانیاں کیں، بھاگ بھاگ کر گناہ کیے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ''ہم نے گناہ کیے بڑھ بڑھ کے اور پروردگار نے پریشانیاں بھیج بھیج کر پھر مسجد بلا لیا''۔

ویسے تو بندے کو مسجد یاد ہی نہیں آتی۔ لیکن

کاروبار میں کمی کر دی...... مسجد کی طرف بھاگا،

بیوی کو بیمار کر دیا...... مسجد کی طرف بھاگا،

کوئی غم پریشانی دے دی......... مسجد کی طرف بھاگا،

پاک ہے وہ پروردگار جو پریشانیوں کی رسیوں میں باندھ باندھ کر ہمیں اپنے گھر کی طرف کھینچ رہا ہوتا ہے...... پریشان کرنے کا مقصد ستانا نہیں ہوتا بلکہ اپنے گھر کی یاد دلانا مقصود ہوتا ہے۔

بہر حال اللہ کی رحمت سے ہمیں رمضان المبارک میں اس گھر کی حاضری نصیب ہوتی رہی، ہم نے تراویح بھی پڑھی اور قرآن مجید بھی سنا۔ اب یہ آخری رات ہے۔ اس رات میں اللہ رب العزت سے صلح کر لیجیے اور اپنے گناہوں کو بخشوا لیجیے۔

''یا تو یہ رات ہمارے لئے گولڈن چانس ہوگی یا پھر ہمارے لئے لاسٹ چانس ہوگی''

گناہ اور ناپاکی

ایک بات یاد رکھنا کہ گناہ ناپاکی کی مانند ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ (التوبہ: ۲۸)

(مشرک نجس ہوتے ہیں)

اگر مشرک ستر دفعہ بھی غسل کر کے آئے تو وہ نجس ہی رہے گا۔ حالانکہ اس کے جسم سے نجاست کی بدبو نہیں بلکہ پرفیوم کی خوشبو آرہی ہوتی ہے......قرآن اس کو نجس کہہ رہا ہے......کیوں؟......اس لئے کہ شرک کو نجاست سے تعبیر فرمایا۔

بالکل اسی طرح جتنے بھی گناہ ہم کرتے ہیں ہر ہر گناہ نجاست کی مانند ہے۔ جس عضو سے بھی گناہ کرتے ہیں وہ عضو گناہ کرنے سے نجس ہو جاتا ہے۔ چونکہ یہ گناہ انسان کو ناپاک کر دیتے ہیں اس لئے اس ناپاک انسان کو اللہ رب العزت کی پاک ہستی کا وصل حاصل نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اگر ہم سو فیصد گناہوں سے سچی توبہ کریں گے تو ہمیں اللہ تعالیٰ کا وصل حاصل ہو سکے گا۔

یہ ختم قرآن کی محفل تھی اس عاجز نے بغیر کچھ تیاری کئے آپ کے سامنے بیان کر دیا۔ عاجز نے شروع میں نیت بھی یہی کی تھی کہ یا اللہ! جو باتیں مجمع کے لئے زیادہ فائدہ مند ہوں وہی کہلوا دیجئے۔ لہٰذا چند باتیں آپ کے سامنے پیش کر دیں ہیں ......اللہ رب العزت ہمیں قرآن مجید کا قاری بنا دے، قرآن مجید کا حافظ بنا دے، قرآن مجید کا عالم بنا دے، قرآن مجید کا عامل بنا دے، قرآن مجید کا داعی بنا دے، قرآن مجید کا ناشر بنا دے، قرآن مجید کا عاشق بنا دے، بلکہ قرآن مجید کو ہمارا اوڑھنا بچھونا بنا دے۔ (آمین بحرمۃ سید المرسلین)

اللہ رب العزت ہمیں سچی پکی توبہ کرنے کی توفیق عطا فرما دیں۔ (آمین)

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین۔

اشعار مراقبہ

بناؤں گا اپنے نفس سرکش کو اب تو یارب غلام تیرا
میں چھوڑ کر کاروبار سارے کروں گا ہر وقت کام تیرا
کیا کروں گا بس اب الٰہی میں ذکر ہی صبح و شام تیرا
جماؤں گا دل میں یاد تیری رٹوں گا دن رات نام تیرا
ہر دم کروں گا اے میرے باری اللہ اللہ اللہ اللہ
اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ

میں اے خدا دم بھروں گا تیرا بدن میں جب تک کہ جاں رہے گی
پڑھوں گا ہر وقت کلمہ تیرا دہن میں جب تک زباں رہے گی
کوئی رہے گا نہ ذکر لب پر تری ہی بس داستاں رہے گی
نہ شکوہ دوستاں رہے گا نہ غیبت دشمناں رہے گی
ہر دم کروں گا اے میرے باری اللہ اللہ اللہ اللہ
اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ

رہا میں دن رات غفلتوں میں عبث یونہی زندگی گزاری
کیا نہ کچھ کام آخرت کا کٹی گناہوں میں عمر ساری
بہت دنوں میں نے سرکشی کی مگر ہے اب سخت شرمساری
میں سر جھکاتا ہوں میرے مولا میں توبہ کرتا ہوں میرے باری
ہر دم کروں گا اے میرے باری اللہ اللہ اللہ اللہ
اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ

الا بذکرِ اللہِ تطمئنُ القُلُوب

سکون کی تلاش

یہ بیان یکم شوال ۱۴۲۲ھ مطابق ۱۵ دسمبر ۲۰۰۱ء (عید رات) کو مسجد نور لوسا کا (زیمبیا) میں اعتکاف کے بعد ہوا۔ مخاطبین میں معتکفین، علماء، صلحاء اور عوام الناس کی کثیر تعداد تھی۔

اقتباس

اللہ کے ذکر کے اندر ایک فنائیت ہے اور اسی فنائیت کے ذریعے انسان کے غم دور ہوتے ہیں جس سے اس کے دل کو سکون ملتا ہے اور وہ اللہ رب العزت کی محبت میں آگے بڑھتا رہتا ہے۔ اسی لئے ذکر کرنے کی بار بار تاکید کی جاتی ہے۔ اگر ہم اللہ کا ذکر کثرت اور باقاعدگی کے ساتھ کریں گے تو ہمیں دین اور دنیا دونوں میں فائدہ ہوگا۔ اب تو یہ بات سائنس سے بھی ثابت ہو چکی ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ذِكْرُ اللّٰهِ شِفَاءُ الْقُلُوْبِ (اللہ کی یاد دلوں کے لئے شفا ہے)

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

سکون کی تلاش

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا ۝ وَّسَبِّحُوْہُ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا ۝

(الاحزاب:۴۱_۴۲)

وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ مَقَامٍ اٰخَرَ ....

وَالذّٰکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّ الذّٰکِرٰتِ لا اَعَدَّ اللّٰہُ لَھُمْ مَّغْفِرَۃً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا ۝ (الاحزاب: ۳۵)

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ۝ وَ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ۝
وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

سکون قلب کا لاجواب نسخہ

کتنی تسکین وابستہ ہے ترے نام کے ساتھ
نیند کانٹوں پہ بھی آجاتی ہے آرام کے ساتھ

اللہ رب العزت کی یاد میں کچھ ایسا لطف اور مزہ ہے کہ انسان کی سب پریشانیاں دور ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں فرمادیا گیا:

اَلا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد:۲۸)

(جان لو کہ اللہ رب العزت کی یاد کے ساتھ دلوں کا اطمینان وابستہ ہے)

کسی شاعر نے اسی مضمون کو یوں بیان کیا:

نہ دنیا سے نہ دولت سے نہ گھر آباد کرنے سے
تسلی دل کو ہوتی ہے خدا کو یاد کرنے سے

دو لامحدود چیزیں

قرآن مجید کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ دو چیزیں ایسی ہیں جن کی کوئی حد نہیں۔ (۱) تقویٰ (۲) ذکراللہ

تقویٰ کی کوئی حد مقرر نہیں کی گئی۔ بس اتنا کہہ دیا کہ

فَاتَّقُوْا اللّٰہَ مَاسْتَطَعْتُمْ (التغابن:۱۶)

(پس تم تقویٰ اختیار کرو جتنی تمہارے اندر استطاعت ہے)

یعنی میدان کھلا ہے اس میں جتنا دوڑ سکتے ہو دوڑ کے دکھاؤ۔ انسان ساری عمر تقویٰ میں بڑھ سکتا ہے۔ اس کی کوئی حد نہیں ہے۔

اسی طرح ذکراللہ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا (الاحزاب: ۴۱)

(اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کثرت سے کرو)

اب اس ذکر کثیر کی یہ ہے تفسیر کہ

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ (آل عمران:۱۹۱)

(وہ بندے جو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے اللہ کو یاد کرتے ہیں)

انسان کی تین حالتیں ممکن ہیں۔ یا تو وہ کھڑا ہوگا، یا بیٹھا ہوگا یا لیٹا ہوگا۔ گویا

انسان کو ان تینوں حالتوں میں ذکر کرنے کا حکم دیا گیا۔ بالفاظ دیگر ہر حالت میں بندے کو ذکر کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس کی کوئی حد نہیں۔ انسان جتنا گڑ ڈالے گا اتنا ہی میٹھا ہوگا۔ ان دو چیزوں کے برعکس باقی تمام چیزوں کی حد مقرر کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر

......نماز کی حد مقرر ہے کہ پانچ فرض نمازیں پڑھنی ہیں۔

......روزے کی حد ہے کہ تیس روزے رکھنے ہیں۔

......زکوٰۃ کی حد ہے کہ اتنی دینی ہے۔

......حج کی حد ہے کہ زندگی میں ایک بار فرض ہے۔

امام اعظمؒ کی امام ابو یوسفؒ کو نصیحت

ذکر اللہ کی اتنی اہمیت ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے جب امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو جسٹس بنا کر بھیجا تو انہیں نصیحتیں فرمائیں۔ علماء جانتے ہیں کہ ''وصایا امام اعظم'' کے نام سے کتابیں بھی ملتی ہیں .... دیکھیں ایک آدمی کو چیف جسٹس کا عہدہ مل رہا ہے اور اس کا استاد اس کو نصیحتیں کر رہا ہے۔ ہدایت دیتے ہوئے چاہیے تو یہ تھا کہ وہ فرماتے کہ اصول فقہ کو سامنے رکھنا، قرآن و حدیث اور اجماع و قیاس پر نظر رہے..... لیکن امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو فرمایا:

''اے یعقوب☆! تم لوگوں میں بیٹھ کر کثرت کے ساتھ ذکر کرنا تاکہ لوگ تم سے سیکھ کر ذکر کریں''۔

معلوم ہوا کہ علم کا کوئی بھی میدان ہو، ذکر کے بغیر رنگ نہیں چڑھتا۔ جس طرح ذکر کرنے سے انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت آتی ہے اسی طرح ذاکرین کی

☆اصل نام یعقوب تھا اور کنیت ابو یوسف تھی۔

صحبت میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی محبت آتی ہے۔

مغربی دنیا سکون کی تلاش میں

1985ء کی بات ہے کہ ہمارے واشنگٹن کے دوستوں نے ایک محفل کا انتظام کیا جس میں انہوں نے دنیا کے بڑے پڑھے لکھے اور Talented (باصلاحیت) لوگوں کو خاص طور پر بلایا۔ کئی ایمبیسیڈرز تھے، کئی پی ایچ ڈی اور کئی میڈیکل ڈاکٹر تھے۔ اس عاجز نے ان کے سامنے انگریزی میں بیان کیا۔ اس کے بعد معمول کے مطابق ان کو مراقبہ کروایا اور پھر دعا کروا کے محفل ختم کر دی۔

دعا کے بعد ایک آدمی اس عاجز سے ملنے کے لئے آئے۔ ان کے ساتھ چار پانچ آدمی اور بھی آ گئے۔ ان کا تعارف کروایا گیا کہ یہ ایک مسلمان ڈاکٹر ہیں اور یہ ملک کے Top twenty significant doctors (بیس عظیم ڈاکٹروں) میں سے ایک ہارٹ سپیشلسٹ ہیں۔ بہر حال یہ سن کر خوشی ہوئی کہ یہ مسلمان ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو کسی نہ کسی شعبے میں عزت بخشی ہے۔

مختصر سے تعارف کے بعد وہ مجھ سے پوچھنے لگے کہ آپ نے تھوڑی دیر سر جھکا کر کیا کروایا ہے؟ میں نے کہا، مراقبہ۔ وہ کہنے لگے، آپ نے یہ کہاں سے سیکھا ہے؟ میں نے کہا، اپنے بڑوں سے۔ وہ پھر کہنے لگے، ایشیا سے سیکھا ہے یا یورپ سے؟ میں نے کہا، یہاں تو میں ابھی آیا ہوں، میں نے مراقبہ کرنا ایشیا سے ہی سیکھا ہے۔ وہ کہنے لگا، کیا اس کا تذکرہ کہیں ہے؟ میں نے کہا، بالکل ہے۔ یہ سن کر وہ تھوڑی دیر سوچتا رہا۔ بالآخر کہنے لگا کہ اسلام بڑا سچا دین ہے۔ ہم نے پوچھا، آپ کیسے کہہ رہے ہیں کہ اسلام بڑا سچا دین ہے، وجہ کیا بنی؟ اس کے جواب میں اس نے یہ تفصیل بتائی۔

وہ کہنے لگے، یہاں گولیاں کھا کر جو لوگ سوتے ہیں ان کی تعداد پچھلے چند سالوں میں بڑھ گئی تھی۔اس کے نتیجے میں گورنمنٹ کے سامنے ڈیمانڈ آئی کہ یا تو فیکٹریوں کی پروڈکشن بڑھانے کی اجازت دو یا کوئی ایسی صورت ہو کہ بندوں کو کھانی ہی نہ پڑیں۔ یہ سن کر ہمارے ''بڑے'' پریشان ہوئے کہ پوری قوم کو گولیاں کھا کر سونا پڑتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے پورے ملک سے ہارٹ سپیشلسٹ ڈاکٹروں کو اکٹھا کیا۔ میں بھی ان میں سے ایک تھا۔انہوں نے ان ڈاکٹروں کی ایک کمیٹی بنا دی اور کہا کہ اس بات پر ریسرچ کرو کہ لوگ پریشان کیوں ہوتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے ماحول میں وہ جو چاہتے ہیں کھاتے ہیں، جو چاہتے ہیں پیتے ہیں، جہاں چاہتے ہیں سوتے ہیں،کلبوں میں جاتے ہیں، ڈانس کرتے ہیں، ان پر کسی چیز کی پابندی ہے ہی نہیں، جب ان کی ہر خواہش پوری ہو جاتی ہے تو پھر یہ پریشان کیوں ہوتے ہیں۔

حکومت نے تمام ڈیپارٹمنٹس میں ایک آفس آرڈر کر دیا کہ یہ کمیٹی نیشنل لیول کا ایک کام کر رہی ہے اس کو جہاں بھی سپورٹ چاہیے ہوگی تمام ڈیپارٹمنٹس ان کو سپورٹ دیں۔ وہ ڈاکٹر صاحب کہنے لگے کہ ہمارے تو وارے نیارے ہو گئے۔ سپر کمپیوٹرز ہمارے اختیار میں تھے، جس ادارے سے بھی ہمیں Documents (دستاویزات) یا Research Paper (ریسرچ پیپر) چاہیے ہوتا تھا، ہمیں مل جاتا تھا، ہر لائبریری ہمارے سامنے تھی۔ ہر طرح کی سہولیات ہمیں میسر تھیں۔

ہم نے آپس میں سوچا کہ آخر بندہ پریشان کیوں ہوتا ہے؟ کسی نے کچھ کہا اور کسی نے کچھ۔کافی Discussion (بحث و تمحیص) کے بعد یہ فائنل ہوا کہ ہمیں سوچنا چاہیے کہ دماغ کا وہ کونسا حصہ ہے جس کے ساتھ خوشی اور غمی کا تعلق ہے۔خوش

بندے کے دماغ میں بھی کوئی چیز ہوگی اور پریشان بندے کے دماغ میں بھی۔ ان دونوں کے درمیان میڈیکلی کوئی فرق ہوگا۔ ہم نے کہا، اسی بات پر ریسرچ کرتے ہیں۔

ہم نے اس کا طریقہ یہ اپنایا کہ ہم نے خوش بندوں کو مشین میں بٹھا کر ان کی Brain scanning کی۔ ان کے Brain (دماغ) کا جتنا Data (مواد) تھا اس کو Digitise (ہندسی صورت) کر کے ہم نے کمپیوٹر میں Feed (داخل) کر دیا۔ اور جو پریشان تھے ان کو بھی اسی طرح Scan کیا اور Data کمپیوٹر میں Feed کر دیا۔ اور پھر ہم نے کمپیوٹر کو ایک پروگرام بنا کر دے دیا جس میں کہا کہ کچھ یہ بندے ہیں اور کچھ یہ بندے ہیں، ان کے دماغوں کا آپس میں تقابل کر کے بتاؤ کہ فرق کہاں پر ہے؟ جب کمپیوٹر کو ایسی Assignment (مشق) دی جائے تو وہ تو دماغ کے ایک ایک سیل کے اوپر جا کر فرق بتاتا ہے۔

وہ کہنے لگے کہ ہم نے کئی ہزار خوش بندوں کے اور کئی ہزار ڈپریشن والے بندوں کے ٹیسٹ لیے۔ بالآخر دو تین مہینے کی ورکنگ کے بعد سپر کمپیوٹر نے دماغ کے ایک سیل کو Encircle (نشان زدہ) کر دیا۔ گویا اس نے بتا دیا کہ اس سیل میں فرق ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اس سیل پر چارج ہوتا ہے تو بندہ Tension (بے چینی) محسوس کرتا ہے، اس کا موڈ آف ہو جاتا ہے، بات کرنے کو بھی جی نہیں چاہتا۔ اور ہم کہتے ہیں کہ دماغ گرم ہو گیا ہے۔ جب اس جگہ سے چارج ختم ہو جاتا ہے تو بندہ مزے میں ہوتا ہے، ہنس بھی رہا ہوتا ہے، ہنسا بھی رہا ہوتا ہے۔

ہم سوچنے لگے کہ یہ تو بہت بڑی ریسرچ ہو گئی کہ ہم نے اس سیل کو ڈھونڈ لیا

ہے۔ پھر ہم نے خیال کیا کہ اس کا کاؤنٹر ٹیسٹ لیتے ہیں۔ چنانچہ ہم نے سوچا کہ ہم ایسے بندے کو مشین میں بٹھاتے ہیں جو واقعی بڑی Tension (بے چینی) میں ہو اور مصنوعی طور پر مشین کے ذریعے اس کے اس سیل کے چارج کو ڈسچارج کر دیتے ہیں۔ جب اس کا وہ سیل ڈسچارج ہو جائے گا تو وہ بندہ خوش ہو جائے گا۔ چنانچہ وہ کہنے لگے کہ ہم نے ایسے ہی بندے کو مشین میں بٹھایا جو واقعی پریشان تھا اور ہم نے اس کے دماغ کے اس ٹشو سے چارج کو ختم کر دیا جس کی وجہ سے وہ مسکرانے لگا اور ہمارے ساتھ یوں باتیں کرنے لگا جیسے وہ پریشان ہی نہیں تھا۔ اس کے بعد ہم نے ایک بہت ہی خوش بندے کو مشین میں بٹھایا۔ ہم نے اس کے دماغ کے اس ٹشو میں مصنوعی طور پر چارج Inject (داخل) کر دیا۔ بس چارج Inject کرنا ہی تھا کہ اس کا پارہ ہی چڑھ گیا۔ وہ ہم سے ہی جھگڑنے لگ گیا۔

ہم نے اس طرح ہزاروں ٹیسٹ لے کر تسلی کر لی کہ اگر اس جگہ چارج ہو تو بندہ پریشان ہوتا ہے اور اگر اس جگہ سے چارج ختم ہو جائے تو بندہ خوش ہو جاتا ہے۔ ہم نے کہا کہ ہم نے ریسرچ کر کے خوشی غمی کا پتہ کر لیا ہے۔

وہ کہنے لگے کہ ہم نے حکومت کو رپورٹ پیش کر دی۔ جب پڑھنے والوں نے ہماری رپورٹ پڑھی تو انہوں نے کہا، Well done (شاباش) تم نے بہت اچھا کام کیا، لیکن ہم ساری قوم کو مشینوں میں تو نہیں بٹھا سکتے۔ آپ نے ابھی تک آدھا کام کیا ہے اور دوسرا آدھا کام یہ ہے کہ اب یہ سوچو کہ یہ چارج بغیر مشین میں بیٹھے کیسے ختم ہو سکتا ہے چنانچہ وہ کہنے لگے کہ یہ Second assignment مل گئی اور ہم یہ سوچنے میں لگ گئے کہ یہ چارج مشین میں بیٹھے بغیر کیسے ختم ہو سکتا ہے۔

اس مقصد کے حصول کے لئے پہلے بڑی Discussions (بحثیں)

ہوئیں۔ پھر ریسرچ ورک شروع کیا۔ بالآخر دل میں ایک بات آئی کہ ایک بندہ جو بڑا ہی غمزدہ ہوتا ہے، اگر اسے دو چار گھنٹے کی نیند آجائے تو نیند کے بعد جب وہ اٹھتا ہے تو اس کو پہلے جیسا غم نہیں ہوتا بلکہ طبیعت بحال ہو چکی ہوتی ہے۔ ہمارے ذہن میں سوال پیدا ہوا کہ دو چار گھنٹے کی نیند سے آخر کیا فرق پڑتا ہے؟ چنانچہ یہ معلوم کرنے کے لئے ایک پریشان بندے کو سونے سے پہلے بھی مشین میں بٹھایا اور ایک دو گھنٹے کی نیند کے بعد بھی مشین میں بٹھایا تو ہم نے یہ دیکھا کہ اس کے چارج کی Intensity (شدت) کم ہو چکی تھی۔ پہلے اس کی Intensity زیادہ تھی اور بعد میں کم ہوگئی۔ ہم نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ جلدی Decay (زائل) ہو جاتا ہے۔ جب بندہ سو جاتا ہے تو اس کا دماغ Off load (آف لوڈ) ہو جاتا ہے یعنی دماغ کا بوجھ اتر جاتا ہے۔ آف لوڈ ہونے کی وجہ سے چارج جلدی زائل ہو جاتا ہے۔

وہ کہنے لگے کہ ہمارے ذہن میں خیال آیا کہ اگر یہ چارج سو جانے سے جلدی Decay (زائل) ہو جاتا ہے تو کیوں نہ ہم کوئی ایسی Exercise (مشق) ڈھونڈیں جس سے یہ جلدی Decay (زائل) ہو جائے۔ چنانچہ ہم نے سوچا کہ ہم دماغ کو آف لوڈ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم نے کہا کہ ایک بندے کو بٹھا کر کہا جائے کہ وہ بالکل سوچنا چھوڑ دے۔ جب وہ سوچنا چھوڑ دے گا تو دماغ پر لوڈ کم ہو جائے گا۔ وہ کہنے لگے کہ جب ہم نے ایک پریشان بندے کو اس طرح بٹھایا تو آدھے پونے گھنٹے کے بعد اس کا چارج واقعی جلدی Decay (زائل) ہو گیا۔ اس طرح ہم نے کئی ٹیسٹ لئے۔ بالآخر ہم نے ارباب اقتدار کو آکر بتا دیا کہ جناب! یہ Exercise (مشق) کرنے سے بندے کی پریشانی جلدی ختم ہو جاتی ہے اور وہ

خوش ہو جاتا ہے۔

حکومت نے اس Exercise (ورزش) کا نام "Meditation" (مراقبہ) رکھا۔ اور حکم دے دیا کہ پورے ملک کے ہر شہر کے مختلف حصوں میں میڈیٹیشن کلب بنا دو۔ وہ کہنے لگے کہ اب تو ہر جگہ میڈیٹیشن کلب بنے ہوئے ہیں، لوگ اپنے دفتروں سے تھکے ماندے اور پریشان حال آتے ہیں اور وہ کلب کے اندر چلے جاتے ہیں۔ کلب کے اندر انسٹرکٹر موجود ہوتے ہیں۔ وہ ان کو کہتے ہیں، یہاں بیٹھ جائیے، ہر چیز کو بھول جائیے، بالکل سوچنا چھوڑ دیجئے۔ اس طرح کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اپنے آپ کو بہت ہی Light (ہلکا پھلکا) Feel (محسوس) کر رہے ہیں۔ اس طرح وہ سمجھتے ہیں کہ Tension (بے چینی) ختم ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب کہنے لگے کہ یہ Meditation (میڈیٹیشن) تو یہاں عام ہو چکی ہے۔ لیکن جو ریسرچ یہاں آج ہوتی ہے وہ پاکستان اور ہندوستان میں تو کہیں بیس سال کے بعد پہنچتی ہے، اسی لئے میں نے آپ سے سوال کیا تھا کہ آپ نے یہ میڈی ٹیشن کہاں سے سیکھ لی ہے۔

اب میں نے ان کو سمجھایا کہ بھئی! یہ میڈی ٹیشن نہیں بلکہ یہ تو اللہ کا ذکر ہے جس کا حکم قرآن مجید میں یوں آیا ہے:

وَ اذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ (الاعراف:۲۰۵)

(اور ذکر کر اپنے رب کا اپنے دل میں)

ہم نے مراقبہ کر کے تو قرآن مجید کی اس آیت پر عمل کیا ہے۔ خیر اس کی پھر بڑی تسلی ہوئی۔ وہ کہنے لگے کہ یہی وجہ ہے کہ میں نے کہا تھا کہ اسلام بڑا سچا دین

ہے کہ جس نے چودہ سو سال پہلے ہمیں بتا دیا تھا کہ اگر ہم ذکر قلبی کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہمارے دل کی تمام پریشانیوں کو دور فرما دیں گے۔ دنیا آج ریسرچ کرنے کے بعد جس نتیجے پر پہنچ رہی ہے ہمیں چودہ سو سال پہلے ویسے ہی بتا دیا گیا تھا۔

سویڈن میں ایک ماہر نفسیات کا اعتراف

اس واقعہ کے پانچ سال کے بعد 1990ء میں ایک اور واقعہ پیش آیا۔ اس وقت فقیر بھی کسی "Second largest industrial group of the country" (ملک کے دوسرے بڑے صنعتی گروپ) کے جنرل منیجرز کا ڈائریکٹر ٹیکنیکل تھا۔ سویڈن میں پلاننگ کے بارے میں ایک کورس ہوا۔ اس کورس کا نام Project Management (پراجیکٹ منیجمنٹ) تھا۔ کورس کی انتظامیہ نے مختلف ملکوں کے لوگوں کو Select (منتخب) کیا۔ عجیب بات یہ ہے کہ پورے ملک (پاکستان) سے اس عاجز کا نام Select (منتخب) ہو گیا، الحمد للہ کہ پھر ہم نے بھی Representation (نمائندگی) کی۔ اس کورس میں دنیا کے ۲۷ ملکوں کے لوگ شامل تھے۔ اس میں ہم نے چالیس دن کمپیوٹر پر کام کیا۔

اللہ کی شان دیکھئے کہ جب اس کورس کا امتحان ہوا تو یہ عاجز ان ۲۷ ملکوں کے لوگوں میں بھی Top (ٹاپ) کر گیا۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ میرے ساتھ والے بڑے اچھے تھے اور مجھ پر اتنے مہربان تھے کہ انہوں نے مجھے فرسٹ آنے کا موقع دے دیا۔

آخری دن ان لوگوں نے اپنے ملک کے سات ماہرین نفسیات کو بلایا۔ ان میں سے چار مرد اور تین عورتیں تھیں۔ یہ ان کے ملک کے چنے ہوئے لوگ تھے۔ انہوں نے لیکچر دینا تھا۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ آج کا عنوان "Human

Stresses" (انسانی پریشانیاں) ہے۔ وہ کہنے لگے کہ جس طرح ٹربائن کا روٹر بنا ہوتے ہوئے سٹریس آ جاتے ہیں اور پھر ان کو ریلیز کرنا پڑتا ہے اسی طرح سائنسی دنیا میں جو منیجر اور ڈائریکٹر ہوتے ہیں ان کے دماغ میں بھی ہر وقت سٹریس پڑ رہے ہوتے ہیں۔ بعض اوقات وہ چاہتے ہیں کہ کچھ کام ہو جائیں لیکن وہ نہیں ہو پاتے اور کبھی وہ چاہتے ہیں کہ کچھ کام نہ ہوں لیکن وہ ہو جاتے ہیں۔ اس کی وجہ سے ان کے ذہن پر ہر طرف سے Tension (بے چینی) ہو جاتی ہے۔ اگر اس Tension (بے چینی) کو ختم نہ کیا جائے تو اس بندے کی صحت پر برا اثر پڑتا ہے۔ اس لئے انہوں نے اس لیکچر کا نام Human Stresses (انسانی پریشانیاں) رکھا۔ میں نے دل میں سوچا کہ ہمارے لوگ اسی بات کو ان سادہ لفظوں میں بیان کر دیتے ہیں کہ

"پریشانیاں انسان کو بوڑھا کر دیتی ہیں"

لیکن وہ اسی بات کو سائنس کی زبان میں کھڑے سمجھا رہے تھے کہ پہلے Medically (طبی طور پر) یوں ہوتا ہے، پھر یوں ہوتا ہے، پھر بندے پر اثر پڑتا ہے اور پھر واقعی بندہ ٹھیک ہو جاتا ہے۔

جب انہوں نے اس بات کو Medically (طبی طور پر) ثابت کر لیا تو وہ کہنے لگے کہ آپ ۲۷ ملکوں کے لوگ ہیں، ہم آپ کو ایک Exercise (مشق) کروانا چاہتے ہیں۔ اس Exercise کے ذریعے آپ کی Tension (بے چینی) ختم ہو جایا کرے گی۔ یہ سن کر وہ بڑے خوش ہوئے اور کہنے لگے، جی ہاں آپ ہمیں ضرور Exercise کروائیں۔

انہوں نے ہمیں ایک ہال میں Circle (دائرے) کی شکل میں بٹھایا ہوا تھا۔ سامنے سٹیج پر وہ سب اپنا لیکچر دے رہے تھے۔ وہ کمپیوٹرز اور دوسرے سمعی بصری

معاونات کی مدد سے اپنی Documentaries (سائنسی فلمیں) دکھا رہے تھے۔ جب انہوں نے سارا کچھ دکھا دیا تو وہ کہنے لگے کہ اب ہم آپ کو وہ Exercise (ورزش) سکھانا چاہتے ہیں تا کہ آپ روزانہ اپنی Tension بھی ریلیز کر لیا کریں اور دوسروں کو بھی سکھائیں تا کہ ان کی Tension بھی ختم ہو سکے۔ ہم نے کہا، بہت اچھا، آپ ضرور سکھائیں۔

آپ حیران ہوں گے کہ انہوں نے کہا،

Shut the doors. (دروازے بند کردو)

ایک آدمی نے جا کر دروازے بند کر دیئے۔

Switch off the lights. (لائٹیں بجھادو)

چنانچہ لائٹ بھی بند کر دی گئی۔

Close the eyes. (آنکھیں بند کرلو)

ہم سب نے اپنی آنکھیں بند کرلیں

Bend your heads. (اپنے سروں کو جھکالو)

ہم نے سروں کو جھکالیا۔ پھر وہ کہنے لگا،

Forget everything. Feel relaxe.

(ہر چیز کو بھول جاؤ۔ سکون محسوس کرو)

ہم اسی طرح بیٹھے رہے اور وہ برابر یہی جملے کہتے رہے تھے:

Forget everything. Feel relaxe

Forget everything. Feel relaxe

پانچ سات منٹ کے بعد ان کے چیئر مین نے کہا،

"The exercise is over" (ورزش ختم ہوگئی ہے)

اب لائٹیں آن ہوگئیں اور دروازے کھول دیئے گئے۔

اس کے بعد ان میں سے ایک نے کہا کہ اب ہم آپ سے باری باری پوچھیں گے کہ آپ نے اس Exercise (ورزش) کو کیسے Feel (محسوس) کیا۔ چنانچہ انہوں نے پوچھنا شروع کر دیا۔

جرمنیکا کی ایک لڑکی نے کھڑے ہو کر کہا،

I am feeling elevated (میں ہلکا پھلکا محسوس کر رہی ہوں)

اس کے بعد انڈونیشیا کا ایک لڑکا کھڑا ہو کر کہنے لگا،

I am feeling satisfied ، I am feeling satisfied

(میں اطمینان محسوس کر رہا ہوں، میں اطمینان محسوس کر رہا ہوں)

اب ہم بھی درمیان میں بیٹھے تھے۔ جب انہوں نے ہم سے Comments (تاثرات) پوچھے تو ہم نے کہا کہ بات یہ ہے کہ آپ نے ہمیں جو کچھ کروایا ہے وہ تو ادھورا کام ہے، جبکہ ہم تو پورا کام روزانہ کرتے ہیں۔ اس نے کہا، آپ کا کیا مطلب ہے؟ میں نے کہا، آپ نے ہمیں کہا،

Forget everything. Forget everything

(ہر چیز کو بھول جاؤ، ہر چیز کو بھول جاؤ، ہر چیز کو بھول جاؤ)

یہ آدھا کام ہے۔ ہم اس کے علاوہ بھی کچھ کرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ

''ہر چیز کو بھول جاؤ اور اللہ کی یاد میں ڈوب جاؤ''

یہ جو Second half (دوسرا آدھا حصہ) ہے یہ تو آپ نے نہیں کروایا، جبکہ ہم تو یہ بھی کرتے ہیں۔ جب میں نے اس سے یہ بات کہی تو اس نے مجھ سے

پوچھا،

Are you Muslim? (کیا آپ مسلمان ہیں؟)

میں نے کہا،

Yes, I am. (ہاں میں مسلمان ہوں)

جب میں نے یہ کہا تو اس وقت اس نے انگلش کا ایک فقرہ بولا۔ میں نے وہ فقرہ ہو بہو یاد کرلیا، اب میں وہی فقرہ آپ کو سنا رہا ہوں۔ اس نے کہا،

You learnt it by wisdom one thousand and five hundred(1500) years ago but we have just learnt it by science.

(آپ نے اس عمل کو وحی کے ذریعے پندرہ سو سال پہلے سیکھ لیا تھا اور ہم نے اسے ابھی سائنس کے ذریعے سیکھا ہے)

اس نے یہ بات ۲۷ ملکوں کے لوگوں کے سامنے تسلیم کی ۔ میں نے کہا، الحمد للہ، یہ دین اسلام کتنا خوبصورت دین ہے کہ یہ لوگ Research (تحقیق) کر کے بالآخر وہاں پہنچتے ہیں جہاں ہمارے محبوب ﷺ نے تعلیم دی۔ سبحان اللہ، ایک عام بندہ جس کو دین کا کچھ پتہ نہیں اگر وہ بھی اللہ کی یاد میں بیٹھتا ہے تو وہ بھی اس کے فائدے حاصل کر رہا ہوتا ہے۔

میرے دوستو! نعمتیں ہمارے پاس ہیں اور لوگ ان سے دنیا کے فائدے ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔ لیکن جب مسلمانوں سے کہا جائے کہ اے خدا کے بندو! تم جو پریشان پھرتے ہو، تمہاری اس پریشانی کا علاج گولیاں کھانے میں نہیں بلکہ اللہ کی یاد میں ہے تو وہ اس طرف آتے ہی نہیں۔ بلکہ سچی بات یہ ہے کہ وہ اسے ایک

فالتو کام سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ذکر و مراقبہ کہاں سے آ گیا۔ وہ خود تو ساری دنیا کا ذکر کرتے پھرتے ہیں اور اگر ہم اللہ کا ذکر کریں تو یہ انہیں برا لگتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس بندے کو اللہ رب العزت سے محبت ہوتی ہے اس کو اس کا نام لینے میں مزہ آتا ہے۔

ہم رٹیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو
ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

اگر محبت الٰہی والی یہ کیفیت کسی کو نہ ملی ہو اور اللہ نے اس کو اس سے محروم رکھا ہو تو پھر ہم اس کے لئے کیا کر سکتے ہیں۔

ذکر الٰہی سے سکون ملنے کی وجہ

اللہ کے ذکر کے اندر ایک فنائیت ہے اور اسی فنائیت کے ذریعے انسان کے غم دور ہوتے ہیں جس سے اس کے دل کو سکون ملتا ہے اور وہ اللہ رب العزت کی محبت میں آگے بڑھتا رہتا ہے۔ اسی لئے ذکر کرنے کی بار بار تاکید کی جاتی ہے۔ اگر ہم اللہ کا ذکر کثرت اور باقاعدگی کے ساتھ کریں گے تو ہمیں دین اور دنیا دونوں میں فائدہ ہوگا۔ اب تو یہ بات سائنس سے بھی ثابت ہو چکی ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

ذِکْرُ اللّٰہِ شِفَاءُ الْقُلُوْبِ

(اللہ کی یاد دلوں کے لئے شفا ہے)

آپ ذرا لیٹے بیٹھے چلتے پھرتے ہر وقت اپنے دل میں اللہ رب العزت کی یاد رکھیں پھر اس کی برکتیں دیکھنا۔ ہمارے مشائخ جو ذکر کرواتے ہیں وہ ایسے ہی تسبیح نہیں پھرواتے اور نہ ہی عدد پورے کرواتے ہیں بلکہ اس نے سالک کا دل بدل رہا

ہوتا ہے۔ہم نے اس نسبت کی بہت زیادہ برکتیں دیکھی ہیں۔

میں آپ جیسا بننا چاہتا ہوں......!!!

ایک مرتبہ یہ عاجز کسی ائرپورٹ پر فلائٹ کے انتظار میں بیٹھا تھا۔ایک نوجوان سامنے سے گزرا۔وہ شراب پی رہا تھا۔ایک مرتبہ تو وہ سامنے سے گزر گیا۔تھوڑی سی دور جا کر وہ پھر لوٹا اور آ کر مجھے ہیلو ہائے کرنے کے بعد کہنے لگا،

I want to be like you. (میں آپ جیسا بننا چاہتا ہوں)

جب میں نے اسے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں شراب کی بوتل بھی ہے تو میں یہ سمجھا کہ اس کو یہ پگڑی اور لباس اچھا لگا ہوگا......ہم سے جب باہر ملک میں لوگ پوچھتے ہیں کہ آپ نے یہ لباس کیوں پہنا ہوا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ "کیوٹ" لباس ہے۔ان کافروں کو ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ سنت ہے کیونکہ کیا پتہ کہ وہ آگے سے کیا بکواس کر دیں۔اور کیوٹ والا ایسا لفظ ہے کہ جب ہم ان کو جواب میں یہ کہتے ہیں تو وہ آگے بول ہی نہیں سکتے۔

خیر جب اس نے کہا کہ میں آپ جیسا بننا چاہتا ہوں تو میں نے اس سے کہا،

Do you like this turban and this white dress?

(کیا آپ یہ پگڑی اور سفید لباس پسند کرتے ہیں؟)

وہ کہنے لگا،

No, I want to be like you because I am seeing some light on your face .

(نہیں، میں آپ کی طرح اس لئے بننا چاہتا ہوں کہ مجھے آپ کے چہرے پر نور نظر آرہا ہے)

جب اس نے یہ الفاظ کہے تو مجھے فوراً احساس ہوا کہ کیا پتہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلنے کا فیصلہ کرلیا ہو۔ چنانچہ میں نے اس سے کہا،

O brother! then you can be better than me

(اے بھائی! آپ تو مجھ سے بھی بہتر بن سکتے ہیں)

وہ کہنے لگا،

Are you sure? (کیا سچ مچ ایسا ہی ہے؟)

میں نے کہا، **Yes** (جی ہاں)

وہ کہنے لگا،

Ok, I am just comming. (ٹھیک ہے، میں ابھی آرہا ہوں)

وہ یہ کہہ کر سامنے واش روم میں چلا گیا۔ اس نے میرے دیکھتے ہی شراب کی بوتل پھینکی اور واش بیسن پر کلی کر کے چہرہ دھویا۔ وہ تازہ دم ہو کر دوبارہ میرے ساتھ والی کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔

وہ کہنے لگا،

Let me to introduce myself.?

(کیا میں آپ کو اپنا تعارف کراؤں؟)

میں نے کہا، جی ہاں کرائیں۔

اب اس نے اپنا تعارف کرایا کہ میرا یہ نام ہے اور میں نے ٹوکیو (جاپان) کی یونیورسٹی سے ایم ایس سی کمپیوٹر سائنسز کیا ہوا ہے اور میں اس وقت فلاں بڑی کمپنی کے اندر مینجر ہوں۔ اس نے پھر وہی بات دوہرائی کہ۔

I want to be like you. (میں آپ جیسا بننا چاہتا ہوں)

میں نے بھی کہا،

You can be better than me.

(آپ تو مجھ سے بھی بہتر بن سکتے ہیں)

وہ کہنے لگا، یہ کیسے ممکن ہے جبکہ میں نوجوان ہوں۔

میں نے کہا، تو کیا ہوا؟ نوجوان ہی تو بن سکتے ہیں۔

وہ کہنے لگا، نہیں، میں آپ کو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ میری **Personality** (شخصیت) کو بھی دیکھ رہے ہیں کہ میں کتنا خوبصورت ہوں، میرا **Status** (عہدہ) اور **Pay** (تنخواہ) بھی آپ کے سامنے ہے مجھے اس ملک میں ہر دن کہیں نہ کہیں سے گناہ کی دعوت ملتی ہے اور میں ''ان'' کا مہمان ہوتا ہوں۔ آج اِدھر عیاشی کر رہا ہوتا ہوں تو کل اُدھر، میرے گاہک نت نئے ہوتے ہیں، جب معاملہ یہاں تک پہنچ چکا ہے تو مجھے بتائیں کہ میں گناہ سے کیسے بچ سکتا ہوں۔

میں نے کہا، بھئی اگر آپ کے لئے گناہوں سے بچنا مشکل ہے تو اللہ تعالیٰ کے لئے تو آپ کو گناہوں سے بچا دینا آسان ہے۔

وہ کہنے لگا، ہاں، یہ تو ہے۔

میں نے کہا، ہم نے گناہوں سے بچنے کے لئے اپنے بڑوں سے ایک نسخہ سیکھا ہوا ہے، میں آپ کو وہ سکھا دیتا ہوں، پھر اس کی برکت خود دیکھنا۔

وہ کہنے لگا، جی بتائیں۔

میں نے اسی جگہ پر بیٹھے ہوئے اس آدمی کو بیعت کے کلمات پڑھائے اور اس کو مراقبہ کرنے کا طریقہ بتایا۔ اس نے کہیں اور جانا تھا اور میں نے کہیں اور۔ البتہ ہم نے ایڈریس ایکسچینج کر لیا۔

اللہ کی شان کہ تین ماہ کے بعد اس نوجوان نے انگلش میں خط لکھا۔ اس خط کو میں نے Preserve (محفوظ) کیا ہوا ہے۔ اس نے اس خط میں دو باتیں لکھی:

☆......پہلی بات یہ لکھی کہ ''میں پانچ وقت کی نماز تو پڑھتا ہی ہوں، کبھی کبھی مجھے تہجد کی نماز بھی مل جاتی ہے''۔

☆......دوسری بات یہ لکھی کہ ''میں اس بات پہ حیران ہوں کہ میں گناہوں کے سمندر میں رہتے ہوئے گناہوں سے بچا ہوا کیسے ہوں؟

میں نے اس کو جواب میں لکھا کہ

''ہمارے بڑوں کی دعائیں ہمارے گرد پہرہ دیا کرتی ہیں''۔

؎ دور بیٹھا کوئی تو دعائیں دیتا ہے
میں ڈوبتا ہوں سمندر اچھال دیتا ہے

ایک ایس پی کی باطنی اصلاح

ایک مرتبہ ملتان میں بیان کیا۔ کچھ لوگ بیعت ہوئے۔ ایک آدمی کو میں نے دیکھا کہ وہ دوسرے آدمی کو کہہ رہا تھا، بیعت ہو جاؤ، بیعت ہو جاؤ۔ لیکن وہ بیعت ہونے کے لئے تیار نہیں ہو رہے تھے۔ جب میں نے یہ دیکھا تو میں نے ان سے کہا کہ آپ ان کو مجبور کیوں کرتے ہیں، یہ تو خوشی کا سودا ہے، جس کا جی چاہے گا وہ بیعت ہو جائے گا۔ اب وہ بندہ جس کو وہ مجبور کر رہا تھا وہ ذرا آگے بڑھ کر کہنے لگا، حضرت! بات یہ ہے کہ میں اس علاقے کا سپرنٹنڈنٹ پولیس (S.P.) ہوں اور یہ میرے بڑے بھائی ہیں، انہوں نے آپ سے بیعت کی ہوئی ہے اور اب مجھے بھی مجبور کر رہے ہیں کہ آپ بھی بیعت ہو جائیں۔ چونکہ میں پولیس کے محکمے میں ہوں اس لئے میرا کھانا بھی حرام، میرا پینا بھی حرام اور میرا پہننا بھی حرام، حتیٰ کہ آپ جو

گناہ سوچ سکتے ہیں وہ گناہ میں نے کیے ہوئے ہیں، اس لیے بیعت کرنے سے میری کونسی اصلاح ہوگی۔

میں نے کہا، بھلے آپ کی زندگی جیسی بھی ہے، بیعت ہونے کی اپنی برکتیں ہیں۔آپ نے بدعملیوں کی ظلمت کو دیکھا ہے اور ہم نے اس عمل (بیعت) کے نور کو دیکھا ہے، آپ ذرا آزمالیں کہ کچھ ہوتا بھی ہے یا نہیں ہوتا۔ اس نے کہا، اچھا، جی بیعت کرلیتا ہوں۔ عاجز نے اسے بھی بیعت کیا اور اس کے دل پر بھی انگلی رکھ کر اللہ اللہ کی ضرب لگا دی۔

چار پانچ ماہ کے بعد پھر اسی شہر میں پروگرام کے سلسلہ میں جانا ہوا۔ اللہ کی شان کہ عصر کی نماز کے بعد جب یہ عاجز کھڑا ہوا تو کسی آدمی نے پیچھے سے آکر ''جپھی'' ڈالی۔ میں بڑا حیران ہوا کہ میری تو کسی سے ایسی **Frankness** (بے تکلفی) نہیں ہے کہ کوئی آکر پیچھے سے یوں ''جپھی'' ڈالے۔تھوڑی دیر کے بعد اس نے چھوڑا۔ جب میں نے اس کی طرف دیکھا تو مجھے وہ سپرنٹنڈنٹ پولیس نظر آئے۔ اس کی مسنون داڑھی تھی۔ میں نے دیکھ کر کہا، او سپرنٹنڈنٹ صاحب! کیا حال ہیں؟ کہنے لگا،

''حضرت! وہ سپرنٹنڈنٹ تو اسی دن مر گیا تھا بس آپ کا غلام زندہ ہے''۔

اس کے بعد اس نے بھرے مجمع میں کہا،

''حضرت! میری لائف اتنی بدل گئی ہے کہ میں تہجد کی نماز گھر میں پڑھتا ہوں اور اس مسجد میں آکر فجر کی اذان دیتا ہوں''

ایک ایم این اے پر نسبت کی برکات

بھانیاں منڈی میں ہمارا ایک مدرسہ ''جامعہ رحمانیہ'' ہے۔ وہاں کے مہتمم، ناظم

اور اساتذہ سلسلہ عالیہ میں بیعت ہیں۔ اس تعلق کی بنا پر اسے ہم اپنا مدرسہ کہتے ہیں۔ اس جامعہ میں بخاری شریف کے افتتاح یا اختتام پر اس عاجز کو لازمی جانا پڑتا ہے کیونکہ علماء کی محفل ہوتی ہے۔

ایک مرتبہ اختتام بخاری شریف کی محفل میں شمولیت کے لئے انہوں نے عاجز کو شرکت کا حکم دیا۔ اس عاجز نے حکم کی تعمیل کی۔ جب بیان سے فارغ ہوئے تو حاجی عزیز الرحمٰن صاحب میرے پاس آئے اور انہوں نے کہا، حضرت! میرا ایک فرسٹ کزن ہے اور وہ ایم این اے (ممبر نیشنل اسمبلی) ہے۔ وہ ایک بڑا ہی اچھا انسان ہے۔ اس نے لندن سے تعلیم حاصل کی اور وہ وہیں کے رنگ میں رنگ گیا۔ وہ اس وقت کروڑوں پتی انسان ہے۔ اس نے یہاں بھی اپنی وہی لائف رکھی جو وہاں تھی۔ اس کی اتنی زیادہ جائیداد ہے کہ اس کی زمین بکی اور پورا شہر آباد ہوا۔

انہوں نے کہا کہ وہ پچھلے ۳۵ سالوں سے متواتر ایم این اے بن رہا ہے۔ ایک گورنمنٹ آئے تو بھی وہ ایم این اے بن جاتا ہے اور دوسری گورنمنٹ آئے تب بھی وہ ایم این اے بن جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سارا سال وہاں کے لوگوں کے کام کرتا ہے۔ چونکہ اس کو پیسے کا لالچ نہیں ہے اس لئے وہ بے لوث ہو کر غریبوں کے کام کرتا ہے اور ان کی پریشانیوں میں ان کا ساتھ دیتا ہے۔ اس لئے لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو اسی کو ووٹ دیں گے۔ بلکہ وہ اپنے حلقے میں اتنا مقبول اور ہر دلعزیز ہے کہ اگر وہ اپنی جگہ کسی کھمبے کو بھی کھڑا کر دے تو لوگ اس کھمبے کو بھی ووٹ دے کر ایم این اے بنا دیں گے۔ وہ اپنے حلقہ میں اتنا مقبول اور ہر دلعزیز ہے۔ شہر کے ڈپٹی کمشنر، اسسٹنٹ کمشنر، ایس ایچ او اور دیگر افسران اس کے ساتھ اچھی Equation بنا کر رکھتے ہیں کیونکہ ان کو پتہ ہوتا ہے کہ اس نے تو پھر ایم این اے

بن جاتا ہے، اگر ہم اس سے بگاڑیں گے تو یہ ہمیں یہاں سے اکھاڑ کر کسی اور صوبے میں بھجوا دے گا اور ہم خواہ مخواہ مصیبت میں پڑ جائیں گے۔

اس کا کام یہ ہے کہ وہ سارا دن اپنے ڈرائنگ روم میں بیٹھا رہتا ہے، غریب آرہے ہوتے ہیں اور وہ ان کی پریشانیاں دور کرنے میں مدد کر رہا ہوتا ہے، کسی کو نوکری دلواتا ہے، اور کسی کی بیٹی کی شادی کا مسئلہ ہو تو اس کو پیسے دے دیتا ہے۔ اس طرح وہ سارا دن لوگوں کے کام سنوارتا رہتا ہے۔ اس لحاظ سے لوگ اس سے بہت خوش ہیں۔ لیکن اس کی زندگی کا ایک افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ اس کا رجحان دین کی طرف اتنا زیادہ نہیں ہے۔ بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ وہ عید پڑھنے کے لئے بھی مشکل سے ہی آتا ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ وہ دین کے قریب آجائے۔ میں نے کہا، بہت اچھا۔ وہ کہنے لگے، جی پھر کیا کرنا چاہیے۔ میں نے کہا، اب تو گاڑی میں سامان رکھ دیا گیا ہے اور میں جا رہا ہوں۔ آپ اتنا کام کرنا کہ ان کے پاس چلے جانا اور جا کر یہ کہنا کہ میرے پیر صاحب نے آپ کو سلام دیا ہے۔ بس اتنا ہی کافی ہے۔

میں تو یہ بات بھول ہی گیا تھا، لیکن اللہ کی شان دیکھئے کہ جب اگلے سال پھر بخاری شریف کے اختتام کے موقع پر وہاں پہنچے تو حاجی عزیز الرحمٰن صاحب خوشی خوشی میرے پاس آئے اور کہنے لگے، حضرت! میں نے اپنے کزن کو پچھلے سال آپ کا سلام دیا تھا، کچھ دیر تو وہ سوچتا رہا اور بعد میں کہنے لگا کہ جب آپ کے پیر صاحب آئیں تو میری ملاقات کروانا، اس لئے میں اب ان کو آپ کی ملاقات کروانا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا، اچھا آپ اس کے پاس جائیں اور اس سے کہیں کہ ہمارے بڑوں نے کہا ہے:

بئس الفقير على باب الامير ونعم الامير على باب الفقير

(فقیروں میں سے سب سے برا فقیر وہ ہوتا ہے جو کسی امیر کے دروازے پر چل کر جائے اور امیروں میں سے بہترین امیر وہ ہوتا ہے جو کسی فقیر کے دروازے پر چل کر جائے)

اس لئے اس فرمان کے مصداق اگر میں تمہارے پاس چل کے آؤں گا تو بئس الفقیر بن جاؤں گا اور اگر آپ ملنے آئیں گے تو نعم الامیر بن جائیں گے، اب بتائیں کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟

اس کے بعد حاجی صاحب ان کے پاس چلے گئے۔ جب انہوں نے ان سے بات کی تو اللہ کی شان دیکھئے کہ اس نے اپنی پجارو گاڑی نکالی اور جس مدرسہ میں ہم بیٹھے ہوئے تھے وہ ایم این اے صاحب وہاں پہنچ گئے۔ جب وہ آ کر چٹائی پر بیٹھ گئے تو لوگ بڑے حیران ہوئے کہ وہ بندہ جو پوری زندگی کبھی مدرسہ میں آیا نہیں تھا وہ بھی آ کر چٹائی پر بیٹھا ہوا ہے۔ سلام کرنے کے بعد وہ کہنے لگے کہ میں آپ سے علیحدگی میں بات کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ اس عاجز نے دوسرے حضرات کو باہر بھیج کر دروازہ بند کر دیا۔

دروازہ بند کرنے کے بعد انہوں نے حال احوال پوچھے۔ اس کے بعد عاجز نے توبہ کے عنوان پر چند آیات اور احادیث جو اللہ تعالیٰ نے دل میں ڈالیں ان کے سامنے بیان کیں۔ سننے کے بعد انہوں نے یہ کہا کہ حضرت! توبہ تو وہ کرے جس کے کچھ گناہ ہوں اور کچھ نیکیاں، اور جس کے گناہ ہی گناہ ہوں، اس نے کبھی نیکی کی ہی نہ ہو، وہ کیسے توبہ کرے، مجھے تو یاد ہی نہیں پڑتا کہ میں نے کبھی نماز بھی پڑھی ہوگی، میرا دماغ یورپ میں جا کر ایسا خراب ہوا کہ مجھے وہاں ''پینے پلانے'' کی عادت پڑ گئی جس کی وجہ سے میں اپنے آپ میں مست ہوتا ہوں، میں اس عادت کو چھوڑ بھی

نہیں سکتا۔ کیا میرے جیسا بندہ بھی بدل سکتا ہے؟ میں نے کہا، ہاں، بدل سکتا ہے۔ وہ کہنے لگے، جی میرے پاس تو نیک اعمال نہیں ہیں۔ میں نے کہا، نہیں نہیں، آپ کے بہت سے نیک اعمال ہیں۔ جب میں نے کہا کہ آپ کے بھی نیک اعمال بہت سے ہیں تو وہ حیران ہونے لگے۔ میں نے ان کی یہ کیفیت دیکھ کر کہا کہ آپ نماز نہیں پڑھتے نا۔ کہنے لگے، ہاں۔ میں نے کہا، مسجد میں بھی نہیں جاتے؟ وہ کہنے لگے، ہاں۔ میں نے کہا کہ یہ گناہ ہی ہے جو آپ کرتے ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ آپ نیکیاں بھی کرتے ہیں مثلاً جب کوئی دکھی آتا ہے تو کیا آپ اس کے ساتھ ہمدردی کرتے ہیں؟ کہنے لگے، ہاں۔ میں نے پوچھا، کیا آپ غریبوں پر رحم کھاتے ہیں؟ کہنے لگے، ہاں۔ جو لوگ مشکل میں پھنسے ہوئے ہوتے ہیں کیا ان کی مشکل دور کرنے کے لئے مدد کرتے ہیں؟ وہ کہنے لگے، جی ہاں میں تو ایسے کام بہت زیادہ کرتا ہوں۔ میں نے کہا، یہ سب خیر خواہی کے کام ہیں نیکی کے کام ہیں، اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نامہء اعمال کے ذخیرہ میں نیکیاں بھی بہت زیادہ لکھی ہوئی ہیں۔ اب ان کو بھی تسلی ہوگئی کہ میں جو سارا دن فلاحی کام کرتا ہوں یہ بھی نیکی کے ہی کام ہیں۔

اس کے بعد میں نے انہیں سمجھایا کہ دوسروں کے کام آنا تو اللہ رب العزت کے ہاں بڑے اجر والا کام ہے۔ وہ یہ سن کر کہنے لگے کہ اب میں کیا کروں؟ میں نے کہا کہ میں آپ کو کچھ کلمات پڑھا دیتا ہوں ان کی برکت سے تمہارے پچھلے گناہوں کی فائل بند ہو جائے گی اور ایک نئی فائل شروع ہو جائے گی۔ اس کو بات سمجھ آ گئی۔ چنانچہ کہنے لگے، جی ٹھیک ہے۔ میں نے ان کو بیعت کے کلمات پڑھا دیئے، پھر مراقبہ کروا کر رخصت کر دیا۔

بعد میں حاجی صاحب نے باقی یہ واقعہ سنایا کہ جب یہ صاحب اپنے گھر گئے تو اپنی بیوی سے کہا کہ گھر میں شراب کی جتنی بوتلیں پڑی ہیں سب توڑ دو۔ اس نے سب بوتلیں توڑ دیں...... پہلے دور میں شرابی کو شراب سے توبہ کروانا ولایت کبریٰ کے مقام کے بزرگوں کا کام ہوتا تھا اور اللہ کی رحمت دیکھئے کہ اس دور میں ہم جیسے کو اللہ تعالیٰ سبب بنا رہے ہیں۔ اس کی رحمت کتنی عام ہے...... انہوں نے اپنی بیوی سے کہہ دیا کہ میری پہلی سوسائٹی کے لوگ اب ہمارے گھر نہیں آئیں گے۔ پھر کہنے لگے کہ اب نماز بھی پڑھوں گا اور نیکی کے دوسرے کام بھی کروں گا۔ اس نے کہا، میں اور کیا چاہتی ہوں، اگر آپ کی زندگی ایسی ہو جائے تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔ بیوی یہ سب دیکھ کر حیران ہوتی جا رہی تھی کہ اس کو اچانک کیا ہو گیا ہے۔

خیر' انہوں نے ابھی ایک آدھ ہی نماز پڑھی ہوگی کہ انہوں نے ٹی وی میں خبریں سنیں کہ آجکل حاجیوں کے قافلے حج کے لئے جا رہے ہیں۔ خبریں سن کر انہوں نے بیوی سے کہا کہ میں درجنوں دفعہ امریکہ اور یورپ ہو آیا ہوں لیکن آج تک مجھے عمرہ یا حج کے لئے جانے کی توفیق نہیں ملی جبکہ حج کرنا تو مجھ پر فرض ہے، اس لئے میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں بھی حج کروں۔ بیوی نے کہا، ضرور کریں۔ چنانچہ انہوں نے وہیں بیٹھے بیٹھے Minister of religious affairs (مذہبی امور کے وزیر) کو فون کیا کہ میں حج پر جانا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا۔ جناب ایم این اے صاحب! آپ کل ہی آ جائیے، ہم آپ کو سپیشل سیٹ پر بھجوا دیں گے، اس میں تو کوئی مسئلہ ہی نہیں، آپ تو مسلسل ۳۵ سالوں سے ایم این اے بن رہے ہیں، اس وجہ سے آپ کی اپنی ایک حیثیت ہے، آپ جس وقت بھی تشریف لائیں گے ہم اسی وقت آپ کو بھجوا دیں گے۔

وہ ایک سوٹ کیس لے کر وہاں پہنچ گئے ......اب ہوا یہ کہ دفتر والے جب حاجیوں کے گروپ تشکیل دیتے ہیں تو ان میں سے کسی مجبوری کی بنا پر کبھی کبھی کچھ سیٹیں خالی ہو جاتی ہیں مثلاً کوئی بیماری کی وجہ سے نہ جا سکے یا فوت ہونے کی وجہ سے کوئی سیٹ خالی ہو جائے.......انہوں نے ان کو ایسی ہی ایک سیٹ پر ایڈجسٹ کر کے گروپ لیڈر بنا کر بھیج دیا۔

اللہ کی شان دیکھئے کہ انہوں نے حج کے دوران اپنے گروپ کے لوگوں کی خوب خدمت کی۔ وہ کھانا بھی لے کر آتے اور دستر خوان بھی ان کے سامنے لگاتے تھے۔لوگ کہتے تھے کہ ہم حیران ہوتے تھے کہ یہ وہی شہزادہ تھا جو کسی کی بات تک نہیں سنتا تھا اب اس قدر بچھا بچھا جاتا ہے۔خیر حج مکمل کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں ریش والی سنت اپنانے کی بھی توفیق عطا فرما دی۔

حج سے واپس آنے کے بعد جب شہر کے علما کو پتہ چلا کہ اب وہ واپس آ چکے ہیں تو انہوں نے آپس میں سوچا کہ پہلے تو ہماری ان سے بنتی نہیں تھی، لیکن چونکہ اب یہ نیک بن چکے ہیں اس لئے ہمارا یہ حق بنتا ہے کہ ہم سب جا کر ان کو مبارکباد دیں۔ چنانچہ انہوں نے طے کر لیا کہ ہم بیس پچیس علما عصر کے بعد جا کر ان کو مبارکباد دیں گے۔

ادھر وہ عصر کی نماز پڑھ کر گھر آئے، سر پر ٹوپی تھی، ہاتھ میں تسبیح تھی جو مدینہ منورہ سے لائے تھے۔ہم نے گھنٹی بجائی تو انہوں نے آدمی کو بھیجا کہ پتہ کرو کہ باہر کون ہے۔اس نے آکر بتایا، جی شہر کے علماء آئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ان کو گیسٹ روم (مہمان خانہ) میں بٹھاؤ۔ وہ بیٹھ گئے۔ جب وہ علماء کے پاس پہنچے تو سب سے ملے...... یہ پہلا موقع تھا کہ وہ شہر کے علما سے گلے مل رہا تھا..... ملنے

کے بعد ان سے کہنے لگے کہ آپ تشریف رکھیں، میں ابھی آپ کے لئے آبِ زم زم اور کھجوریں لاتا ہوں اور آپ کو میں حج کی باتیں سناتا ہوں۔ علما نے ان کے چہرے پر داڑھی، سر پر ٹوپی اور ہاتھ میں تسبیح دیکھی تو بڑے خوش ہوئے کہ اللہ کی شان کہ یہ وقت بھی اس کی زندگی میں آنا تھا۔

اندر گئے اور بیوی سے کہا کہ شہر کے علماء آئے ہیں، آپ ان کے لئے زم زم اور کھجوریں دیں اور میں اپنی تسبیح پوری کرلوں۔ وہ زم زم اور کھجوریں لینے کے لئے اندر گئی اور وہ اپنی تسبیح پوری کرنے لگے۔ جب وہ اندر سے زم زم اور کھجوریں لے کر واپس ان کے پاس آئی تو دیکھا کہ وہ اللہ کو پیارے ہو چکے تھے۔ اللہ اکبر......!!!

جب انہیں موت آئی تو

......حج کر کے آئے تھے،

...... چہرے پر سنت کا نور تھا،

......سر پر ٹوپی تھی،

...... ہاتھ میں تسبیح تھی،

......نماز پڑھ کر بیٹھے تھے،

...... باوضو تھے، اور

......دل میں علمائے کرام کو ہدیہ دینے کی نیت تھی۔

یہ کیا چیز تھی؟ یہ نسبت کی برکت تھی۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ ذکر والے کیا کرتے رہتے ہیں ان بیچاروں کو اصل میں حقیقت کا پتہ ہی نہیں ہوتا۔ عام دستور ہے کہ الناس اعداء لما جهلوا

(لوگوں کو جس چیز کا پتہ نہیں ہوتا وہ اس کے دشمن بن جاتے ہیں)

یہی وجہ ہے کہ ذکر کرنے والوں پر بھی اعتراض کیا جاتا ہے۔

سلسلہ نقشبندیہ کی وجہ تسمیہ

ہمارے مشائخ بیعت ہونے والے سالک کے قلب پر انگلی رکھ کر اللہ اللہ کی ضرب لگاتے ہیں۔ میں نے ایک مرتبہ بخارا کے علماء سے پوچھا کہ مشائخ قلب کے اوپر انگلی رکھ کر جو اللہ اللہ کی ضرب لگاتے ہیں یہ کیا معاملہ ہوتا ہے؟ انہوں نے کہا، جی آپ کو پتہ ہے کہ خواجہ بہاؤ الدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اصل نام ''بہاؤ الدین'' تھا، لیکن نقشبند کے نام سے مشہور ہو گئے، ہمارا سلسلہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے چلا تو شروع شروع میں ''صدیقیہ سلسلہ'' کہلاتا تھا، پھر خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد بعض جگہوں پر اس کا نام ''طیفوریہ سلسلہ'' پڑ گیا لیکن نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں اس کا نام ''نقشبندیہ سلسلہ'' پڑ گیا، یہ نام زیادہ مشہور ہو گیا۔ حتٰی کہ جس سے پوچھتے کہ اصلاحی تعلق کہاں ہے تو جواب ملتا نقشبند سے۔ اس طرح اس سلسلہ کا نام ''نقشبندیہ'' ہی مشہور ہو گیا۔ جیسے لوگ اپنے آپ کو علوی کہنا شروع کر دیتے ہیں تو وہ نسباً علوی مشہور ہو جاتے ہیں، حتی کہ یہی نام پہچان کا درجہ اختیار کر لیتا ہے۔ بخاری شریف میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے راویوں کے نام لکھے اور ساتھ عَلَوِیًّا، عُثْمَانِیًّا بھی لکھا۔ جب بخاری شریف میں بھی علوی اور عثمانی نسبت کا ثبوت ملتا ہے تو معلوم ہوا کہ پہچان کے لئے ایسا لفظ استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم نقشبندی ہیں تو اس ایک لفظ سے پتہ چل جاتا ہے کہ ان کا کن بزرگوں کے ساتھ تعلق ہے...... کہنے لگے، آپ اپنے ہاتھ کی انگلیاں دیکھئے، یہ ہاتھ کی انگلیاں ''اللہ'' کے لفظ کی شکل بن رہی ہیں۔ خواجہ بہاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ بھی انگلیوں سے ''اللہ'' کے نام کی شکل بناتے تھے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے

ان کو جو روحانی طاقت دی تھی، اس روحانی طاقت کے ساتھ بندے کے قلب پر انگلی رکھ کر ''اللہ'' کا لفظ کہتے تھے،

كان ينقش اسم الله على قلوب السالكين

(وہ سالکین کہ دلوں پر اللہ کا نام نقش کر دیا کرتے تھے)

واقعی سالکین کو یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے انہوں نے ان کے دلوں پر اللہ کا نام نقش کر دیا ہو۔ وہ چونکہ اللہ کے نام کا نقش سالکین کے دلوں میں پر نقش کر دیتے تھے اس لئے وہ نقشبند کے نام سے مشہور ہو گئے۔

قلب پر انگلی لگنے کا فائدہ عالم نزع میں

حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ عجیب بات ارشاد فرمائی۔ فرمایا کہ حضرت خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ

''جس قلب پر یہ انگلی لگ گئی اس کو کلمے کے بغیر موت نہیں آ سکتی''۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس وقت بڑے ہی خوشگوار موڈ میں تھے، عاجز بھی اس وقت خدمت میں تھا، اس لئے موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے میں نے عرض کیا، حضرت! یہ تو بڑی Strong statement ہے۔ جب میں نے اتنی بات کہی تو حضرت میرا مقصد سمجھ گئے۔ چنانچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں تمہیں بات سمجھاتا ہوں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب شیخ قلب پر انگلی رکھ کر اللہ اللہ کی ضرب لگاتا ہے تو ایک نور اس بندے کے قلب کے اندر آ جاتا ہے۔ اس کے بعد اگر اس کا تعلق شیخ کے ساتھ نہ بھی رہے، اس نے معمولات نہ بھی کیے اور اسی طرح غفلت کی زندگی گزارتا رہا تو بھی موت کے وقت جب بالکل آخری وقت آنے لگتا ہے تو اس وقت ایک لمحہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب اس آدمی کی آنکھوں کے سامنے آخرت کے

مناظر بھی کھلنے لگتے ہیں اور دنیا بھی اس کے سامنے ہوتی ہے۔ آہستہ آہستہ دنیاوی چیزیں اوجھل ہو رہی ہوتی ہیں اور آخرت کے مناظر سامنے آ رہے ہوتے ہیں مگر ایک لمحہ ایسا بھی ہوتا ہے جب آخرت کا منظر بھی آ جاتا ہے اور دنیا کے بھی اثرات ابھی موجود ہوتے ہیں۔ یہ ایک ایسا لمحہ ہوتا ہے کہ ادھر تو موت کے مناظر کھل کر سامنے آ چکے ہوتے ہیں اور ادھر ابھی کچھ یاد باقی ہوتی ہے، عین اس وقت جبکہ وہ بندہ جس نے کسی شیخ سے اللہ اللہ کی ضرب لگوائی تھی، جب وہ باوجود غفلت کی زندگی وہ اس لمحے کو پہنچتا ہے تو بزرگوں کے اللہ اللہ کہنے کا نور واضح ہو جاتا ہے اور اس نور کی برکت سے اللہ تعالیٰ اسے کلمے پر موت عطا فرما دیتے ہیں۔

زندگیوں کے بدلنے کا سلسلہ

اس لئے جو معمولات آپ کو بتائے جاتے ہیں ان کو آپ باقاعدگی کے ساتھ کریں اور خود اس کی برکات دیکھیں۔ ڈاکٹر کو تو یہ کہنے کی ضرورت پیش نہیں آتی کہ تم ٹھیک ہو رہے ہو، یہ تو مریض خود بتاتا ہے کہ اب میں ٹھیک ہو رہا ہوں۔ ہمارے مشائخ کا بھی یہی طریقہ ہے، وہ خود کچھ نہیں کہتے ہیں بلکہ منسلک ہونے والے خود بتاتے ہیں کہ اب میری زندگی میں تبدیلی آ رہی ہے، میں اپنے آپ کو پہلے سے زیادہ اچھا محسوس کرتا ہوں، میرے اندر اب نیکی کا شوق زیادہ ہے اور میں فلاں فلاں گناہ چھوڑ چکا ہوں۔ اس لئے خانقاہوں میں مشائخ جو اللہ اللہ کرواتے ہیں اس کے بارے میں یہ ذہن میں نہ رکھیں کہ یہ تسبیح پڑھواتے ہیں اور عدد پورے کرواتے ہیں، نہیں، ظاہراً تو عدد پورے ہوتے نظر آ رہے ہوتے ہیں جبکہ حقیقت میں زندگیوں کے بدلنے کا سلسلہ چل رہا ہوتا ہے۔ رہی بات یہ کہ جی بہت سی خانقاہوں پر آجکل رسمی پیری مریدی کا سلسلہ چل رہا ہے تو پھر یہ تو ہر شعبے میں ہی ہے۔ پہلے

زمانے میں جیسے عالم تھے کیا آجکل کے دور میں ان جیسے عالم ملتے ہیں؟ کوئی کوئی کہیں کہیں ملتا ہے، اسی طرح پہلے زمانے میں جیسے مشائخ تھے ویسے ہر جگہ تھوڑا ملیں گے۔ یہ قحط الرحال کا دور ہے۔ بہت کم ایسے بندے ہوں گے جو شریعت کو سامنے رکھتے ہوئے زندگی گزار رہے ہوں گے۔ اس لئے ہمیں چاہیے کہ ہم متبع شریعت وسنت مشائخ کے ساتھ خود بھی منسلک ہوں اور اپنی اولادوں کو بھی منسلک کریں۔

اصلاحی تعلق کی برکت

یہ عاجز آپ سے ایک بات کہہ دینا چاہتا ہے، آپ تجربہ کر کے دیکھ لیجئے کہ آپ کی اولاد میں سے جو بچہ سب سے زیادہ نافرمان ہے آپ اس کو کسی صاحب نسبت شیخ سے بیعت کروا دیجئے، اگر نسبت پکی ہوئی تو اس کی زندگی میں یقیناً تبدیلی آئے گی۔ یہ کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔ الحمد للہ یہ نسخہ ہزاروں پر آزمایا ہوا ہے۔ ہمارے مشائخ جو توبہ کے کلمات پڑھاتے ہیں ان کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ انسان کی زندگی بدلے اور وہ غفلت والی زندگی کو چھوڑ کر شریعت وسنت والی زندگی پہ آجائے۔ اس لئے ایسے حضرات کے ساتھ منسلک ہونا، ان سے اللہ اللہ سیکھنا اور اپنی زندگی کو ایک ترتیب سے گزارنا انسان کی شخصیت کے نکھار کا باعث بنتا ہے۔ اس لئے اس کو ''اصلاحی تعلق'' کہتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ ہم نے سالکین کو تسبیح کا کبھی نہیں بنانا ہوتا بلکہ اصلاح مقصود ہوتی ہے تاکہ دل میں دین کی محبت آجائے۔ جو سالک نیک نیتی کے ساتھ آتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی زندگی کو بدل دیتے ہیں۔

آج کی یہ محفل اختتامی محفل تھی اس لئے یہ چند باتیں بیعت کے بارے میں بھی بتادی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ بعض دوست ایسے بھی ہوں جنہوں نے خانقاہوں کا نام بھی نہ سنا ہو، جب نام ہی نہیں سنا ہوگا تو ان کے مقاصد کا کیا پتہ ہوگا۔ یاد رکھیں کہ تصوف

دین ہی کا شعبہ ہے۔

؎ خوشا مسجد و مدرسہ خانقاہ
کہ در وے بود قیل وقال محمد

دس دن اعتکاف کے اثرات

آپ نے اعتکاف میں یہاں چند دن گزارے ہیں، یہ دیکھنے کوتو دس دن ہی ہیں لیکن آپ ان کے اثرات انشاءاللہ ثم انشاءاللہ پورا سال محسوس کریں گے۔ اگلے رمضان المبارک تک آپ کا دل آپ کو گواہی دے گا کہ آپ اس کے اثرات محسوس کر رہے ہیں۔ یہ کوئی ظاہری چیز نہیں ہے جس کی آپ کوئی گٹھڑی باندھ کر لے جائیں گے بلکہ یہ ایک ایسی چیز ہے جو سینے سے سینے میں منتقل ہوتی ہے، یہ بغیر کہے اور بغیر بتائے اپنا اثر دکھا رہی ہوتی ہے۔ اس کو ''فیض'' اور ''نور'' کہتے ہیں۔ اللہ رب العزت ہمیں اس نور کی حفاظت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ بالخصوص جو احباب اعتکاف میں بیٹھے ان کو چاہیے کہ وہ اپنی زندگی کی ترتیب کو بدلیں، جس طرح وہ اب اپنے گناہوں سے سچی پکی توبہ کر چکے ہیں، وہ آئندہ پورا سال اسی طرح گناہوں سے بچ کر گزارنے کی کوشش فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا حامی وناصر ہو گا اور انشاءاللہ اس معاملہ میں ان کے لئے آسانیاں ہوں گی۔

اظہار تشکر

مقامی احباب جنہوں نے دعوت دی اور یہاں پر اتنے اچھے انتظامات کیے، یہ عاجز اعتکاف والوں کی طرف سے اور اپنی طرف سے ان سب کا شکر یہ ادا کرتا ہے۔ کیونکہ حدیث پاک میں آیا ہے:

مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰه

(جو بندوں کا شکرادانہیں کرتا وہ اپنے پروردگار کا بھی شکرادانہیں کرتا)

ان حضرات نے بہت ہی فراخدلی، بشاشت قلب اور محبت کے ساتھ ہم عاجز مسکینوں کو یہاں آنے کی دعوت دی، ہمیں یہاں ہر اعتبار سے سہولت رہی اور الحمدللہ خوش دلی کے ساتھ اب یہاں سے رخصت ہوں گے اور یہ دعا دے کر جائیں گے کہ اے اللہ! آپ کے ان بندوں نے اس عاجز مسکین کا دل خوش کیا، اس کے بدلے ان سب کے دلوں کو خوش فرمادے۔

نیک خاوند عورت کا مرشد ہوتا ہے

مستورات میں سے جنہوں نے بیعت کی ان کے مردوں کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ ان کو معمولات کے لئے یاددہانی کرواتے رہیں........ بلکہ یاد رکھیں کہ اگر خاوند نیک ہو تو عورت کا مرشد وہی ہوتا ہے۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ آجکل کے خاوند الٹا اس کی دینداری میں رکاوٹ بنے ہوتے ہیں......اگر بیعت ہونے والی مستورات پہلے پردہ نہیں کرتی تھیں اور اب انہوں نے پردہ کرنے کا ارادہ کیا ہے تو ان کے لئے رکاوٹ نہ بنیے گا، ایسا نہ ہو کہ آپ ان کے لئے رکاوٹ بنیں۔ اب تو وہ بیانات سن کر یہ ارادہ کر چکی ہیں اس لئے اب ان کو آپ کی سپورٹ چاہیے، لیکن اگر آپ نے ہی کوئی ادھر ادھر کے Comments (تاثرات) پاس کر دیئے تو شیطان محنت کرے گا اور اس کو بگاڑنے کے لئے پورا ایک سال مل جائے گا۔ اس ایک سال میں وہ اس عورت کو Pull down (پست) کر دے گا۔

مستورات کی قابل صد آفرین محنت

جن مستورات نے گھروں میں کھانے بنائے، راتوں کو جاگیں اور دنوں میں

بیانات کے لئے بھاگ دوڑ کی ان کو بھی اللہ رب العزت جزائے خیر عطا فرمائے کیونکہ اتنے مہمانوں کو رمضان المبارک کے دنوں میں سحری وافطاری کا کھانا پہنچانا واقعی قابل صد آفرین بات ہے۔ اور صرف ایک ہی کھانا نہیں بلکہ ماشاء اللہ کئی کئی کھانے ہوتے تھے۔ اس میں مزے تو ہم مہمانوں کے تھے، مقامی احباب تو فقط چائے سے افطاری کرتے تھے اور باقی سب کچھ ہمارے لئے ہوتا تھا اور ہم بھی بڑے خوش تھے۔ ایسے اچھے میزبان کہاں ملیں گے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر عطا فرمائے، جس جس نے جس نیت کے ساتھ جو جو خدمت کی اللہ تعالیٰ ان سب کی نیک نیتوں کے مطابق ان کے ساتھ خیر کا معاملہ فرمادے اور جو ماں باپ اپنی اولاد کے بارے میں فکر مند ہیں ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی اولادوں کو نیک بنائے اور ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنادے۔ (آمین)

آئندہ سال اعتکاف کرنے کی دعوت

اس سال ہمارے مختلف عنوانات ایک ترتیب سے چلے۔ دوست احباب آئندہ کے لئے بھی فرمارہے ہیں کہ آپ نے حاضری دینی ہے اور یہ عاجز بھی ارادہ کر چکا ہے کہ اگر زندگی رہی تو انشاء اللہ آئندہ سال بھی حاضری دیں گے۔ انشاء اللہ آئندہ سال ان عنوانات کے علاوہ دوسرے اصلاحی عنوانات کو کھولا جائے گا۔ جو کچھ آپ نے اس دفعہ یہاں سے سنا ہے اس کے نوٹس بنالیں اور سال بھر میں کبھی کبھی مطالعہ کرتے رہیں تاکہ یہ باتیں تازہ رہیں۔

مقامی احباب سے گزارش

مقامی احباب جو آئندہ سال کے لئے دعوت دے رہے ہیں ان کی خدمت

میں گزارش ہے کہ وہ آئندہ سال کے پروگرام کے بارے میں دوسرے احباب کو ضرور خبر دیجئے گا کیونکہ پچھلے سال اعتکاف کے بعد مجھے ماریشس، زمبابوے اور مختلف جگہوں کے دوستوں نے کہا کہ ہمیں تو پتہ ہی نہیں تھا ورنہ ہم بھی آتے اور اس دفعہ بھی باہر ملکوں میں کوئی اطلاع نہیں دی گئی تھی، اس لئے آئندہ سال یہ ضرور کیجئے گا کہ سال کے دوران اگر آپ کی ملاقات قریب قریب کے علماء اور عزیز واقارب سے ہو تو ان کو یہ اطلاع بہت پہلے سے دے دیجئے گا تا کہ جو لوگ اس میں شامل ہونا چاہیں وہ بھی شامل ہو جائیں اور زیادہ سے زیادہ لوگ فائدہ اٹھائیں، جتنے زیادہ لوگ فائدہ اٹھائیں گے اتنا ہی زیادہ آپ کو فائدہ ہوگا۔

اعتراف حقیقت

باقی یہ کہ ہم سب نے جو کچھ کیا ہے اللہ کی رضا کے لئے کیا ہے۔ تاہم ہمیں اس موقع پر کثرت سے استغفار کرنی چاہیے کیونکہ ہمیں اعتکاف کے دوران جن آداب کی رعایت کرنی چاہیے تھی یقیناً ہم سے کوتاہی ہوئی ہوگی، ہم حق ادا نہیں کر سکے، ہمیں اس موقع کو زیادہ فائدہ مند بنانا چاہیے تھا۔

ہر چہ گیرد علتی علت شود

(علتی جو کرتا ہے اس میں علت ہی ہوتی ہے)

بہر حال ہم اپنی سستی اور نالائقی کا اعتراف کرتے ہوئے احساس ندامت کے ساتھ پروردگار عالم کے سامنے استغفار کرتے ہیں، ہمارے کسی قول وفعل سے کسی کا دل دکھا ہو یا اگر کوئی گناہ سرزد ہوا ہو یا کوئی بات اللہ کو ناپسند آئی ہو تو ہم ان سب سے توبہ کرتے ہیں اور اس وقت یہ دعا مانگتے ہیں کہ اے اللہ! ہماری کوتاہیوں پر نظر نہ ڈالئے گا بلکہ اپنی رحمت کے خزانوں کو دیکھئے گا اور ہماری خالی جھولیوں کو دیکھ کر

ان کو بھر دیجئے گا،...... دنیا کا بھی دستور ہے کہ جب مزدور مزدوری کرتا ہے تو گھر کا مالک جاتے ہوئے اسے کچھ نہ کچھ دیتا ہے، جب عام دنیا دار مالک بھی کچھ نہ کچھ دے کر بھیجتا ہے تو پھر آپ سب حضرات نے تو اللہ کے در کو پکڑا اور اسی کی رضا کے لئے یہاں بیٹھے، اس لئے ہم دعا گو ہوتے ہیں کہ اللہ رب العزت بھی ہماری جھولیوں کو بھر دے،...... آپ اس وقت اللہ رب العزت کی طرف متوجہ ہو کر جو دل میں آئے اپنے رب سے مانگئے، اپنے لئے اور پوری امت کے لئے دعائیں کیجئے کہ اللہ رب العزت ہماری ان دعاؤں کو قبول فرمالے اور آئندہ بھی ہمیں اسی طرح سنت و شریعت کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق نصیب فرمادے۔ (آمین بحرمۃ سید المرسلین)

واخر دعونا ان الحمدللہ رب العٰلمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْیُکُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ
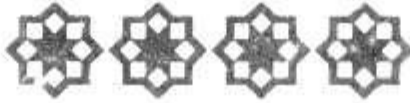
گناہوں کی نحوست

حضرت اقدس دامت برکاتہم کا یہ بیان ۲۶ جنوری ۲۰۰۲ء کو مدرسہ عربیہ اسلامیہ اسکاؤٹ کالونی گلشن اقبال کراچی میں ہوا۔

اقتباس

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِهٖ (النساء:۱۲۳)

[جس نے بھی برائی کی اس کو اس کی سزا ملے گی]

یہاں یہ قرآنی اصول سمجھنے کی ضرورت ہے کہ جس نے بھی گناہ کیا اس گناہ کا وبال اس پر ضرور آئے گا۔

...... برف ہو اور ٹھنڈی نہ لگے۔

......آگ ہو اور گرم نہ لگے۔

...... گناہ ہو اور اس کے برے اثرات نہ ہوں۔

یہ کیسے ممکن ہے؟

یاد رکھیں کہ گناہوں کی سزا ضرور ملتی ہے، خواہ ہمیں اس کا احساس ہو یا نہ ہو۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

گناہوں کی نحوست

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَکَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِo بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o
وَذَرُوْا ظَاھِرَ الْاِ ثْمِ وَ بَاطِنَہٗ ط (الانعام : ۱۲۰)
...................وَقال اللّٰہ تعالیٰ فِی مقام اٰخر ....
یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّمَابَغْیُکُمْ عَلٰی اَنْفُسِکُمْ
...................وَقال اللّٰہ تعالیٰ فِی مقام اٰخر ....
مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِہٖ (النساء : ۱۲۳)
سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَo وَ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَo
وَ الْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

گناہ چھوڑنے کا حکم

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَذَرُوْا ظَاھِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَہٗ ط (الانعام:۱۲۰)

[اور چھوڑ دو کھلا ہوا گناہ اور چھپا ہوا]

گناہ اللہ رب العزت کی نافرمانی کرنے کو اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی

مبارک سنتوں سے روگردانی کرنے کو کہتے ہیں۔ گناہ میں انسان کے لئے دنیاوی نقصانات بھی ہیں اور اخروی نقصانات بھی ہیں۔

گناہوں کے نقصانات کا علم

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ عالم شخص وہ ہوتا ہے جس پر گناہوں کے نقصانات اچھی طرح واضح ہو جائیں۔ گویا جو شخص گناہوں کے نقصانات سے جتنا زیادہ واقف ہوگا وہ اتنا ہی بڑا عالم ہوگا...... یہ بات بہت کام کی ہے...... وجہ یہ ہے کہ جب انسان کسی چیز کے نقصانات سے واقف ہو تو وہ اس سے بچتا ہے۔ یہ انسان کی فطرت ہے۔ مثال کے طور پر......

(۱)...... انسان زہر کے نقصانات سے واقف ہوتا ہے اس لئے وہ اس سے بچتا ہے۔ اگر اسے یہ بتا دیا جائے کہ آپ کے سامنے جو ایک ہزار بسکٹ پڑے ہیں ان میں سے نوسو ننانوے بالکل ٹھیک ہیں صرف ایک بسکٹ میں زہر ہے، آپ کھا لیجئے تو کیا وہ اسے کھا لے گا؟ وہ انسان اسے کھانے کے لئے بالکل تیار نہیں ہوگا۔ وہ کہے گا کہ کیا پتہ جس کو میں کھا رہا ہوں اسی میں زہر ہو۔ چونکہ ہمیں پتہ ہے کہ زہر کے کھا لینے سے انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے اس لئے نہیں کھاتے لیکن ایک بچہ جو اس سے واقف نہیں ہے، اس بچے کو ایک بسکٹ پکڑائیں اور اس سے کہیں کہ یہ زہر والا ہے، تم کھا لو، تو وہ بچہ اسے منہ میں ڈال لے گا۔ اس لئے کہ وہ اس کے نقصان سے واقف نہیں ہے۔ اس مثال سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جب انسان کسی چیز کے نقصان سے واقف ہوتا ہے تو وہ اس کے قریب بھی نہیں پھٹکتا اور ہر ممکن طریقے سے بچتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ مجھے نقصان ہو جائے گا۔

(۲)...... اسی طرح ہم سانپ کے نقصان سے واقف ہیں۔ ہر چھوٹے بڑے کو پتہ

ہے کہ اگر سانپ کاٹ لے تو انسان مر جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی پلاسٹک کا بنا ہوا سانپ بھی دکھا دے تو لوگ ڈر کر بھاگ جاتے ہیں۔ بڑا سانپ تو کیا اگر سانپ کا کوئی چھوٹا سا بچہ بھی کسی گھر میں نظر آ جائے تو عورتیں شور مچا دیتی ہیں۔ جب تک اس کو مار نہ لیا جائے تب تک وہ چین سے نہیں بیٹھتیں۔ وہ کہتی ہیں کہ چونکہ گھر میں بچے ہیں اس لئے اس کو مارنا ضروری ہے۔ چونکہ ہم سانپ کے نقصانات سے واقف ہیں اس لئے اس کا وجود اپنے گھر میں برداشت نہیں کر سکتے۔

(۳)...... ہم جانتے ہیں کہ بعض لوگ رات کو ڈاکے ڈالتے ہیں، وہ لوگوں کے گھروں کو لوٹ بھی لیتے ہیں اور بعض اوقات ان کو جان سے بھی مار دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ کئی درندہ صفت ڈاکو عزتیں بھی خراب کر دیتے ہیں۔ اسلئے بندے کے دماغ میں ڈاکوؤں کا ایک ڈر سا رہتا ہے۔ اگر کوئی بھی ناواقف بندہ رات کے وقت آپ کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹائے گا تو آپ کبھی کھولنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ آپ اسے کہیں گے کہ پہلے اپنا تعارف کراؤ۔ جب تک آپ اس کا مکمل تعارف نہیں کر لیتے اس وقت تک اس اجنبی آدمی کے لئے دروازہ نہیں کھولتے۔ اگر وہ کہے کہ باہر سردی ہے دروازہ جلدی کھولو تو آپ کہیں گے کہ میں دروازہ نہیں کھول سکتا۔ اگر وہ آپ کی منت سماجت بھی کرے گا تو آپ اس کے لئے دروازہ نہیں کھولیں گے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ ڈاکو ہی ہو۔ چونکہ آپ ڈاکو کے نقصانات سے واقف ہیں اس لئے آپ اجنبی شخص کے لئے اپنے گھر کا دروازہ رات کے وقت نہیں کھولیں گے۔

جب یہ مثالیں سمجھ میں آ گئیں تو یہ باتیں بھی ذہن میں رکھئے کہ......

☆...... نفس کی خواہش ہمارے لیے زہر کی مانند ہے۔ نفس ہمارے من میں گناہوں کے جو جو خیالات پیدا کرتا ہے وہ زہر کی مانند ہیں۔ جس طرح انسان زہر سے

بچتا ہے اسی طرح وہ نفس کے ان زہریلے خیالات سے بھی بچتا ہے جو اسے گناہ پر برانگیختہ کرتے ہیں۔ جس طرح انسان زہریلے بسکٹ کی دعوت قبول نہیں کرتا اسی طرح گناہوں کے جو بسکٹ نفس پیش کرتا ہے کہ یہ بھی کرلو، یہ بھی کرلو، تو آدمی کو چاہئے کہ وہ اپنے نفس کی بھی وہ بات قبول نہ کرے، وہ یہی سوچے کہ اس خواہش کے پورا کرنے میں زہر ہے۔ لہٰذا اگر میں پوری کروں گا تو روحانی موت مر جاؤں گا۔

☆......اسی طرح برے دوست کی مثال سانپ کی طرح ہوتی ہے۔ اسی لئے ہمارے مشائخ نے کہا ہے کہ ''یارِ بد'' ''مارِ بد'' سے بھی زیادہ برا ہوتا ہے۔ یعنی برا دوست سانپ سے بھی زیادہ نقصان دہ ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اگر مارِ بد (برے سانپ) نے کاٹ لے تو انسان کی جسمانی موت واقع ہو جاتی ہے اور اگر یارِ بد نے کاٹ لے تو انسان کی روحانی موت واقع ہو جاتی ہے...... عاجز تو یہاں تک کہتا ہے کہ برا دوست شیطان سے بھی زیادہ برا ہے۔ وہ اس لئے کہ شیطان انسان کے دل میں فقط گناہ کا ارادہ یا خیال ڈالتا ہے مجبور نہیں کرتا لیکن برا دوست نہ صرف گناہ کا خیال ہی دل میں ڈالتا ہے بلکہ ہاتھ پکڑ کر انسان سے گناہ بھی کروا لیتا ہے۔ تو برا دوست سانپ اور شیطان دونوں سے زیادہ برا ہوتا ہے۔

☆...... چونکہ ہم ڈاکو کے نقصانات سے واقف ہوتے ہیں، اس لئے اس کے کہنے پر گھر کا دروازہ نہیں کھولتے۔ شیطان کی مثال ہمارے ایمان کے ڈاکو کی مانند ہے۔ جیسے ڈاکو موقع کی تلاش میں ہوتا ہے کہ میں اس کے گھر میں ایسے وقت میں پہنچوں جب میں گھر کا صفایا کر دوں اور اسے پتہ ہی نہ چلے۔ شیطان بھی اسی انتظار میں ہوتا ہے۔ وہ ابنِ آدم کے قلب کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ جب وہ بندے کو ذکر

کرتا دیکھتا ہے تو وہ پیچھے ہٹا رہتا ہے اور جیسے ہی وہ اس کو غافل پاتا ہے تو اسی وقت قلب کے اندر اپنے وار کرنا شروع کر دیتا ہے۔ جب ہم شیطان کے نقصانات سے واقف ہوں گے تو پھر ہم شیطانی وساوس کے لئے اپنے دل کے دروازے نہیں کھولیں گے۔ بلکہ دل میں ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد رکھیں گے تاکہ ہم شیطان کے وساوس سے بچ سکیں۔

پتہ چلا کہ ہم گناہوں کے نقصانات سے جتنا زیادہ وقف ہوں گے اتنا ان سے بچنے کی کوشش کریں گے۔ ہم نے ڈاکٹر لوگوں کو دیکھا ہے کہ اگر ان کو چربی والے کھانے یا پراٹھے دیئے جائیں تو وہ انکو کھانے سے پرہیز کرتے ہیں، حالانکہ ان کو کوئی بیماری نہیں ہوتی۔ اگر کوئی پوچھے کہ کیوں نہیں کھاتے تو وہ کہتے ہیں، جی ہمیں اس کے نقصانات کا پتہ ہے اور جس بندے کو اس کے نقصانات کا پتہ نہیں ہوتا کہ اس سے دل کی شریانیں بند ہو جاتی ہیں وہ صبح، دوپہر، شام پراٹھے کھاتا ہے۔ وہ خوب چپلی کباب کھاتا ہے خواہ دل کی شریانیں بند ہی ہو جائیں...... اسی طرح ڈاکٹر جب باہر کے علاقے میں جاتے ہیں تو نلکے کا پانی بھی نہیں پیتے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس میں کئی بیماریوں کے جراثیم ہوتے ہیں جن سے معدہ خراب ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ہم تو بوتل کا صاف پانی پئیں گے...... حتیٰ کہ ڈاکٹر جب ہسپتال میں مریضوں کے پاس جاتے ہیں تو دستانے بھی پہنتے ہیں اور ناک پر ماسک بھی لگاتے ہیں۔ ان کو پتہ ہوتا ہے کہ بیمار کے قریب رہ رہ کر کونسی بیماری دوسرے کو لگ سکتی ہے لہٰذا وہ احتیاط کرتے ہیں۔

کھمبے سے بجلی کی تار جا رہی ہو اور آپ کسی الیکٹریکل انجینئر سے کہیں کہ جناب! ذرا اس کو ہاتھ تو لگائیں تو وہ کہے گا، جناب! میں بے وقوف نہیں ہوں۔ اگر کہیں کہ ایک ہی دفعہ ہاتھ لگا دیں تو وہ کہے گا، بجلی ایک دفعہ بھی معاف نہیں کرتی وہ

بجلی نظر نہیں پڑتی ہے۔ انجینئر تو سمجھتا ہے کہ اس کے اندر وولٹیج ہے اور اس سے جان کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے لیکن عام آدمی دھوکا کھا جائے گا کیونکہ اسے نظر نہیں آرہا ہوتا۔ اسی طرح عام آدمی چونکہ گناہوں کے نقصانات سے واقف نہیں ہوتا اس لئے وہ پرہیز نہیں کرتا۔ لیکن عالم سمجھتا ہے کہ گناہوں میں ایسی نحوست ہے اور ان کے مرتکب ہونے سے انسان اللہ تعالیٰ سے دور ہو جاتا ہے اس لئے وہ گناہوں کے قریب نہیں جاتا۔

علم کے باوجود گمراہی

جس انسان کے نزدیک نیکی اور گناہ میں فرق ہی نہیں ہوتا وہ ایک طرف گناہ بھی کر رہا ہوتا ہے اور دوسری طرف تسبیح بھی پھیر رہا ہوتا ہے، اس کے پاس علم ہے ہی نہیں۔ اور اگر علم ہے تو وہ علمِ نافع سے محروم ہے۔ قرآن عظیم الشان میں ہے

اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَهٗ ھَوٰهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلْمٍ

[کیا آپ نے اس کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنالیا ہے، اللہ نے علم کے باوجود اس کو گمراہ کر دیا] (الجاثیہ: ۲۳)

علم کے باوجود گمراہی کا کیا مطلب؟......

آپ نے دیکھا ہوگا کہ کچھ لوگوں کو سگریٹ پینے کی عادت ہوتی ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ...... سگریٹ نوشی مضرِ صحت ہے...... حتیٰ کہ بنانے والی کمپنی بھی لکھ دیتی ہے کہ سگریٹ نوشی مضرِ صحت ہے...... پینے والا بھی لوگوں کو کہتا ہے کہ ہم تو پیتے ہیں تم نہ پینا...... معلوم ہوا کہ وہ اسکے نقصانات کو جانتا ہے مگر پھر بھی پیتا ہے۔ کھانا کھا کر اس کی طبیعت میں ایسی طلب اٹھتی ہے کہ وہ پھر سگریٹ پیتا ہے۔ اس کو کہتے ہیں علم کے باوجود گمراہ ہونا۔

اسی طرح انسان جانتا ہے کہ غیر محرم کو دیکھنا گناہ کبیرہ ہے مگر اس کی نگاہیں قابو میں نہیں ہوتیں۔ وہ بیمار ہوتا ہے، اس کا اپنے اوپر بس نہیں چلتا، اس کا نفس اس گھوڑے کی طرح بے قابو ہوتا ہے جو اپنے سوار کی بات نہیں مانتا اور بھاگتا ہی رہتا ہے۔ جس انسان کو علمِ نافع نصیب ہو جائے اور وہ گناہوں کے نقصانات کو اچھی طرح پہچان لے وہ آدمی پھر گناہوں کے قریب بھی نہیں جاتا اور ہر ممکن اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔

نیکی اور گناہ میں فرق

نیکی اور گناہ کا وہی فرق ہے جو روشنی اور اندھیرے کا ہوتا ہے۔ اگر کسی جگہ اندھیرا ہو تو وہاں انسان کو سانپ اور بچھو نظر ہی نہیں آتے اور وہ ان سے بچ نہیں سکتا۔ جیسے ہی روشنی آتی ہے سانپ بچھو کا پتہ چل جاتا ہے۔ اول تو وہ خود بھاگ جاتے ہیں ورنہ انسان ان کو مار دیتا ہے۔ اسی طرح جس انسان کے پاس علم کا نور ہوتا ہے اس نور کے آتے ہی گناہوں کے سانپ بچھو اس کے سامنے واضح ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ انسان ان سانپ بچھوؤں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔

نورِ قلبی کی حفاظت

یہ ایک موٹی سی بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ عام لوگوں میں اور اولیاء اللہ میں بنیادی فرق گناہوں سے بچنے کا ہے۔ ہم عام لوگ تو کبھی کبھی ایسی نیکیاں کر لیتے ہیں جیسی بڑے بڑے اولیاء اللہ کرتے ہیں ...... خوب رجوع الی اللہ کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور دل میں نور آ جاتا ہے۔ مگر جب مسجد سے باہر نکلتے ہیں تو گھر پہنچنے سے پہلے پہلے جتنا نور آیا تھا سب ختم ہو جاتا ہے ...... جیسے کچا گھڑا ہوتا ہے، اگر اس میں

پانی ڈال دیں تو چند گھنٹوں کے بعد وہ خالی ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں سے پانی قطرہ قطرہ کر کے ٹپکتا رہتا ہے۔ اسی طرح ہمارا حال ہوتا ہے کہ مسجد میں بیٹھ کر عبادت کی تو دل میں نور بھر گیا لیکن جیسے ہی مسجد سے باہر گئے اور لوگوں سے ملے تو دوسروں کی غیبت کرنے کی وجہ سے اور بدنظری وغیرہ کی وجہ سے وہ نور ٹپکنا شروع کر دیتا ہے۔ اس طرح ہم اس نور کو ضائع کر بیٹھتے ہیں، اس کی حفاظت نہیں کرتے۔

میں نے خود ایک مرتبہ دیکھا کہ ایک بیت الخلاء میں بالٹی پڑی تھی۔ اس کے اوپر والی ٹونٹی بند تھی مگر لیک تھی اور اس میں سے ایک ایک قطرہ پانی ٹپک رہا تھا۔ کچھ دیر کے بعد پوری بالٹی بھر گئی۔ وہاں ایک لوٹا بھی رکھا ہوا تھا اور وہ ٹونٹی کے قریب سے پھٹا ہوا تھا۔ اس کو بھرنے کے لئے ٹونٹی کھولی تو وہ بھرتا ہی نہیں تھا۔ میں دونوں چیزوں کو دیکھ کر حیران ہوا کہ بالٹی کے اندر کوئی سوراخ نہیں ہے اور اوپر بند ٹونٹی سے ایک ایک قطرہ پانی ٹپک رہا ہے مگر چونکہ پانی محفوظ ہو رہا ہے اس لئے تھوڑی دیر کے بعد پوری بالٹی بھر گئی۔ اور جس لوٹے کو سوراخ تھا اس کے اوپر ہم نے ٹونٹی پوری کھول دی مگر وہ بھرا ہی نہیں...... یہی مثال ہماری اور ایک ولی کی ہوتی ہے۔ ہم لوگ اس لوٹے کی مانند ہیں جس میں سوراخ تھا۔ اس لئے جتنا نور بھی اندر آتا ہے وہ ضائع ہوتا رہتا ہے اور اللہ کے ولی کی مثال اس بالٹی کی مانند ہے ان کے اندر قطرہ قطرہ نور بھی آئے تو وہ اس نور کو محفوظ کر لیتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے دل کی بالٹی نور سے بھری رہتی ہے۔

معصیت سے بچنے کا انعام

شریعتِ مطہرہ میں اس بات کو پسند کیا گیا ہے کہ انسان لمبی عبادتیں کرنے کی بجائے گناہوں سے زیادہ بچے۔ مثلاً ایک آدمی تہجد نہیں پڑھتا، لمبے لمبے اذکار نہیں

کرتا، نفلی روزے نہیں رکھتا، بھلے نفل اعمال کچھ نہ کرے مگر گناہوں سے بچے تو وہ اللہ کا ولی ہے کیونکہ اس کی زندگی میں معصیت نہیں ہے ...... ہمارے سلسلے میں بھی گناہوں سے بچنا سکھایا جاتا ہے......طلبا کو اس بات پر نظر رکھنی چاہیے کہ ہمارے وجود سے کوئی بھی کام شریعت کے خلاف صادر نہ ہو۔ ہم اپنے علم اور ارادہ سے کوئی گناہ نہ کریں۔ اگر یہ بات آپ نے پالی تو سمجھ لیجئے کہ آپ کو ولایت کا مقام حاصل ہو گیا ہے۔ یاد رکھیں کہ ولایت کے لئے......

۔ ہوا میں اڑنا شرط نہیں۔

۔ پانی پر چلنا شرط نہیں۔

۔ کوئی کرامت کے واقعات کا پیش آ جانا شرط نہیں۔

بلکہ ولی اس کو کہتے ہیں جو اپنے آپ کو گناہوں سے بچا لیتا ہو۔ قرآن مجید نے ان الفاظ میں کہہ دیا:

اِنْ اَوْلِيَآءُهٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ (الانفال:۳۴)

[اس کے ولی وہ ہوتے ہیں جو متقی ہوتے ہیں]

یہ بھی یاد رکھیں کہ تقویٰ کچھ کرنے کا نام تقویٰ نہیں بلکہ کچھ نہ کرنے کو تقویٰ کہتے ہیں۔ یعنی وہ باتیں جن سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں انکو نہ کرنا تقویٰ کہلاتا ہے۔ موٹے الفاظ میں سمجھ لیجئے کہ تقویٰ یہ ہے کہ آپ ہر اس کام سے بچیں جس کو کرنے سے کل قیامت کے دن کوئی آپ کا گریبان پکڑنے والا ہو۔ لہٰذا اپنے آپ کو گناہوں سے بچانا لمبی لمبی نفلی عبادتیں کرنے سے زیادہ اہم ہے۔ اب ایک آدمی لمبی لمبی عبادتیں کرتا ہے مگر ساتھ ساتھ غیبت بھی کرتا ہے اور لوگوں کا دل بھی دکھاتا ہے تو وہ بے چارہ تو فقیر ہے۔ کل قیامت کے دن جب وہ پیش ہوگا تو یہ حق والے اس

کی ساری عبادتیں لے کر چلے جائیں گے بلکہ ان کے گناہ الٹا اس کے سر پر رکھ دیئے جائیں گے۔ حدیث پاک میں ہے:

اَلْوِقَایَۃُ خَیْرٌ مِّنَ الْعِلَاجِ

| پرہیز علاج سے بہتر ہے |

ایک آدمی کو نزلہ زکام ہو، وہ دوائی بھی کھائے اور ساتھ ساتھ آئس کریم بھی کھائے تو اس کی بیماری ٹھیک نہیں ہوگی۔ ڈاکٹر کہیں گے پہلے پرہیز کرو تب دوائی فائدہ دے گی۔ اسی لئے مشائخ کہتے ہیں کہ گناہوں سے پہلے بچو تب ذکر اذکار کا فائدہ ہوگا۔ آج کا عنوان بھی یہی ہے کہ ہم اپنے جسم کو گناہوں سے بچائیں اور اللہ رب العزت کی نافرمانی نہ کریں۔ اس بات پر ہماری ہر وقت نظر رہے کہ ہم کسی گناہ کا بھی ارتکاب نہ کریں۔ ہم صبح اٹھیں تو دل میں یہ نیت ہو کہ میں نے آج کوئی گناہ نہیں کرنا۔ پھر صبح سے شام تک اس کوشش میں لگے رہیں کہ

......آنکھ سے کوئی گناہ نہ ہو،

......زبان سے کوئی گناہ نہ ہو،

......کان سے کوئی گناہ نہ ہو،

......شرمگاہ سے کوئی گناہ نہ ہو،

......ہاتھ پاؤں سے کوئی گناہ نہ ہو

خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے سلسلہ کے بزرگ تھے۔ انہوں نے ایک بڑی ہی پیاری بات لکھی۔ وہ فرماتے ہیں کہ جس بندے نے کوئی دن گناہوں کے بغیر گزارا ایسا ہی ہے کہ جیسے اس نے وہ دن نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معیت میں گزارا......سبحان اللہ ...... اسلئے آپ روزانہ اٹھ کر صبح کو اللہ سے دعائیں

مانگا کریں کہ اے مالک ! میں آج کا دن ایسا گزارنا چاہتا ہوں کہ تیرے حکم کی نافرمانی نہ ہو۔اس کو تمنا بنا کر مانگیں۔اگر کوئی ایک دن بھی ہماری زندگی میں ایسا ہوا تو ہم امید کر سکتے ہیں کہ اس دن کی برکت سے قیامت کے دن ہم پر اللہ کی رحمت ہو جائے گی۔

گناہ نجاست کی مانند ہے

امید ہے کہ یہاں تک بات آپ کے ذہن نشین ہو چکی ہو گی۔ یہاں تک تو تمہید تھی۔اب یہ عاجز اصل مضمون سمجھانا چاہتا ہے.....لہٰذا سنئے اور دل کے کانوں سے سنئے......گناہ باطنی اعتبار سے نجاست کی مانند ہوتا ہے۔ چنانچہ ہم جس عضو سے بھی گناہ کرتے ہیں ہمارا وہ عضو باطنی طور پر ناپاک ہو جاتا ہے۔گویا

......آنکھ نے غلط دیکھا تو آنکھ ناپاک ہوگئی،

......زبان سے جھوٹ بولا تو زبان ناپاک ہوگئی،

......کان سے غیبت سنی تو کان ناپاک ہو گئے،

......ہاتھوں سے چوری کی تو ہاتھ ناپاک ہو گئے،

......پاؤں سے غلط کام کے لئے چل کر گئے تو پاؤں ناپاک ہو گئے،

......شرمگاہ سے بدکاری کی تو شرمگاہ ناپاک ہوگئی،

لیکن اگر سراپا گناہ میں مبتلا ہو کر بھی توبہ تائب ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی پاک فرمادیں گے۔

گناہ کی بدبو

نجاست کے اندر بدبو ہوتی ہے۔لہٰذا انسان جن اعضا سے گناہ کرتا ہے ان

اعضا سے باطنی طور پر بدبو آتی ہے۔اس کی دلیل حدیث پاک میں ملتی ہے۔مثال کے طور پر......

(۱)......حدیث پاک میں آیا ہے کہ انسان جب جھوٹ بولتا ہے تو اس کے منہ سے بدبو نکلتی ہے حتیٰ کہ فرشتے اس سے تکلیف محسوس کرتے ہیں اور اس بندے سے دور ہو جاتے ہیں۔

(۲)......حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب آدمی کی وفات کا وقت قریب آتا ہے تو ملک الموت کے ساتھ آنے والے دوسرے فرشتے اس آدمی کے اعضاء کو سونگھتے ہیں، جن جن اعضا سے اس نے گناہ کئے ہوتے ہیں ان اعضاء سے ان کو بدبو محسوس ہوتی ہے...... جیسے بچے ہوئے کھانے کو عورتیں سونگھ کر پتہ لگا لیتی ہیں کہ یہ ٹھیک ہے یا خراب۔ ذرا سی مہک محسوس ہو تو وہ کہتی ہیں کہ کھانا خراب ہے...... بالکل اسی طرح فرشتے موت کے وقت انسان کے اعضاء کو سونگھتے ہیں، اگر ان میں گناہوں کی بدبو ہو تو انہیں پتہ چل جاتا ہے اور وہ اس بندے کی پٹائی شروع کر دیتے ہیں۔اور جو توبہ تائب ہونے والا نیکوکار انسان ہوتا ہے اس کے اعضاء گناہوں سے پاک ہوتے ہیں لہٰذا ان سے بدبو محسوس نہیں ہوتی۔

(۳)......سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک صاحب آئے اور آپ نے دیکھ کر فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا کہ وہ ہماری محفلوں میں بے مہابہ چلے آتے ہیں اور انکی نگاہوں سے زنا ٹپکتا ہے......اس سے پتہ چلا کہ بسا اوقات گناہوں کی بدبو بعض لوگوں کو دنیا میں بھی محسوس ہو جاتی ہے۔

یاد رکھیں کہ گناہوں کی یہ بدبو صرف دنیاوی زندگی میں اور موت کے وقت ہی فرشتوں کو محسوس نہیں ہوتی بلکہ جہنم میں پڑنے کے بعد بھی ان کے اعضا سے بدبو

محسوس ہو گی ۔ چنانچہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ جو انسان زنا کار ہیں جہنم میں ڈالنے کا باوجود ان کی شرمگاہوں سے ایسی بدبودار ہوا نکلے گی کہ سارے جہنمیوں کو پریشان کر دے گی اور وہ بڑے غصے کے ساتھ اس جہنمی کو دیکھ کر کہیں گے کہ تیرے جسم سے کیسی بدبو نکلی جس نے جہنم کے اندر ہماری تکلیف میں اضافہ کر دیا۔

نیکی کی خوشبو

نیکی میں خوشبو ہوتی ہے، لہٰذا نیک لوگوں کے اعضا سے خوشبو آتی ہے۔ اگر ہم نیکوکار بن جائیں گے تو ہمارے جسم سے بھی باطنی طور پر خوشبو آئے گی۔ اللہ تعالیٰ نے بعض حضرات کے اندر تو نیکی کی خوشبو اتنی بڑھا دی کہ وہ لوگوں کو ظاہر میں بھی محسوس ہوتی تھی۔ مثال کے طور پر......

(۱)......خود نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک پسینے سے اتنی خوشبو آتی تھی کہ امِ سلیم رضی اللہ عنہا بچوں کو بھیج کر محبوب ﷺ کے پسینے کے قطروں کو شیشیوں میں جمع کرواتی تھیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا، ام سلیم! تم ایسا کیوں کرتی ہو؟ عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! ہم اس مبارک پسینے کے قطروں کو جب خوشبو میں ملا لیتی ہیں تو خوشبو کی مہک میں اضافہ ہو جاتا ہے...... مدینہ طیبہ کی دلہنیں بھی وہ پسینہ بطور خوشبو استعمال کیا کرتی تھیں۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کی بیٹی کی شادی تھی۔ ان کے پاس پیسے نہیں تھے۔ ان کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پسینے کے چند قطرے عنایت فرما دیئے۔ جب ان کی بیٹی نے جسم پر لگائے تو اس سے خوشبو آنے لگی۔ بلکہ انہوں نے اس میں سے کچھ قطرے اپنے گھر میں رکھ لئے۔ اس گھر میں بھی خوشبو آنا شروع ہو گئی۔ حتیٰ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں وہ گھر ''خوشبوؤں والوں کا گھر'' مشہور ہو گیا...... اور بعض روایات میں آیا ہے کہ نبی

علیہ السلام جس راستے سے چل کر جاتے تھے اس راستے سے خوشبو آتی تھی۔

(۲)......سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے گناہوں سے محفوظ کیا ہوا تھا جس کی وجہ سے ان کے جسم سے بھی خوشبو آیا کرتی تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ

كَانَ رِيْحُ اَبِیْ بَكْرٍ اَطْيَبُ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ

[ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جسم سے ایسی خوشبو آتی تھی جو مشک کی خوشبو سے بھی بہتر ہوا کرتی تھی]

(۳)......امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ جب مسجد نبوی میں جاتے تھے تو وہاں قرآن پاک پڑھا کرتے تھے۔ انکے منہ سے خوشبو آیا کرتی تھی۔ کسی نے پوچھا، حضرت! کیا آپ منہ میں الائچی رکھتے ہیں یا کوئی اور چیز رکھتے ہیں، ہم نے اتنی خوشبو کبھی کہیں نہیں سونگھی۔ وہ کہنے لگے، نہیں، بات یہ ہے کہ ایک مرتبہ خواب میں نبی علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوئی تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ عاصم! تو اتنی محبت کے ساتھ قرآن پڑھتا ہے کہ مجھے بہت پسند آتا ہے، آؤ میں تمہارے منہ کو بوسہ دے دوں، جب سے نبی علیہ السلام نے خواب میں میرے منہ کا بوسہ لیا اس وقت سے میرے منہ سے خوشبو آتی ہے۔ سبحان اللہ۔

(۴)......شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے فضائل درود شریف میں لکھا ہے کہ ایک آدمی رات کو سونے سے پہلے روزانہ درود شریف پڑھا کرتا تھا۔ ایک رات خواب میں اسے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت نصیب ہوئی۔ اللہ کے محبوب ﷺ نے ارشاد فرمایا، اپنا منہ میرے قریب کرو جس سے تم مجھ پر درود پڑھتے ہو، میں اس کا بوسہ لینا چاہتا ہوں۔ اس نے اپنا رخسار نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قریب کر دیا۔ چنانچہ اللہ کے محبوب ﷺ نے اس کے چہرے کا بوسہ لیا اور اس کی

آنکھ کھل گئی۔ جیسے ہی آنکھ کھلی پورا گھر مشک کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ اس کے بعد آٹھ دن تک اسکے رخسار سے مشک کی خوشبو آتی رہی۔

(۵)...... انڈیا میں ایک بزرگ خواجہ مشکی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ان کے جسم سے مشک کی سی خوشبو آتی تھی۔ لوگ حیران ہو کر پوچھتے تھے کہ آپ کیسی خوشبو لگاتے ہیں کہ آپ کے کپڑے ہر وقت معطر محسوس ہوتے ہیں۔ کسی نے ایک مرتبہ بہت مجبور کیا تو وہ فرمانے لگے کہ میں تو کوئی خوشبو نہیں لگاتا۔ اس نے کہا کہ پھر آپ کے کپڑوں سے خوشبو کیسی آتی ہے؟

انہوں نے کہا کہ واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ میں کسی گلی میں سے گزر رہا تھا۔ ایک مکان کے دروازے پر ایک بوڑھی عورت کھڑی تھی۔ اس نے مجھے دیکھ کر کہا کہ گھر میں کوئی بیمار ہے، تم نیک بندے نظر آتے ہو، اس کو کچھ پڑھ کے پھونک دو، ہوسکتا ہے کہ ٹھیک ہو جائے۔ میں نے اس پر اعتماد کیا اور گھر کے اندر چلا گیا۔ جب اندر گیا تو اس نے تالا لگا دیا۔ اس کے بعد گھر کی مالکہ سامنے آئی۔ اسکی نیت میرے بارے میں بری تھی۔ وہ کہنے لگی کہ میں روزانہ تجھے گزرتے ہوئے دیکھتی تھی، میرے دل میں برائی کا خیال پیدا ہو گیا چنانچہ میں نے آج تجھے اس بوڑھی عورت کے ذریعے گھر بلایا ہے، لہٰذا اب میں گناہ کرنا چاہتی ہوں۔ جب اس نے اپنی نیت کا اظہار کیا تو میں بہت پریشان ہوا۔ میں نے اس کا مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا اور باہر نکلنے کی بہت کوشش کی۔ لیکن وہ کہنے لگی کہ اب تالا لگ چکا ہے، اگر نہیں مانو گے تو میں شور مچاؤں گی اور بہتان لگا کر سنگسار کرواؤں گی، اب دو باتوں میں سے ایک بات کا انتخاب کرلو۔ یا تو سنگسار ہونا پسند کرلو یا پھر میرے ساتھ گناہ کا ارتکاب کرلو۔ اس کی یہ باتیں سن کر میں بہت پریشان ہوا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے میرے ذہن میں تجویز

ڈالی تو میں نے اس سے کہا کہ مجھے بیت الخلاء میں جانے کی ضرورت ہے، لہٰذا میں فارغ ہو کر تم سے بات کروں گا۔ اس عورت نے سوچا کہ چلو آمادہ تو ہو گیا ہے، تاہم اس نے مجھے بیت الخلاء کی جگہ دکھادی۔ میں وہاں گیا تو مجھے بیت الخلاء میں جو گندگی اور نجاست نظر آئی میں نے اسے اپنے ہاتھوں سے اپنے جسم پر اور اپنے کپڑوں پر مل لیا۔ جب میں باہر نکلا تو میرے جسم سے سخت بدبو آرہی تھی۔ چنانچہ جب اس عورت نے مجھے دیکھا تو اس کے دل کے اندر میرے نفرت پیدا ہو گئی اور وہ کہنے لگی کہ یہ تو کوئی پاگل ہے، نکالو اس کو یہاں سے، یوں میں اپنا ایمان بچا کر اس گھر سے نکل آیا۔ اس کے بعد مجھے پریشانی ہوئی کہ میرے بدن اور کپڑوں سے لوگوں کو بدبو آئے گی۔ لہٰذا میں جلدی سے غسل خانے میں پہنچا اور میں نے اپنے بدن کو اور کپڑوں کو دھویا اور پاک کیا۔ جب گیلے کپڑے پہن کر میں باہر نکلا تو اس وقت میرے جسم سے خوشبو آنے لگی ...... اللہ اکبر ...... ان کا اصل نام تو کوئی اور تھا لیکن چونکہ ان کے جسم سے مشک کی سی خوشبو آتی تھی اسلئے لوگ انھیں خواجہ مشکی کہہ کر پکارا کرتے تھے ...... تو ایک موٹی سی بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ نیکی سے جسم سے خوشبو آتی ہے اور گناہ سے جسم سے بدبو آتی ہے۔

قبر میں بدن خراب ہونے یا نہ ہونے کی وجہ

اب ایک اور بات بھی آپ سمجھ لیجئے ...... یہ چیز آپ کو فائدہ دے گی ...... وہ یہ کہ کچھ ایسی چیزیں ہوتی ہیں جو گلنے والی ہوتی ہیں۔ مثلاً آپ چاول پکائیں اور گرم گرم چاول کسی برتن میں ڈھانپ کر رکھ دیں تو ان میں بدبوسی پیدا ہو جائے گی۔ اس لئے کہ آپ نے گرم گرم ڈال دیئے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ سفر میں کھانا لے کر جاتے ہیں لیکن وہ جب کھولتے ہیں تو اس میں سے بدبوسی محسوس ہوتی ہے۔ پھر وہ کہتے ہیں

کہ او ہو، بیوی نے کھانا پکایا تو تھا مگر گرم گرم ڈال دیا جس کی وجہ سے اس کے اندر بدبو آ گئی۔ یہاں یہ بات سمجھنے والی ہے کہ وہ کھانا اس لئے خراب ہوا کہ اس میں خراب ہونے والی چیز موجود تھی ...... آپ اپنے پاس چینی یا گڑ کو بند کر لیں اور ایک سال بعد ڈبہ کھولیں تو اس کی مہک ٹھیک ہوگی کیونکہ اس میں خراب ہونے والی کوئی چیز نہیں تھی۔ ایک سال کے بعد بھی چینی چینی ہی ہوگی اور گڑ گڑ ہی ہوگا ...... اب یہ بات بھی آپ کو معلوم ہوگئی کہ کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن میں خراب ہونے کا مادہ موجود ہوتا ہے اور وہ چند گھنٹوں میں ہی خراب ہو جاتی ہیں اور کچھ چیزوں میں خراب ہونے کا مادہ نہیں ہوتا لہٰذا وہ سالوں پڑی رہیں تو بھی خراب نہیں ہوتیں۔ اب جب یہ بات بھی سمجھ میں آ گئی تو اس عاجز نے آپ کو جو اصل بات بتانی تھی وہ یہ ہے کہ گناہ کے اندر خراب کرنے کا مادہ ہوتا ہے کیونکہ وہ نجاست کی مانند ہوتا ہے اور نجاست بدبو ہی پھیلاتی ہے جس سے چیزیں خراب ہو جاتی ہیں۔ اسی لئے گناہوں کے اثرات کی وجہ سے قبروں کے اندر بدن خراب ہو جاتے ہیں اور کیڑوں کی غذا بنتے ہیں۔ او رنیکی کے اندر خوشبو ہوتی ہے اور خوشبو کو آپ جتنا عرصہ ڈھانپ کر رکھیں وہ خوشبو ہی رہے گی۔ لہٰذا اب ایک بات سامنے آئی کہ جو انسان دنیا میں توبہ تائب ہو کر مرے گا اس کے اوپر گناہوں کے اثرات نہیں ہوں گے۔ یہ بندہ قبر میں بھی چلا گیا تو اس کا جسم قبر میں بھی نہیں گلے سڑے گا۔ کیونکہ اس کے اندر گناہوں کے اثرات ہی نہیں ہیں۔ اس لئے بعض حضرات نے اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کے جسم قبروں میں بالکل صحیح سالم دیکھے۔ ایک مرتبہ ہمارے شہر کے قبرستان میں قبر کے لئے زمین کو کھودا گیا تو ایک قبر کھل گئی۔ لوگ دیکھ کر حیران ہوئے کہ میت کا جسم تو کیا کفن کا کپڑا ابھی بالکل صحیح سالم تھا۔ اس لئے کہ وہ بندہ توبہ تائب ہو کر مرا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے گناہوں

سے ایسے پاک کیا تھا کہ اس کے بدن پر گناہوں کا کوئی اثر نہیں تھا۔اس لئے اس کا جسم زمین کے اندر خراب ہی نہیں ہو رہا تھا۔

ایک حیران کن منظر

پندرہ بیس سال پہلے کی بات ہے کہ میں کسی کام کے سلسلے میں لاہور گیا ہوا تھا۔ وہاں ایک دوست نے مجھے کہا، حضرت! اگر آپ کے پاس وقت ہو تو آپ کو ایک چیز دکھانا چاہتا ہوں۔ میں نے پوچھا، کونسی چیز؟ وہ کہنے لگا، حضرت! آپ وہ چیز دیکھ کر یقیناً خوش ہوں گے لہٰذا اگر آپ کے پاس وقت ہے تو میں آپ کو لئے چلتا ہوں۔ میں نے کہا، ٹھیک ہے چلیں۔اس نے مجھے اپنی گاڑی پر بٹھالیا اور تقریباً دس کلومیٹر کا سفر طے کرنے کے بعد اس نے بریک لگا دی۔ وہ خود بھی گاڑی سے نیچے اتر آیا اور مجھے بھی کہا، حضرت! آپ بھی اتر آئیں۔چنانچہ میں بھی اتر گیا۔

اس نے مجھے وہاں سڑک کے کنارے پر برگد کا ایک ایسا درخت دکھایا جو سخت آندھی کی وجہ سے جڑوں سے اکھڑا ہوا تھا۔ میں نے کہا کہ اس درخت کی کیا خوبی ہے۔ وہ کہنے لگا، حضرت! آپ ذرا اس کے قریب ہو کر اس کی جڑوں کے اندر دیکھیں۔ چنانچہ جب میں نے قریب ہو کر دیکھا تو میں حیران رہ گیا کہ اس درخت کی جڑوں کے درمیان والی مٹی میں نورانی چہرے والے ایک باریش آدمی کی میت دفن تھی۔اس میت کو درخت کی جڑوں نے چاروں طرف سے گھیرا ہوا تھا۔درخت کے اکھڑنے کی وجہ سے اس کی جڑوں میں سے مٹی گر گئی جس کی وجہ سے اس کی میت نظر آرہی تھی اور مزے کی بات یہ ہے کہ اس کا جسم اور کفن بالکل صحیح سلامت تھے۔ سبحان اللہ۔

بعد میں ہم نے غور کیا کہ یہ درخت تقریباً ایک سو سال پہلے لگایا گیا تھا۔ جوں

جوں درخت بڑھتا گیا اس کی جڑیں اس آدمی کی میت کو چاروں طرف سے گھیرتی گئیں۔ معلوم نہیں کہ اس آدمی کو اس درخت کے لگنے سے کتنا پہلے دفن کیا گیا تھا۔

قبر کیا سلوک کرتی ہے؟

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ جنازہ پڑھنے گئے ...... اب ذرا غور کیجئے گا کیونکہ یہ عاجز جو نکتہ آپ کے ذہن میں بٹھانا چاہتا ہے وہ فوراً آپ کے ذہن میں آجائے گا...... جنازہ پڑھنے کے بعد قبرستان میں ایک قبر کے پاس کھڑے ہو کر انھوں نے رونا شروع کر دیا۔ لوگوں نے پوچھا، حضرت! آپ تو اس جنازہ کے سرپرست تھے آپ پیچھے کیوں کھڑے ہو گئے؟ فرمانے لگے کہ مجھے اس قبر میں سے ایسے آواز محسوس ہوئی جیسے یہ میرے ساتھ ہمکلامی کر رہی ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ قبر نے آپ کے ساتھ کیا ہمکلامی کی؟ فرمایا کہ قبر نے مجھ سے یہ ہم کلامی کی کہ اے عمر بن عبد العزیز! تو مجھ سے یہ کیوں نہیں پوچھتا کہ جو بندہ میرے اندر آتا ہے تو میں اس کے ساتھ کیا سلوک کرتی ہوں؟ میں نے کہا، بتادو۔ قبر کہنے لگی کہ میں اسکے ساتھ یہ سلوک کرتی ہوں کہ

- اس کے گوشت کو کھا جاتی ہوں
- اس کی انگلیوں کے پوروں کو اس کے ہاتھوں سے جدا کر دیتی ہوں
- اس کے ہاتھوں کو اس کے بازوؤں سے جدا کر دیتی ہوں
- اس کے بازوؤں کو اس کے جسم سے جدا کر دیتی ہوں
- یوں اس کی ہڈیوں کو جدا کر کے ان کو بھی کھا جاتی ہوں۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے کہ جب قبر نے یہ بات کہی تو مجھے رونا آ گیا۔

قبر میں عذابِ الٰہی کے مناظر

یہ واقعہ اس عاجز نے ایک مرتبہ ایک ملک میں سنایا۔ اس محفل میں پی ایچ ڈی ڈاکٹر، ایم بی بی ایس ڈاکٹر اور سائنسدان قسم کے لوگ بلائے گئے تھے۔ محفل کے اختتام پر ایک سائنسدان صاحب میرے پاس آئے اور کہنے لگے، حضرت! کیا آپ نے یہ واقعہ کسی کتاب میں سے پڑھا ہے؟ میں نے کہا، جی ہاں، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا یہ واقعہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے فضائل صدقات میں بھی نقل فرمایا ہے۔ جب ایسے مستند بزرگ کوئی واقعہ نقل کریں تو وہ صحیح ہوتا ہے۔

وہ کہنے لگے، حضرت! کیا آپ یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہیں گے؟ میں نے کہا، بھئی! آپ کا کیا مطلب؟ وہ کہنے لگے، حضرت! یہ چیز یہاں ایک جگہ آنکھوں سے دیکھی جا سکتی ہے۔ میں اس کی بات سن کر بڑا حیران ہوا۔ وہ کہنے لگے، حضرت! آپ تین گھنٹے فارغ کریں اور میں آپ کو لے جا کر یہ سب منظر آنکھوں سے دکھاؤں گا۔ مجھے اور حیرانی ہوئی۔ میں نے کہا، ٹھیک ہے کل چلیں گے۔

اگلے دن وہ ڈاکٹر صاحب وقت پر ہی آ گئے اور ہمیں ایک میوزیم (عجائب گھر) میں لے گئے۔ اس عجائب گھر کے اندر ان کافروں نے حنوط شدہ لاشیں رکھی ہوئی تھیں...... اس سٹیج پر بیٹھ کر میں یہ بات بڑی ذمہ داری سے کہہ رہا ہوں، میں باوضو ہوں، مسجد میں بیٹھا ہوں اور سو فیصد صحیح بات کہہ رہا ہوں...... انہوں نے اس عجائب گھر میں شیشے کے کمرے بنائے ہوئے تھے۔

جب پہلے کمرے میں گئے تو اس کے دروازے پر لکھا ہوا تھا کہ جب انسان مرتا ہے تو اس کی حالت یہ ہوتی ہے۔ جب ہم اندر گئے تو ہمیں ایک لاش نظر آئی جس

پر انھوں نے کیمیکل لگا کر اسے ہر چیز سے بچایا ہوا تھا...... اس کو حنوط شدہ لاش کہتے ہیں۔ انگلش میں اس کو Mummy (ممی) کہتے ہیں...... انہوں نے کہا کہ جب کوئی بندہ مرتا ہے تو وہ اس حالت میں ہوتا ہے، ہم نے اس کو کیمیکل لگا کر یہاں رکھ دیا ہے۔ ہم اس لاش کو دیکھ کر حیران ہوئے۔

وہ دوسرے کمرے میں لے کر گیا۔ وہاں ایک پلیٹ پر لکھا ہوا تھا کہ یہ آدمی مرا، ہم نے اسے قبر میں ڈالا اور چند دنوں کے بعد ہم نے قبر کو کھولا اور جس حالت میں اس کی لاش کو پایا، ہم نے اسی حالت میں اس پر کیمیکل چھڑک کر یہاں رکھ دیا۔ ہم نے جب اس بندے کو دیکھا تو اس کا باقی سارا جسم ٹھیک تھا مگر اس کی دونوں آنکھوں کے ڈھیلے ڈھلک کر اس کے رخساروں پر آ چکے تھے اور ان میں کیڑے پڑ چکے تھے...... معلوم ہوا کہ قبر کے اندر بندے کے جسم میں جو سب سے پہلی تبدیلی آتی ہے وہ یہ ہے کہ آنکھوں کے ڈھیلے ڈھلک کر رخساروں پر آ جاتے ہیں اور ان میں کیڑے پڑ جاتے ہیں...... جن آنکھوں سے غیر اللہ کو محبت کی نظر سے دیکھتا تھا ان پر سب سے پہلے کیڑے چمٹتے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے تیری آنکھیں قابو میں نہیں تھیں، تو غیر اللہ کو چاہتوں اور محبتوں سے دیکھتا تھا مگر یہ حق تیرے پروردگار کا تھا لیکن تجھے غیر محرموں کے چہرے اچھے لگتے تھے۔ تو جو آنکھیں غیر محرم کو محبت کی نظر سے ہوس کے ساتھ دیکھتی پھرتی ہیں قبر میں سب سے پہلے انہی آنکھوں کو کیڑے کھائیں گے۔

اس کے بعد ہم تیسرے کمرے میں گئے۔ اس کمرے میں پڑی ہوئی لاش کی آنکھوں کے ڈھیلوں کو بھی کیڑوں نے کھا لیا تھا مگر اب اس کے ہونٹوں کو بھی کیڑے کھا چکے تھے۔ صرف دانتوں کی بتیسی نظر آ رہی تھی۔ اس کے علاوہ باقی لاش

ٹھیک تھی..... تو دوسری تبدیلی یہ آئی کہ اس کے منہ میں کیڑے پڑ گئے اور کیڑوں نے اس کے ہونٹوں کو کھالیا۔ جس کی وجہ سے دور سے اس کے دانت نظر آرہے تھے .....معلوم ہوا کہ جس زبان سے انسان اللہ کے شکوے کرتا ہے اور لوگوں کے ساتھ غلط محبت بھری باتیں کرتا ہے اب دوسرے نمبر پر اس زبان کو کیڑوں نے کھالیا۔

پھر ہم چوتھے کمرے میں گئے۔ ہم نے وہاں بھی دیکھا کہ آنکھوں سے ڈھیلے نکلے ہوئے تھے اور ان کو کیڑوں نے کھالیا تھا اور زبان کو بھی کیڑوں نے کھالیا تھا۔ اس کے علاوہ ہم نے دیکھا کہ اس کا پیٹ پیالے کی طرح بنا پڑا ہے اور اس پیالے کے اندر کیڑے پڑے ہوئے ہیں......جس پیٹ میں حرام ڈالتا تھا اب اس میں کیڑے پڑ چکے تھے اور اسے کھا رہے تھے۔

پھر اگلے کمرے میں دیکھا کہ کیڑوں نے پھیلنا شروع کر دیا تھا۔ بالآخر ایک ایسے کمرے میں گئے جہاں کیڑوں نے جسم کا پورا گوشت کھالیا تھا فقط ہڈیاں موجود تھیں...... پھر اگلے کمروں میں ہڈیوں کے بوسیدہ ہونے کی حالت کا مشاہدہ کیا۔ ......اور جب ہم آخری کمرے میں پہنچے تو وہاں لکھا ہوا تھا کہ جب ہم نے اس قبر کو کھودا تو فقط ریڑھ کی ہڈی کا اتنا سا حصہ باقی تھا، باقی سب ہڈیوں کو بھی مٹی نے کھا لیا تھا۔

یہ سب معاملات انسان کو قبر کے اندر پیش آتے ہیں۔ ہماری کتابوں میں لکھا ہوا تھا اور اس ملک کے کافروں نے قبر میں جو تبدیلی دیکھی اسے حنوط شدہ لاشوں کی صورت میں لوگوں کے لئے Display (نمائش) بنایا ہوا تھا۔ مگر وہ کونسی لاشیں ہوتی ہیں جن کو مٹی اور کیڑے کھاتے ہیں؟ یہ ان لوگوں کی لاشیں ہوتی ہیں جو گناہ کرتے ہیں۔ چونکہ ان کے اندر گناہوں کے اثرات ہوتے ہیں اس لئے مٹی اور کیڑے ان

کی لاشوں کو کھاتے ہیں۔ اور جو لوگ گناہوں سے بچتے ہیں اور اللہ کے حضور پیش ہوتے ہیں، چونکہ انہوں نے اپنے علم اور ارادے سے گناہ نہیں کیا ہوتا اس لئے ان کی لاشیں قبروں میں محفوظ رہتی ہیں۔ انبیائے کرام کے بارے میں تو حدیث پاک میں آ گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کے جسموں کو زمین پر حرام کر دیا، اسی طرح جو انبیاء کے وارث ہوتے ہیں اور وہ گناہوں سے اپنے جسموں کو بچاتے ہیں، چونکہ ان کے جسموں میں گناہوں کی نجاست نہیں ہوتی اس لئے جب ان کے جسموں کو قبروں میں رکھ دیتے ہیں تو اللہ کی زمین ان کے جسموں کو بھی نہیں گلا سکتی اور کیڑے بھی ان کے جسموں میں نہیں پڑ سکتے۔ اسی لئے بعض اولیاء اللہ کے جسم قبرستان کی کھدائی کے وقت بالکل صحیح سالم پائے گئے کیونکہ ان کے جسم میں گناہوں کے اثرات نہیں تھے۔

مٹی میں پھول......!!!

کئی ایسے نیکوکار بھی ہوتے ہیں کہ قبر کی مٹی نے انکے جسموں میں کیڑے تو کیا ڈالنے، ان کے جسم کی خوشبو قبر کی مٹی کو بھی خوشبودار بنا دیتی ہے۔

(۱)......آپ نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ تو سنا ہوگا کہ جب ان کو قبر میں دفن کیا گیا تو قبر کی مٹی سے خوش بو آتی رہی۔ وہ سمرقند سے تقریباً بائیس میل کے فاصلے پر خرتنگ نامی گاؤں میں مدفون ہیں۔ اس عاجز کو وہاں جا کر چند دن گزارنے کا موقع ملا۔ ان کا مزار مہمان خانے اور مسجد کے درمیان تھا۔ لہٰذا ہم جب بھی مہمان خانے سے مسجد کی طرف جاتے تو ان کے مزار کے پاس سے گزرتے ہوئے ایک عجیب طرح کی خوشبو محسوس کرتے۔ میں نے امام صاحب سے پوچھا کہ کیا لوگ یہاں آ کر عطر چھڑکتے ہیں؟ وہ کہنے لگے کہ کوئی ایک بندہ بھی عطر نہیں چھڑکتا، آپ دیکھیں کہ اردگرد ہر جگہ ماربل ہے، یہاں کوئی کچھ نہیں کر سکتا، البتہ میں اتنے سالوں سے امام

اور خطیب ہوں، میں جب بھی اس جگہ سے گزرتا ہوں مجھے ہمیشہ اس جگہ سے خوشبو آتی ہے۔ اللہ اکبر۔

وہ کہنے لگے کہ لوگ یہاں خوشبو سونگھ کر حیران ہو جاتے ہیں۔ میں نے کہا، حضرت! مجھے تو کوئی حیرانی نہیں ہو رہی۔ کہنے لگے، کیا آپ حیران نہیں ہو رہے کہ وہاں سے گزرتے ہوئے خوشبو آتی ہے؟ میں نے کہا، نہیں مجھے حیرانی نہیں ہو رہی۔ کہنے لگے کہ آپ اس بات سے کیوں حیران نہیں ہو رہے؟ میں نے کہا، اس لئے کہ

گلے خوشبوئے در حمام روزے
رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم تو مشکے یا عنبرے
کہ از بوئے دل آویز تو مستم
بگفتا من گل ناچیز بودم
و لیکن مدتے باگل نشستم
جمال ہمنشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہما خاکم کہ ہستم

[ایک دن خوشبو دار مٹی مجھے حمام میں اپنے محبوب کے ہاتھ سے ملی میں نے اس سے کہا کہ تو مشک ہے یا عنبر کہ میں تیری دل آویز خوشبو سے مست ہو گیا۔ اس نے کہا کہ میں ایک کم قیمت مٹی ہوں لیکن کچھ وقت ایک پھول کے ساتھ رہ چکی ہوں۔ اپنے ہمنشین کے جمال نے مجھ پر اثر کیا ورنہ میں تو وہی مٹی ہوں]

(۲)......ایک مرتبہ انڈیا میں طاعون کی بیماری پھیلی۔ حضرت مولانا یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات ڈالی کہ اسی طاعون میں انہیں شہادت

ملے گی...... حدیث پاک میں آیا ہے کہ جو طاعون کی بیماری میں مرا وہ شہیدِ آخرت میں سے ہے...... جب ان کو دفن کیا گیا تو ان کی قبر کی مٹی میں سے بھی خوشبو آتی تھی۔

(۳)...... حضرت مولانا احمد لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کو لاہور میں میانی شریف کے قبرستان میں دفن کیا گیا تو ان کی قبر کی مٹی میں سے بھی خوشبو آیا کرتی تھی۔ بعد میں ان کے لواحقین نے دعا مانگی کہ اے اللہ! اس خوشبو کو دور فرما دیجئے ورنہ لوگ مٹی اٹھا کر گھر لے جائیں گے...... عوام الناس کا تو یہی حال ہوتا ہے...... چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کی وجہ سے اس خوشبو کو لوگوں پر ظاہر ہونا ختم فرما دیا۔ البتہ ہم یقین کرتے ہیں کہ ان کی قبر کے اندر اب بھی خوشبو موجود ہو گی...... یہ خوشبو کیوں ہوتی ہے؟ یہ حقیقت میں نیکیوں کی خوشبو ہوتی ہے۔

ایک مسلمہ حقیقت

عزیز طلباء! ہم جب بھی گناہ کرتے ہیں ہم سمجھ لیں کہ ہم اس وقت اپنے اوپر نجاست مل رہے ہوتے ہیں۔ اگر ان نجاستوں کو ہم توبہ کیے بغیر اپنے ساتھ لے کر قبر میں چلے گئے تو وہاں یہ نجاست ضرور بدبو پھیلائے گی اور بدبو سے کیڑے پیدا ہوں گے۔ بلکہ نجاست میں تو ویسے ہی کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔ پھر ہمارے جسم کو کیڑے ہی کھائیں گے اور کیا ہو گا۔ اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم گناہوں سے بچیں اور اپنے جسم میں نیکی کی خوشبو پیدا کریں۔ پھر آپ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ اس دنیا میں بھی خوشبو کے اثرات دکھائیں گے اور آخرت میں بھی انشاء اللہ اس کے اثرات ملیں گے۔ تاہم یہ بات ایک مسلمہ حقیقت کی حیثیت رکھتی ہے کہ جب تک ہم اپنے دل سے گناہوں کا میل کچیل نہیں اتاریں گے اس وقت تک ہمیں اللہ رب العزت کا وصل نصیب نہیں ہو سکے گا۔ اس کی ایک مثال سن لیجئے...... ایک مرتبہ ہمیں مسکین پور

شریف جانے کا موقع ملا۔ وہاں ایک چھوٹی سی دیوار تھی۔ اسے طلباء اونچا کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ وہ سیمنٹ کی ایک بوری لے آئے۔ اینٹیں بھی منگوالیں اور خود ہی مسالہ بنا کر ذرا اونچی دیوار بنادی۔ مگر کچھ عرصے کے بعد اوپر کی بنی ہوئی دیوار خود بخود گر گئی۔ وہ اینٹیں آپس میں تو مضبوطی سے جڑی ہوئی تھیں مگر پہلے والی دیوار کے ساتھ اس کا جوڑ ٹھیک نہ لگ سکا تھا۔ طلباء پھر پریشان ہوئے۔ پھر انھوں نے کچھ عرصے کے بعد دوبارہ پیسے جمع کیے اور سیمنٹ خرید کر دوبارہ دیوار بنائی۔ مگر وہی ہوا جو پہلے ہوا تھا۔ یہ عاجز وہاں گیا ہوا تھا تو ان میں سے کچھ طلباء نے کہا کہ سنا ہے آپ انجینئر ہیں لہٰذا آپ بتادیجئے کہ ہم کہاں غلطی کر رہے ہیں۔ اس عاجز نے ان سے عرض کیا کہ آپ مسالہ بھی ٹھیک بنا رہے ہیں، پانی بھی پورا ڈال رہے ہیں، اینٹوں کو بھی گیلا کر رہے ہیں مگر ایک کوتاہی بھی کر رہے ہیں۔ وہ کوتاہی یہ ہے کہ پرانی دیوار کے اوپر مٹی جمی ہوئی ہے، آپ لوگوں نے موٹی موٹی مٹی اتاردی ہے لیکن اس کو اچھی طرح صاف نہیں کیا لہٰذا آپ لوہے کا برش لے کر اس کو پرانی دیوار کی اینٹوں پر اچھی طرح رگڑیں حتیٰ کہ ان پر مٹی اور میل کچیل ختم ہو جائے۔ چنانچہ طلباء نے ایسا ہی کیا۔ انہوں نے اچھی طرح رگڑ رگڑ کر دیوار کے اوپر کی سطح کو بالکل صاف کر دیا اور پھر سیمنٹ کی مدد سے دیوار بنادی۔ وہ دیوار بالکل صحیح دیوار کی طرح مضبوط اور یک جان بن گئی۔ طلبا بڑے حیران ہوئے۔ اس وقت اس عاجز نے موقع غنیمت جانتے ہوئے ان طلبا کو سمجھایا کہ یہاں سے معرفت کی ایک بات سمجھ میں آتی ہے کہ جب تک پرانی اینٹیں میلی رہیں ان کا نئی اینٹوں کے ساتھ جوڑ پکا نہ ہو سکا یہی حالت ہمارے قلب کی ہے، جب تک قلب کے اوپر گناہوں کی میل مٹی رہے گی تب تک اس دل کا تعلق اللہ رب العزت کی پاک ذات کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ عزیز

طلبا! ہمیں چاہئے کہ ہم گناہوں سے سچی پکی توبہ کریں۔ جب تک ہم گناہوں کی جان نہیں چھوڑیں گے اس وقت تک پریشانیاں ہماری جان نہیں چھوڑیں گی۔

گناہوں کے مضر اثرات

یادرکھنا کہ اگر ہم گناہ کریں گے تو گناہوں کے اثرات سے نہیں بچ سکیں گے۔

کیونکہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِہٖ (النساء:۱۲۳)

[جس نے بھی برائی کی اس کو اس کی سزا ملے گی]

یہاں یہ قرآنی اصول سمجھنے کی ضرورت ہے کہ جس نے بھی گناہ کیا اس گناہ کا وبال اس پر ضرور آئے گا۔ اس میں کوئی استثناء نہیں ہے کہ طالب علموں کو چھوڑ دیا جائے گا یا علما کو چھوڑ دیا جائے گا یا صوفیوں کو چھوڑ دیا جائے گا، نہیں، ضرور اثرات پڑیں گے۔

...... برف ہو اور ٹھنڈی نہ لگے۔

...... آگ ہو اور گرم نہ لگے۔

...... گناہ ہو اور اس کے برے اثرات نہ ہوں، یہ کیسے ممکن ہے؟

یادرکھیں کہ گناہوں کی سزا ضرور ملتی ہے، خواہ ہمیں اس کا احساس ہو یا نہ ہو۔ بعض اوقات تو واقعی ہمیں پتہ بھی نہیں ہوتا کہ ہم اپنے گناہوں کی وجہ سے کن کن نعمتوں سے محروم ہو رہے ہیں ...... گناہوں کے کیا کیا برے اثرات ہوتے ہیں؟

...... اب ہم اس بات کا جائزہ لیتے ہیں:

(۱) ...... گناہوں کی وجہ سے انسان کی قوتِ حافظہ کم ہو جاتی ہے۔ اکثر طالب علم یہی شکایت کرتے ہیں کہ حضرت! مجھے باتیں یاد نہیں رہتیں، مطالعہ کرتا ہوں تو بھول

جاتا ہوں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے استاد سے یہی سوال کیا تھا۔ پھر اس کو شعر کی صورت میں یوں لکھا:

شکوت الی و کیع سوء حفظی

فا وصانی الی ترک المعاصی

فان العلم نور من الٰھی

و نور اللہ لا یعطی لعاصی

[میں نے امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے حافظے کی کمی کی شکایت کی، انہوں نے وصیت کی کہ اے طالب علم! گناہوں سے بچ جاؤ کیونکہ علم اللہ تعالیٰ کا نور ہے اور اللہ تعالیٰ کا نور کسی گنہگار کو عطا نہیں کیا جاتا]

دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ گناہوں سے بچنے کی وجہ سے انسان کی قوتِ حافظہ اچھی ہوتی ہے۔ لہٰذا جو طلبا پوچھتے ہیں کہ حضرت! قوتِ حافظہ اچھی ہونے کا کوئی وظیفہ بتائیں وہ سن لیں کہ قوتِ حافظہ بڑھانے کا سب سے بڑا وظیفہ یہ ہے کہ گناہوں سے بچ جایئے۔ قوتِ حافظہ میں خود بخود اضافہ ہو جائے گا۔ یاد رکھیں کہ جیسے معتکف کو ہر وقت ثواب مل رہا ہوتا ہے اسی طرح مدرسے میں رہتے ہوئے طالب علم کو بھی ہر وقت ثواب مل رہا ہوتا ہے...... کھانے پر بھی ثواب...... سونے پر بھی ثواب...... لیٹنے پر بھی ثواب...... پڑھنے پر بھی ثواب...... حتیٰ کہ ہر ہر عمل پر طالب علم کو ثواب مل رہا ہوتا ہے کیونکہ وہ اللہ کے راستے میں ہوتا ہے۔ اس لئے طالب علموں کو چاہئے کہ وہ گناہوں سے بچیں ورنہ گناہوں کا وبال ضرور آئے گا۔

(۲)...... انسان گناہوں کی وجہ سے جسمانی قوت کی نعمت سے محروم ہو جاتا ہے۔ مثلاً وہ آ کر کہتا ہے کہ حضرت! میں کمزور ہو گیا ہوں، نظر بھی کمزور ہو گئی ہے، اٹھتا ہوں

تو آنکھوں کے سامنے اندھیرا آجاتا ہے، ہاضمہ خراب ہو گیا ہے، وضو قائم نہیں رہتا۔ ایسے حضرات کو چاہئے کہ وہ من چاہی زندگی کو چھوڑ کر رب چاہی زندگی کو اختیار کریں اور لوہے کا لنگوٹ کس کر باندھ لیں، انشاء اللہ اللہ تعالیٰ مہربانی فرمادیں گے اور اس کی یہ پریشانیاں ختم ہو جائیں گی۔

(۳)...... گناہ کا اگر کسی اور کو پتہ چل جائے تو عزت کی بجائے الٹا ذلت ملتی ہے۔ عورتوں کے سروں سے دوپٹے اتر جاتے ہیں، مردوں کے سروں سے پگڑیاں اچھل جاتی ہیں، بلکہ سر میں جوتے بھی پڑتے ہیں اور اگر کامیاب طریقے سے چھپ چھپ کر بھی گناہ کر لیا تو بھی گناہوں کے برے اثرات سے نہیں بچ سکے گا۔

(۴)...... نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم دوسروں کی عورتوں سے پرہیز گاری کا معاملہ کرو گے تو تمہاری اپنی عورتوں کے ساتھ بھی پرہیز گاری کا معاملہ کیا جائے گا...... اس اصول کو مدِ نظر رکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ جو بندہ دوسروں کی عزت خراب کرتا ہے اس کی خود اپنی عزت بھی خراب ہوتی ہے۔

ایک سنار تھا۔ اس کی بیوی نہایت خوب صورت اور خوب سیرت تھی۔ ایک دن وہ دوپہر کے وقت کھانا کھانے گھر گیا تو اس نے دیکھا کہ اس کی بیوی زارو قطار رو رہی تھی۔ اس نے پوچھا، اللہ کی بندی! کیا ہوا؟ کہنے لگی کہ یہ چھوٹا سا یتیم بچہ جو ہم نے گود میں لے کر پالا تھا اب سترہ سال کا ہو چکا ہے۔ آج میں نے اسے سبزی لینے بازار بھیجا۔ جب واپس آ کر سبزی دینے لگا تو اس نے میرے ہاتھ کو پکڑ کر دبا دیا۔ مجھے اس کی نیت میں فتور نظر آیا۔ مجھے بہت زیادہ صدمہ ہوا ہے کہ میں اس کے لئے ماں کی حیثیت رکھتی ہوں اور اس کی میرے بارے میں یہ سوچ ہے، میں اسی صدمے کی وجہ سے بیٹھی رو رہی ہوں کہ وفا دنیا سے اٹھ گئی ہے۔ یہ بات سن کر سنار کی

آنکھوں میں سے بھی آنسو آ گئے۔ بیوی کہنے لگی، اب آپ کیوں رو رہے ہیں؟ اس نے کہا کہ یہ اس بچے کی کوتاہی نہیں بلکہ یہ میری اپنی کوتاہی ہے۔ اس نے پوچھا، وہ کیسے؟ وہ کہنے لگا کہ آج میرے پاس عورتیں چوڑیاں خریدنے کے لئے آئیں۔ ان میں سے ایک عورت چوڑی پہننا چاہتی تھی مگر اس سے پہنی نہیں جا رہی تھی، اس نے مجھے کہا کہ آپ مجھے چوڑی پہنا دیں۔ جب میں نے اسے چوڑی پہنائی تو مجھے اس کے ہاتھ اچھے لگے اس لئے میں نے چوڑی پہنانے کے دوران اس کے ہاتھوں کو شہوت کے ساتھ دبا دیا تھا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میری بیوی کا ہاتھ کسی اور نے شہوت کے ساتھ دبا دیا۔

یہاں یہ بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اگر ہم اپنی نظریں ادھر ادھر کرتے پھریں گے تو کیا ہماری مائیں، بہنیں اور بیٹیاں دوسروں کی ہوس بھری نظروں سے محفوظ رہیں گی۔ خاوند کیا سمجھتے ہیں کہ ہم جس پر چاہیں نظروں کے تیر پھینکتے رہیں اور ہماری بیویاں بچی رہیں گی۔ ہرگز نہیں، کیونکہ قرآن عظیم الشان میں فرما دیا گیا ہے کہ

وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّءُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ (فاطر:۴۳)

[اور برائی کا داؤ الٹے گا انہی داؤ والوں پر]

(۵)...... گناہوں کی وجہ سے انسان مناجات کی لذت سے محروم ہو جاتا ہے۔

...... بنی اسرائیل کا ایک عالم تھا۔ اس سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا۔ ایک مرتبہ وہ دعا مانگتے ہوئے کہنے لگا، اے اللہ! میں نے تو آپ کی نافرمانی کی مگر آپ نے مجھ پر اپنی نعمتیں برقرار رکھیں، یہ تیرا کتنا بڑا احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں بات ڈالی کہ تمہیں اس کی سزا مل رہی ہے مگر چونکہ تمہاری آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اس لئے تمہیں وہ سزا نظر نہیں آ رہی۔ اس نے فوراً دعا مانگی کہ اے اللہ! آپ

واضح فرما دیجئے کہ مجھے گناہوں کی سزا کیسے مل رہی ہے؟ اللہ رب العزت نے دل میں بات ڈالی کہ کیا تم محسوس نہیں کرتے کہ جب سے تم نے یہ گناہ شروع کیا ہے ہم نے اسی دن سے تمہیں اپنی مناجات کی لذت سے محروم کر دیا ہے

(۶)...... گناہوں کی وجہ سے تہجد کی پابندی چھین لی جاتی ہے۔ ایک آدمی دعا مانگتے ہوئے رو رہا تھا۔ کسی دوسرے آدمی نے دیکھ کر سوچا کہ یہ ریاکاری کی وجہ سے رو رہا ہے۔ اس کی اس بدگمانی کی وجہ سے اسے چھ ماہ تک تہجد کی پابندی سے محروم کر دیا گیا۔

(۷)...... اللہ تعالیٰ گناہوں کی وجہ سے انسان کو تکبیرِ اولیٰ کی پابندی سے محروم کر دیتے ہیں۔ ہم سے سنتیں چھوٹ رہی ہوتی ہیں اور ہمیں احساس ہی نہیں ہوتا کہ ہم کتنی بڑی نعمت سے محروم ہو رہے ہیں۔ ہم سے مختلف اوقات کی مسنون دعائیں دانستہ طور پر چھوٹ رہی ہوتی ہیں اور ہمیں احساس ہی نہیں ہوتا کہ ہم اپنا کتنا نقصان کر رہے ہوتے ہیں۔

(۸)...... گناہوں کی کثرت کی وجہ سے دل میں گناہ کا گھناؤنا پن کم ہو جاتا ہے اور انسان گناہ کو ہلکا سمجھ کر کرتا رہتا ہے۔ مؤمن مرد گناہ کو ایسے سمجھتا ہے جیسے سر پر پہاڑ آ گیا ہو جو ابھی آ کر گرے گا اور فاسق سمجھتا ہے کہ مکھی بیٹھی تھی اڑا دی۔...... اب اگر طالب علم کی بھی یہی حالت ہو کہ اسے گناہ مکھی کی مانند ہلکا نظر آئے تو یہ کتنی بڑی نعمت سے محرومی ہے۔

(۹)...... گناہوں کی وجہ سے علوم و معارف سمجھنے کی توفیق سلب ہو جاتی ہے اور بندے کو پتہ ہی نہیں ہوتا۔

(۱۰)...... گناہوں کی کثرت کی وجہ سے علم پر عمل کرنے کی توفیق چھین لی جاتی ہے

......اس عاجز کے پاس دورۂ حدیث کے ایک طالب علم کو اس کا والد لے کر آیا اور کہنے لگا، حضرت! میرا یہ بیٹا دورۂ حدیث کا طالب علم ہے، یہ پابندی سے نمازیں نہیں پڑھتا۔ آپ دعا فرما دیں کہ یہ پابندی سے پانچ وقت کی نمازیں پڑھنی شروع کر دے۔

(۱۱)......گناہوں کی وجہ سے علم کا فیض جاری نہیں ہوتا اور انسان ابتر یعنی روحانی طور پر لاولد بن جاتا ہے۔

(۱۲)......گناہوں کی وجہ سے انسان کی بات کا اثر ختم ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج واعظِ خوش الحان تو مل جاتے ہیں مگر ان کی باتیں سر سے گزر جاتی ہیں۔

(۱۳)......اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے اس انسان کے ماتحت لوگ اس کی نافرمانی کرتے ہیں......مجاہد بن عوض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب کبھی مجھ سے اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے میں کوتاہی ہوئی میں نے اس کا اثر یا تو اپنی بیوی میں دیکھا، یا باندی میں دیکھا یا سواری کے جانور میں دیکھا گویا جب انہوں نے اپنے رب کا حکم ماننے میں کوتاہی کی تو ان کے ماتحتوں نے ان کا حکم ماننے میں کوتاہی کی۔

(۱۴)......گناہوں کی وجہ سے انسان ہر وقت Tension (پریشانی) کا شکار رہتا ہے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ انسان گناہ کا ارتکاب بھی کرے اور اسے ہمیشہ کا سکون بھی نصیب ہو جائے۔ آج لوگ گناہ کے راستے سے سکون کے متلاشی نظر آتے ہیں جب کہ یہ ان کی خام خیالی ہے۔ سکون اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جب کہ اللہ کی رضا والے کام کیے جائیں۔

گناہوں کو ہلکا نہ سمجھیں

عزیز طلبا! یاد رکھیں کہ کبھی کسی گناہ کو ہلکا نہ سمجھیں۔ حافظ ابنِ قیمؒ فرماتے ہیں کہ

اے دوست ! گناہ کرتے ہوئے یہ نہ دیکھ کہ چھوٹا ہے یا بڑا بلکہ اس پروردگار کی عظمت کو دیکھ کہ جس کی تو نافرمانی کر رہا ہے۔ کبھی کسی نے چھوٹے بچھو کو اس لئے ہاتھ نہیں لگایا کہ یہ چھوٹا ہے۔ کبھی کسی نے چھوٹے سانپ کو اس لئے ہاتھ نہیں لگایا کہ یہ چھوٹا ہے اور نہ ہی کبھی کسی نے چھوٹے انگارے کو ہاتھ لگایا ہے کہ چھوٹا ہے۔ سب چھوٹے بچھو سے بھی ڈرتے ہیں، چھوٹے سانپ سے بھی ڈرتے ہیں اور چھوٹے انگارے سے بھی ڈرتے ہیں کیونکہ وہ نقصان دہ ہوتے ہیں۔ لیکن اگلی بات بھی سن لیں کہ بچھو، سانپ اور انگارے کا نقصان پھر بھی کم ہوتا ہے اور گناہ کا وبال اس سے بہت زیادہ ہوتا ہے۔

سوچنے کی بات

میری یہ باتیں سادی سی ہیں مگر ثوابی بھی ہیں۔ لہٰذا ان کو خوب سمجھنے کی کوشش کریں ...... یہ آپ کو فائدہ دیں گی ...... جو کتابیں آج کے طالب علم پڑھتے ہیں ہو بہو یہی کتابیں ہمارے اکابر نے بھی پڑھیں۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی صحاح ستہ پڑھیں، اس وقت کی صحاح ستہ کوئی جدا نہیں تھیں۔ اسی قرآن پاک کی تفسیر پڑھی ان کے پاس کوئی علیحدہ انوکھا قرآن نہیں تھا، جو احادیث آج دورہ حدیث کا طالب علم پڑھ رہا ہوتا ہے ان حضرات نے بھی یہی کچھ پڑھا، جب سب کتابیں ایک جیسی ہیں تو پھر

...... ہر طالب علم قاسم نانوتوی کیوں نہیں بنتا؟

...... ہر طالب علم انور شاہ کشمیری کیوں نہیں بنتا؟

...... ہر طالب علم شیخ الہند محمود الحسن کیوں نہیں بنتا؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ کتابیں تو انہوں نے بھی یہی پڑھیں مگر انہوں نے کتابوں

کے پڑھنے کے ساتھ ساتھ گناہوں سے بچ کر تقوی والی زندگی گزاری اور ان علوم کے انوارات اپنے سینوں میں بھر لیے۔ یوں ان کے سینے اللہ تعالیٰ کی معرفت کے خزینے بن گئے۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ آج طلباء کے دلوں پر تالے کیوں لگے ہوئے ہیں؟ دلوں میں محبتِ الٰہی کی کیفیات کیوں نہیں آتیں؟ حالانکہ انہوں نے گھر چھوڑا، دیس چھوڑا، وطن چھوڑا، عزیز و اقارب چھوڑے اور سارا دن قرآن مجید اور حدیث مبارکہ پڑھنے میں مصروف رہتے ہیں، اگر اب بھی ان کے دلوں میں معرفت کی لذت نہیں آتی تو پھر کب آئے گی؟ اور اگر نہیں آتی تو کیوں نہیں آتی؟...... جواب یہ ہے کہ وہ سارا دن اپنے دل میں قرآن و حدیث کا نور اکٹھا کرتے ہیں اور عصر سے مغرب تک کے وقفے میں بازاروں میں نکل جاتے ہیں، وہاں بدنظری کے مرتکب ہو کر اور ہنسی مذاق کی الٹی سیدھی باتیں کر کے اس نور پر جھاڑو پھیر دیتے ہیں۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے والد محترم حضرت مولانا یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر طالب علم کو دوستی لگانے کا مرض ہے تو وہ کتنا ہی ذہین کیوں نہ ہو اس کی کشتی کبھی نہ کبھی بیچ دریا کے ڈوب جائے گی اور اگر طالب علم کتنا ہی غبی اور کند ذہن کیوں نہ ہو اگر اس کو دوستی لگانے کا مرض نہیں ہے تو کبھی نہ کبھی اس کی کشتی کنارے ضرور لگ جائے گی ...... اب آپ حصولِ علم کی غرض سے یہاں اساتذہ کے قدموں میں پہنچ چکے ہیں، آپ اپنے اس آنے کی قدر کریں اور ہر قسم کے گناہوں سے بچیں۔

دین کی برکت سے ایمان کی سلامتی

عزیز طلبا! آپ بڑے خوش نصیب ہیں۔ آپ حضرات نے دین پڑھ کر بڑا اچھا سودا

کیا ہے۔ اس دین کی برکت سے آپ کا ایمان سلامت رہے گا .... انشاء اللہ .... ایک مرتبہ کسی محفل میں کالج یونیورسٹی کا پڑھا ہوا ایک شخص ملا۔ وہ داڑھی منڈا تھا، مگر مسلمان تھا۔ اس نے ایسی عجیب بات کی کہ جس سے مجھے شک پڑ گیا کہ خدا جانے اس کا ایمان محفوظ بھی ہے یا نہیں ...... نقل کفر کفر نہ باشد ...... وہ کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ میں بڑی Favouritism (جانبداری) ہے۔ استغفر اللہ۔

......ایک مرتبہ ہم ساؤتھ افریقہ میں تھے۔ وہاں ایک ڈاکٹر صاحب سے ملاقات ہوئی۔ ان کا Life Style (طرز زندگی) انگریزوں والا تھا۔ وہ بڑی خوشی سے بتانے لگے کہ میں بھی ڈاکٹر ہوں، میرے تین بیٹے بھی ڈاکٹر ہیں، پھر ان کی بیویاں بھی ڈاکٹر ہیں، ہماری فیملی میں آٹھ نو ڈاکٹر ہیں۔ کوئی انگلینڈ میں ہے، کوئی امریکہ میں ہے اور کوئی فلاں جگہ پر ہے۔ اب سوچئے کہ ان کو فقط اس بات پر ناز ہے کہ ان کے خاندان میں آٹھ نو میڈیکل ڈاکٹر ہیں اور اس بات کی پروا بھی نہیں کہ ان میں سے کون دین پر ہے اور کون دین پر نہیں ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا کی زندگی پر خوش ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے بڑا اچھا کام کر لیا ہے، حالانکہ یہ خسارہ اٹھانے والے ہیں۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ○ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ هُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا○

(الکہف: ۱۰۳،۱۰۴)

[کہہ دیجئے کہ میں آپ کو اعمال کے اعتبار سے سب سے زیادہ خسارہ پانے والوں کے بارے میں نہ بتاؤں، وہ لوگ جن کی تمام کوششیں دنیا کیلئے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم بہت اچھا کام کر رہے ہیں]

اہلِ نظر کی دعاؤں کی برکات

جب انسان اللہ والوں کی نگاہوں میں آتا ہے تو گناہوں کی دلدل سے نکل جاتا ہے۔ ایک نوجوان سلسلۂ عالیہ میں بیعت ہوئے۔ وہ کہنے لگے کہ میں پاکستان کے وفاق المدارس میں مسلسل تین سالوں سے فرسٹ آرہا تھا مگر گناہ کبیرہ سے نہ بچ سکا، بیعت ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس گناہ سے بچنے کی توفیق عطا فرما دی۔ ......جی ہاں، یہ نسبت کا نور ہوتا ہے جو سینوں میں منتقل ہوتا ہے۔ یہ بڑوں کی دعائیں ہوتی ہیں جو انسان کے گرد پہرہ دیتی ہیں۔

؎ دور بیٹھا کوئی تو دعائیں دیتا ہے
میں ڈوبتا ہوں سمندر اچھال دیتا ہے

یہ اہلِ نظر کی دعائیں اور اہلِ ہمم کی ہمتیں ہوتی ہیں۔ وہ تہجد کے اندر گڑگڑا رہے ہوتے ہیں اور ان کے لئے دعا مانگ رہے ہوتے ہیں۔ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کہاں کہاں کس کس کی دعاؤں کے صدقے گناہوں سے حفاظت فرما رہے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم گناہوں کے پیچھے بھاگ رہے ہوتے ہیں، ہم ترکیبیں ڈھونڈ رہے ہوتے ہیں، ہم گناہوں کا موقع تلاش کر رہے ہوتے ہیں مگر ہماری کوشش کے باوجود ہمیں گناہوں کا موقع نہیں ملتا۔ اس میں ہمارا کوئی کمال نہیں ہے، یہ اللہ والوں کی دعاؤں کا کمال ہوتا ہے جو وہ تہجد کے وقت سالکین کی ترقی کے لئے مانگ رہے ہوتے ہیں۔

خوفِ خدا ہو تو ایسا......!!!

آج ہم گناہ کرنا چاہتے ہیں لیکن ہمیں گناہ کا موقع نہیں ملتا، اس لئے گناہ نہیں

کر پاتے۔ جب کہ ہمارے اسلاف ایسے متقی اور پرہیزگار ہوتے تھے کہ ان کو اگر گناہ کا موقع بھی ملتا تھا تو وہ خوفِ خدا کی وجہ سے اس موقع سے فائدہ نہیں اٹھاتے تھے۔ مثال کے طور پر......

ایک تابعی کے بارے میں آتا ہے کہ ان کو عیسائی بادشاہ نے قید کروا دیا۔ وہ چاہتا تھا کہ ان کو قتل کروا دے مگر اس کے وزیر نے کہا کہ نہیں، اس کے اندر بہادری اتنی ہے کہ اگر یہ کسی طرح ہمارے مذہب پر آجائے تو یہ ہماری فوج کا کمانڈر انچیف بنے گا، ایسا بندہ آپ کو کہاں سے مل سکے گا۔ اس نے کہا اچھا میں اس کو اپنے مذہب پر لانے کی کوشش کرتا ہوں...... اس کا خیال تھا کہ میں اس کو لالچ دوں گا...... چنانچہ اس نے ان کو لالچ دیا کہ ہم تجھے سلطنت دیں گے تم ہمارا مذہب قبول کر لو۔ مگر انہوں نے کوئی توجہ نہ دی، جب انہوں نے کوئی توجہ ہی نہ دی تو وہ پریشانی کے عالم میں بیٹھا سوچ رہا تھا۔ اس دوران اس کی نوجوان بیٹی نے پوچھا، ابا جان! آپ پریشان کیوں بیٹھے ہیں؟ اس نے کہا، بیٹی! یہ معاملہ ہے۔ وہ کہنے لگی، ابا جان! آپ مجھے اجازت دیں تو میں اس کو Track (راستہ) پر لاتی ہوں۔

چنانچہ بادشاہ نے انہیں ایک کمرے میں بند کروا دیا اور اس لڑکی سے کہا کہ تم اسے Track (راستہ) پر لے آؤ۔ اب وہ لڑکی اس کے لئے کھانا لاتی اور بن سنور کر سامنے آتی۔ اس کا یہ سب کچھ کرنے کا مقصد انہیں اپنی طرف مائل کرنا تھا۔ وہ لڑکی اس طرح چالیس دن تک کوشش کرتی رہی مگر انہوں نے اسے آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ چالیس دن گزرنے کے بعد وہ ان سے کہنے لگی کہ آپ کیسے انسان ہیں، دنیا کا ہر مرد عورت کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور میں اس قدر خوبصورت ہوں کہ ہزاروں میں سے کوئی ایک بھی ایسی نہیں۔ اور میں تمہارے لئے روزانہ بن سنور کر آتی رہی،

مگر تم نے تو کبھی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا، اس کی کیا وجہ ہے؟ تو مرد نہیں ہے یا کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ میرے پروردگار نے غیر عورت کی طرف دیکھنے سے منع فرمایا ہے اس لئے میں نے آپ کی طرف توجہ نہیں کی۔

اس لڑکی نے کہا کہ جب تمہیں پروردگار کے ساتھ اتنی محبت ہے تو پھر ہمیں بھی کچھ تعلیمات دو۔ چنانچہ انہوں نے اس لڑکی کو دین کی باتیں سکھانی شروع کر دیں۔ ......شکار کرنے کو آئے شکار ہو کے چلے...... بالآخر وہ لڑکی اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہو گئی لہٰذا انہوں نے اس کو کلمہ پڑھا کر مسلمان بنا دیا۔ وہ کلمہ پڑھ کر کہنے لگی کہ اب میں مسلمان ہوں لہٰذا اب میں یہاں نہیں رہوں گی۔ بعد میں اس نے خود ہی ایک ترکیب بتائی جس کی وجہ سے ان تابعی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی قید سے نجات مل گئی اور وہ لڑکی خود بھی محلات کو چھوڑ کر مسلمانوں کے ساتھ چلی گئی...... اللہ اکبر......

حیرت کی بات ہے کہ ایک جوان لڑکی ان کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے چالیس دن تک تنہائی میں کوشش کرتی رہی مگر انہوں نے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا...... یا اللہ! ہمیں تو حیرانی ہوتی ہے...... فرشتوں کو بھی تعجب ہوتا ہوگا...... یہ کس لئے تھا؟ اس لئے کہ ان کا تزکیہ ہو چکا تھا اور نفس کے اندر سے گندگی نکل چکی تھی...... مگر آج نوجوانوں کی حالت ایسی ہے کہ وہ گناہ اس لئے نہیں کر پاتے کہ کوئی گناہ کے لئے تیار نہیں ہوتا ورنہ اگر کوئی گناہ کا اشارہ کر دے تو گناہ کے لئے ابھی تیار ہو جائیں۔

اتنی پاکباز ہستیاں......!!!

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات میں فرماتے ہیں کہ اس امت میں

ایسی ایسی پاک باز ہستیاں بھی گزری ہیں جن کے گناہ لکھنے والے فرشتے کو بیس بیس سال تک گناہ لکھنے کا موقع ہی نہیں ملا اللہ اکبر..... جب یہ حضرات ایسے نامہ اعمال کو لے کر اللہ رب العزت کے حضور پیش ہوں گے اور دوسری طرف ہم ہوں گے کہ گناہ سے کوئی دن خالی نہیں ہوتا۔ حالانکہ سالک کے دل میں تو ہر وقت یہ غم ہونا چاہیے کہ میں نے اپنے وجود سے اللہ تعالیٰ کی کوئی نافرمانی نہیں کرنی۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم رات کے وقت رو رو کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ اے مالک! میں گناہوں سے نہیں بچ سکتا آپ چاہیں تو مجھے بچا سکتے ہیں، آپ میری حفاظت فرما لیجیے۔

توبہ کرنے کے دو فائدے

اگر آپ نے اس محفل میں اپنے دل میں پکا ارادہ کر لیا کہ رب کریم! آج میں نے اپنے سب گناہوں سے توبہ کر لی تو سمجھ لیجیے کہ ہم نے اپنے دل کو دھو لیا اور ہم نے اپنے آپ کو اللہ رب العزت کے قریب کر دیا۔ جب تک گناہوں کو نہیں چھوڑیں گے اس وقت تک اللہ رب العزت کا وصل نصیب نہیں ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے مشائخ کے پاس جب بھی کوئی آتا ہے تو وہ سب سے پہلا کام ہی یہ کرواتے ہیں کہ بھئی! اپنے گناہوں سے توبہ کرو..... اچھا، بعض اوقات شیطان دل میں یہ بات ڈالتا ہے کہ تو فلاں گناہ نہیں چھوڑ سکتا، تو بھئی! اپنے آپ کو سمجھائیں کہ اگر ہم گناہ نہیں چھوڑ سکتے تو اللہ تعالیٰ تو ہم سے گناہ چھڑوا سکتے ہیں کیونکہ ہمارے دل ان کی انگلیوں کے درمیان میں ہیں۔

يُقَلِّبُهَا كَيْفَ يَشَاءُ

(اللہ تعالیٰ جیسے چاہتے ہیں دلوں کو پھیر دیتے ہیں)

اگر اللہ تعالیٰ نے دلوں کو پھیر دیا تو پھر گناہوں کو چھوڑنا آسان ہو جائے گا۔ اس لئے توبہ کرنے کی سچی پکی نیت کر لیجئے اور گناہ کو چھوڑنے کا ارادہ کر لیجئے۔ بھلے کوئی بندہ روز گناہ کرتا ہے، پھر بھی وہ توبہ کی نیت کر لے اس کے دو فائدے ہوں گے ایک فائدہ تو یہ کہ اس توبہ کی وجہ سے آج تک جتنے گناہ کئے وہ تو معاف ہو جائیں گے اور پچھلا حساب بے باق ہو جائے گا۔ یہ تو فائدہ ہے ہی سہی اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت مدد فرما کر آئندہ بھی حفاظت فرمادیں گے۔ اول تو دو فائدے ملیں گے ورنہ ایک فائدہ تو لازمی ملے گا۔ لہٰذا توبہ ایک ایسا عمل ہے جو ہر وقت کرتے رہنا چاہیے تاکہ اس توبہ سے ہمارے سابقہ سب گناہ معاف ہو جائیں۔ ورنہ شیطان کئی دفعہ ورغلاتا ہے اور کہتا ہے کہ "نو سو چوہے کھا کر بلی حج کو چلی" شیطان طلبا کے ذہن میں ایسی بات ڈال دیتا ہے کہ میں تو روزانہ گناہ کرتا ہوں، میں کیسے توبہ کر سکتا ہوں۔ بھئی! سچی بات یہ ہے کہ نو سو چوہے تو کیا ہزار چوہے کھا کر بھی حج کو جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ ہزار کو بھی معاف فرمادیں گے کیونکہ مشائخ نے فرمایا ہے کہ

صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

میرے بندے! سو دفعہ توبہ کی سو دفعہ توڑ بیٹھا تو اب بھی میرے در پہ آجا میرا در کھلا ہے۔ تو توبہ کرے گا تو میں تیری توبہ قبول کر لوں گا۔

ہم تو ایسے سوچنا شروع کر دیتے ہیں کہ جیسے ہم نے بخشنا ہوتا ہے۔ اگر ہم نے کسی کو بخشنا ہوتا تو پھر واقعی ہم تو اتنی سی غلطی بھی معاف نہ کرتے۔ او خدا کے بندے! اللہ تعالیٰ نے بخشنا ہے اور اللہ رب العزت کی ذات بڑی رحیم و کریم ہے۔ بندے سے معافی مانگنی ہوتی تو یہ بڑا مشکل کام تھا۔ شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنی ہوتی

ہے۔ البتہ جو حقوق بندوں کے تلف کیے ہیں وہ تو بندوں سے ہی بخشوانے ہیں۔ لہٰذا اگر آپ محسوس کرتے ہیں کہ آپ نے کسی کا دل دکھایا ہے اور کسی کا حق مارا ہے تو اس بندے سے معافی مانگ لیجیے کیونکہ دنیا کی شرمندگی تھوڑی ہے اور آخرت کی شرمندگی بڑی اور بری ہے۔

ایک آدمی دکان پر اکاؤنٹ کا کام کرتا ہے۔ اس کو پتہ بھی ہے کہ آڈٹ والوں نے چیک کرنے آنا ہے اور وہ اپنی کتاب کو چیک ہی نہیں کرتا تو جس دن آڈٹ والے آئیں گے تو وہ جوتے ہی کھائے گا۔ لہٰذا اس کو چاہیے کہ وقت سے پہلے ہی اپنا حساب کتاب دیکھ لے کہ Figures (ہندسے) ایک دوسرے کے ساتھ ملتی بھی ہیں یا نہیں۔ جس طرح دکاندار وقت سے پہلے اپنے آڈٹ کے لئے تیار ہوتا ہے اسی طرح ہم بھی اپنے قبر کے آڈٹ سے پہلے اپنے آپ کو تیار کر لیں۔ اور یہ بڑا آسان کام ہے کیونکہ توبہ کرتے وقت کوئی Exercise (ورزش) تو نہیں کرنی ہوتی ...... اگر کوئی Exercise (ورزش) ہوتی کہ تم نے ڈنڈ بیٹھکیں نکالنی ہیں تو ہو سکتا ہے کہ کوئی عذر کرتا کہ میں تو کمزور ہوں لہٰذا نکال نہیں سکتا۔ ...... بھئی! توبہ کا تعلق تو دل کی نیت کے ساتھ ہے، اگر کوئی بندہ دل ہی میں نادم ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ اَلنَّدَمُ تَوْبَۃٌ کے مصداق دل کی ندامت پر ہی اس کے گناہوں کو معاف فرما دیں گے۔

شرمندگی کی آگ میں جلنا بہتر ہے

اب ایک مسئلہ سن لیجیے ...... حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ آیت مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِہٖ کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو گناہ کرے گا اس کو اس کی سزا ملے گی۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ یا تو سزا

دنیا میں ملے گی یا پھر آخرت میں ملے گی۔ دنیا کی سزا یہ ہے کہ یا تو اللہ تعالیٰ گناہوں کی وجہ سے اس پر پریشانیاں ڈال دیں گے اور پھر گناہ کو معاف کر دیں گے اور اگر پریشانیاں نہ ڈالیں تو پھر اگر وہ بندہ خود توبہ تائب ہو جائے تو اس سے اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دیں گے۔ یہ بھی تو ایک قسم کی سزا ہی ہے کہ ایک بندہ اپنے دل میں نادم وشرمندہ ہو جائے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا رہے۔ تو وہ فرماتے ہیں کہ جس بندے نے بھی گناہ کیا اس کو دو میں سے ایک آگ میں جلنا پڑے گا۔ یا تو دنیا میں ندامت اور شرمندگی کی آگ میں جلے، اندر ہی اندر کڑھن ہو، ندامت ہو، معافی مانگ رہا ہو اور توبہ کر رہا ہو۔ اگر وہ دنیا میں ندامت کی آگ میں جلے گا تو اللہ تعالیٰ آخرت کی آگ سے محفوظ فرمالیں گے اور اگر دنیا میں نادم اور شرمندہ نہیں ہوگا تو ان گناہوں کی وجہ سے آخرت کی آگ میں جلنا پڑے گا۔

اب آسان طریقہ کون سا ہے؟...... دنیا میں نادم اور شرمندہ ہو کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لینا زیادہ آسان ہے کیونکہ ہم آخرت کی آگ میں جلنے کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ ہم تو ناز و نعمت کے پلے ہوئے بندے ہیں، ہم تو دھوپ کی گرمی برداشت نہیں کر سکتے بھلا جہنم کی گرمی کیسے برداشت کر سکتے ہیں۔ اسلئے عزیز طلباء! ہمیں چاہئے کہ ہم اسی وقت اپنے تمام گناہوں سے پکی سچی توبہ کر لیں اور دل میں شرمندگی ہو کہ اے میرے مالک! میں اب تک گناہ کرتا رہا، اب مجھے بات سمجھ میں آئی ہے کہ یہ گناہ تو نجاست ہیں اور انہوں نے میرے جسم کے اعضا کو نجس بنا دیا ہے...... اور واقعی اگر اللہ تعالیٰ ہمارے گناہوں کی بدبو کو ظاہر فرما دیتے تو ہمارے پاس تو کوئی بیٹھنا بھی پسند نہ کرتا۔ یہ تو پروردگار کی رحمت ہے کہ اس نے پردے ڈال دیئے ہیں...... اس لئے یہی دعا مانگیں کہ رب کریم! جس طرح آپ نے ہماری ظاہری

نجاستوں کے اوپر پردے ڈال دیئے ہیں اسی طرح ہماری باطنی نجاستوں پر بھی پردے ڈال دیجئے۔

جہنم سے خلاصی کا ایک عجیب سبب

یاد رکھیں کہ اگر مکھی کے سر کے برابر بھی بندے کی آنکھوں میں سے آنسو اللہ کے خوف کی وجہ سے نکلے گا تو وہ اس بندے کے لئے کبھی نہ کبھی جہنم سے نکلنے کا سبب بن جائے گا...... جہنم میں ایک جہنمی جل رہا ہوگا۔ وہ دیکھے گا کہ جنتی آئے ہیں اورانہوں نے اپنے واقف لوگوں کی سفارشیں کی ہیں اور جہنمیوں کو نکال دیا گیا ہے۔ اس بندے کا کوئی بھی ایسا واقف نہ ہوگا جو اس کی سفارش کرے۔ وہ اپنی بے بسی دیکھ کر پریشان ہوگا۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب کوئی بھی اس کی سفارش نہیں کرے گا تو اس بندے کی پلکوں کا ایک بال اللہ رب العزت کے سامنے فریاد کرے گا اور کہے گا کہ اے اللہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ بندہ ایک مرتبہ آپ کی عظمت کو سامنے رکھتے ہوتے اپنے گناہوں کو یاد کر کے رویا تھا اور اس کی آنکھ سے اتنا چھوٹا سا آنسو نکلا تھا کہ میں اس سے تر ہو گیا تھا، لہٰذا آپ میری گواہی کو قبول کر لیجئے کہ یہ آپ سے ڈرنے والا بندہ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرشتے سے فرمائیں گے کہ تم اعلان کر دو کہ ہم نے اس بال کی گواہی کو قبول کر کے اس بندے کو جہنم سے بری فرما دیا ہے۔ سبحان اللہ۔

گناہ کے موقع سے بچنے کی دعا

عزیز طلباء! اللہ کے حضور دعا مانگا کریں کہ اے اللہ! ہمیں گناہوں کے موقع سے بھی بچا لیجئے۔

غم حیات کے سائے محیط نہ کرنا
کسی غریب کو دل کا غریب نہ کرنا
میں امتحان کے قابل نہیں میرے مولا
مجھے گناہ کا موقع نصیب نہ کرنا

یہ اللہ تعالیٰ ہی ہمیں گناہوں سے بچا سکتے ہیں۔

وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ج اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ

[اور میں پاک نہیں کہتا اپنے نفس کو بے شک نفس تو سکھاتا برائی مگر جو رحم کر دیا میرے رب نے] (یوسف:۵۳)

رب کا رحم کب ہوتا ہے؟...... جب بندہ خود بچنے کی کوشش کرے اور معاملہ اس کے سر سے اوپر پہنچ جائے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کو بچا لیتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو جب گناہ کی دعوت ملی تھی تو انہوں نے فوراً اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس گناہ سے بچا لیا۔

دو عجیب دعائیں

آپ بھی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کریں کہ اے اللہ! شیطان مردود کو ہم سے دور کر دیجئے۔ چونکہ اللہ والے دعائیں مانگتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرمادیا کرتے ہیں۔ رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا جب رات کو تہجد کے لئے اٹھتی تھیں تو دو عجیب دعائیں مانگتی تھیں۔

(۱)...... اے اللہ! رات آگئی، ستارے چھٹک چکے، دنیا کے بادشاہوں نے دروازے بند کر لیے، اللہ! تیرا دروازہ اب بھی کھلا ہے، میں تیرے در پر مغفرت کا سوال کرتی ہوں۔

(۲)......اے اللہ! جس طرح آپ نے آسمان کو زمین پر گرنے سے روکا ہوا ہے اسی طرح شیطان کو میرے اوپر مسلط ہونے سے روک دیجئے۔

جب انسان اس طرح اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کرتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت بھی فرماتے ہیں۔

توبہ کرتے وقت رونے کی فضیلت

یاد رکھیں کہ توبہ کرتے وقت رونے کو معمولی نہ سمجھیں بلکہ کوشش کریں کہ آنکھوں میں سے آنسو موتیوں کی طرح گرنے شروع ہو جائیں۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ نبی علیہ السلام کا وعظ سن رہے تھے۔ وعظ سنتے ہوئے ایک صحابی زار و قطار رونے لگ گئے۔ ان کی حالت دیکھ کر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ یہ آج اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح روئے ہیں کہ ان کی وجہ سے یہاں پر موجود سب لوگوں کے گناہوں کو معاف فرما دیا گیا ہے۔...... یہی بات عرض کروں کہ اگر نیکوں پر گنہگاروں کی توبہ کا اجر واضح ہو جائے تو وہ بھی گنہگاروں پر رشک کرنے لگ جائیں کہ انہوں نے اتنے بڑے بڑے گناہ کیے تھے مگر ایسی توبہ کی کہ اللہ نے ان کے گناہوں کو بھی نیکیوں میں تبدیل فرما دیا۔ بلکہ کئی خوش نصیب لوگ ایسے خلوص سے توبہ کرتے ہیں کہ اگر ان کی توبہ کے ثواب کو پورے شہر کے گنہگاروں پر تقسیم کر دیا جائے تو اللہ رب العزت سب گنہگاروں کی مغفرت فرما دیں۔

ایک عورت کی لاجواب توبہ

ایک مرتبہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دور میں ایک عورت کبیرہ گناہ کا ارتکاب کر بیٹھی۔ کسی کو اس کا پتہ بھی نہیں تھا۔ یہ معاملہ اس کے اور اس کے پروردگار کے

درمیان تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں یہ احساس ڈالا کہ دنیا کی تکلیف تھوڑی ہے اور آخرت کی زیادہ ہے اور دنیا کی ذلت تھوڑی ہے اور آخرت کی زیادہ ہے۔ لہٰذا مجھے چاہیے کہ میں اپنے اس گناہ کو دنیا میں ہی پاک صاف کروا جاؤں۔ چنانچہ وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! مجھ سے گناہ سرزد ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنا رخ دوسری طرف پھیر لیا۔ اس نے دوسری طرف سے آ کر کہا، اے اللہ کے نبی ﷺ! مجھ سے گناہ سرزد ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے پھر اپنا رخ پھیر لیا۔ اللہ کے محبوب ﷺ نے چار مختلف اطراف میں رخ کیا اور اس نے چاروں طرف سے آ کر بتایا کہ مجھ سے گناہ کبیرہ سرزد ہوا ہے... اب چار مرتبہ کیوں رخ پھیرا؟...اس لئے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اس سے چار مرتبہ گواہی لینا چاہتے تھے۔ کیونکہ اس وقت تک حد جاری نہیں ہو سکتی جب تک گواہی نہ ہو۔

اس عورت نے اقرار کرتے ہوئے کہا کہ میں نے گناہ کیا ہے اور وہ گناہ میرے پیٹ میں پل رہا ہے۔ اب میں چاہتی ہوں کہ آپ مجھ پر حد جاری کر کے مجھے اس گناہ سے پاک فرما دیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ابھی جاؤ اور جب وضع حمل ہو جائے تو پھر آنا۔ چنانچہ وہ چلی گئی۔

جب بچے کی پیدائش ہو گئی تو وہ بچے کو لے کر پھر آئی اور پھر عرض کرنے لگی کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! اب آپ مجھ پر حد جاری کیجئے۔ اللہ کے محبوب ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابھی اس بچے کو دودھ پلاؤ۔ چنانچہ وہ پھر واپس چلی گئی۔

دو سال دودھ پلانے کے بعد وہ پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی، اے اللہ کے محبوب ﷺ! آپ مجھ پر حد جاری

کر دیجئے۔اب کی بار جب وہ آئی تو بچے کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا جسے وہ کھا رہا تھا...... وہ بتانا چاہتی تھی کہ اب یہ میرے دودھ کا محتاج نہیں رہا ......اب اس پر حد جاری کی گئی۔

غور کیجئے کہ اس نے وضع حمل سے پہلے اپنے گناہ کا اقرار کیا، پھر دو سال دودھ پلانے کے بھی گزرے۔مگر اس میں ایسی استقامت تھی کہ وہ بار بار آتی رہی۔اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں یہ بات ڈال دی تھی کہ میں دنیا میں ہی اس بوجھ سے پاک ہو جاؤں۔چنانچہ اس کو سنگسار کر دیا گیا......سنگسار کرتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے بارے میں کوئی سخت بات کہہ دی مگر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

> ''عمر! اس نے ایسی سچی توبہ کی ہے کہ اگر اس کی توبہ کے اجر وثواب کو شہر والوں پر تقسیم کر دیا جائے تو شہر کے سب گنہگاروں کی مغفرت ہو جائے۔''

سبحان اللہ۔

اطاعتِ الٰہی پر انعامِ الٰہی

عزیز طلبا! جب ہم بھی اللہ رب العزت کے حضور اپنے گناہوں کا یوں اقرار کریں گے تو رب کریم ہمارے گناہوں کو معاف بھی فرما دیں گے اور آئندہ گناہوں سے ہماری حفاظت بھی فرما دیں گے۔پھر دیکھنا کہ سینے میں علم کی معرفت کی ایسی شمع جلے گی کہ اللہ رب العزت اس کے نور سے پوری دنیا کو منور فرما دیں گے......جی ہاں، جب کوئی کاریگر کوئی ماسٹر پیس تیار کرتا ہے تو وہ سب لوگوں کو دکھانے کے لئے اسے بطور Symbol (نشان) اپنے پاس رکھ لیتا ہے۔چنانچہ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کے کچھ بندے ایسے ہوتے ہیں جو گناہوں سے توبہ

کر کے اپنے من میں اللہ رب العزت کی محبت کو اتار چکے ہوتے ہیں۔ وہ ایسے Symbol (نشان) بن جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو پوری دنیا کے انسانوں کو دکھلانے کے لئے قبول کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے لئے دنیا کے ملکوں کو محلے بنا دیتے ہیں، پھر وہ پوری دنیا میں پھرتے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ پوری دنیا کے انسانوں کو یہ بتاتے ہیں کہ ان کو دیکھو .....

..... میرے یہ بندے Symbol (نشان) بنے ہوئے ہیں

..... انہوں نے دل سے ماسوی کو کیسے نکالا

..... اور یہ کیسے میرے بنے۔

آج اس وقت گناہوں سے سو فیصد بچنے والی قدسی ہستیاں بہت کم ہیں۔ اللہ کرے کہ ہم کوشش کرنے والے بن جائیں۔

؎ حال دل جس سے میں کہتا کوئی ایسا نہ ملا
بت کے بندے تو ملے اللہ کا بندہ نہ ملا

اللہ تعالیٰ ہمیں گناہوں سے سو فیصد بچنے کی اور اُدْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَافَّةً کے مصداق اپنی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرما دے۔ (آمین ثم آمین)

واٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین .

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۝

دعاؤں کی رات

یہ بیان ۱۵ شعبان ۱۴۲۳ھ مطابق ۲۰ اکتوبر ۲۰۰۲ء (بر موقع سالانہ نقشبندی اجتماع) کو جامع مسجد مدینہ جھنگ میں بعد از عشاء ہوا، یہ شب برأت تھی اور حاضرین میں سالکین اور عوام الناس کی کثیر تعداد موجود تھی۔

اقتباس

علماء نے لکھا ہے کہ چار راتوں میں اللہ تعالیٰ خیر کے دریا بہا دیتے ہیں۔

(۱) لیلۃ القدر میں

(۲) شب عرفہ (عرفات کی رات) میں

(۳) لیلۃ البراءۃ (شب براءت) میں

(۴) لیلۃ الجائزہ (عیدالفطر کی رات) میں

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جس طرح انسانوں کی عیدیں ہوتی ہیں اسی طرح شب برأت فرشتوں کی عید ہوتی ہے......

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

غصہ اور اس کا علاج

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِo بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ط وَ اللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَo وَ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَo

وَ الْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَامُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

تربیت کی ضرورت

''تعلیم وتربیت'' دو الفاظ شروع ہی سے اکٹھے رہے ہیں۔ تعلیم تو انسان مدارس سے، سکولوں سے، کالجوں اور یونیورسٹیوں سے حاصل کرتا ہے مگر وہاں تربیت مفقود ہے۔ پہلے وقتوں میں لڑکپن میں ماں باپ تربیت کرتے تھے اور جوان ہونے کے بعد پیر استاد کرتے تھے۔ لیکن آج وقت کچھ اور ہے۔ آج کل کے لڑکے ماں باپ سے کوئی اصلاحی بات سننا پسند ہی نہیں کرتے۔ ان کو باپ اچھا نہیں لگتا کیونکہ وہ روکتا ہے، البتہ ماں اچھی لگتی ہے کیونکہ وہ ہر چیز کی اجازت دے دیتی ہے۔ بلکہ بعض نوجوان باپ سے ایسے نفرت کرتے ہیں جیسے پاپ سے نفرت کی جاتی ہے۔ انہیں روک ٹوک اچھی نہیں لگتی۔ نفس اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ مجھے کسی بات سے

روکا جائے۔ اور جو کوئی اسے روکے وہ اسے اچھا نہیں لگتا۔ اگر کوئی بڑا سمجھائے تو اس سے بولنا چھوڑ دیتے ہیں۔ بڑا بھائی سمجھا دے تو چھوٹا اس سے بولنا چھوڑ دیتا ہے اور اگر باپ سمجھا دے تو وہ نوجوان اپنے والد کے سامنے آتا ہی نہیں۔ خون اتنے سفید ہو چکے ہیں۔ گویا جو خواہشات پوری کرنا سکھائے اسے دوست سمجھتے ہیں اور جو نفس کی مکاریاں بتلائے اسے دشمن سمجھتے ہیں۔ یہ قرب قیامت کی علامات میں سے ہے۔

انسان کے تین برتن

اللہ رب العزت نے انسان کو تین برتن عطا کیے ہیں۔

جذبات کا برتن

ان میں سے پہلا برتن انسان کا دل ہے۔ یہ جذبات کا سرچشمہ ہے۔ انسان میں جتنے بھی جذبات ہوتے ہیں ان کا تعلق دل سے ہے۔ محبت کا جذبہ، نفرت کا جذبہ، بہادری کا جذبہ، بزدلی کا جذبہ، سخاوت کا جذبہ، بخیلی کا جذبہ۔ ان سب جذبات کا تعلق انسان کے دل کے ساتھ ہے۔ اس کے علاوہ ایمان اور کفر کا تعلق بھی انسان کے دل کے ساتھ ہی ہے۔

خیالات کا برتن

دوسرا برتن عقل ہے۔ یہ خیالات کا برتن ہے۔ یہ انسان کے جسم میں آنے والے اچھے اور برے سب خیالات کا برتن ہے۔ سب خیالات کا محور اور مرکز عقل ہے۔ جس طرح کمپیوٹر کے اندر ایک Math Co.processor ہوتا ہے۔ پروگرام میں جہاں کہیں Mathematically equation آ جائے تو وہ سیدھی Math

Co.processor کی طرف ریفر کر دی جاتی ہے، اسی طرح انسان کے دماغ میں جتنے بھی خیالات Process ہو رہے ہوتے ہیں وہ انسان کے دماغ میں ہوتے ہیں۔

یوں سمجھئے کہ انسان کا دماغ خیالات کا موٹر وے ہے۔ جیسے موٹر وے پر کاریں بھی ہوتی ہیں، بسیں بھی ہوتی ہیں اور بڑے بڑے ٹریلر بھی ہوتے ہیں اسی طرح انسان کے دماغ کی موٹر وے کے اوپر بھی ہر طرح کے خیالات آ جا رہے ہوتے ہیں۔ کبھی دنیا سے متعلق، کبھی دین سے متعلق، کبھی اپنے متعلق اور کبھی غیروں کے متعلق۔ یہ خیالات بار بار آ رہے ہوتے ہیں۔ خیالات کا بار بار آنا بھی اللہ کی رحمت ہے۔ اگر یہ خیالات بار بار نہ آتے تو ہماری زندگی میں مشکل پیدا ہو جاتی۔

فرض کریں کہ ایک صوفی صاحب سے اس کی بیوی نے کہا دوپہر کو مہمانوں نے آنا ہے، آپ سبزی لا کر دے دیں کھانا بنانا ہے۔ گھر سے نکلے اور ان کو دس پندرہ سال کے بعد پرائمری سکول کے دوست مل گئے۔ اب اس سے باتیں کرنے لگ گئے۔ اگرچہ وہ بات کرر ہے ہوں گے لیکن ان کے دماغ میں ہٹ ہٹ کر خیال آئے گا کہ میں نے گھر میں سبزی پہنچانی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا آٹومیٹک سسٹم ہے۔ اگر فرض کریں کہ اس کو یہ خیال ہی نہ آتا کہ میں نے گھر میں سبزی پہنچانی ہے اور دوپہر کو مہمان آ جاتے اور یہ دوست کے ساتھ وقت گزار کر شام کو گھر آ رہے ہوتے تو پھر گھر کے اندر کیا تماشا بنتا۔

اسی طرح انسان ایک وقت میں دو خیال ذہن میں رکھ سکتا ہے۔ ایک کام کر رہا ہوتا ہے اور دوسرے کام کا خیال اس کے ذہن میں آ رہا ہوتا ہے۔ مثلاً امام صاحب نے نماز پڑھانی ہے مگر ساتھ ہی ساتھ آیتیں بھی تلاش کر رہے ہوتے ہیں۔ وہ آیتیں

بھی ڈھونڈ رہے ہوتے ہیں اور وقفے وقفے سے گھڑی کی طرف بھی دیکھ رہے ہوتے ہیں۔

خیالات کی ٹریفک

اگر موٹروے پر ٹریفک آ بھی رہی ہو اور جا بھی رہی ہو تو پھر فکر کی کوئی بات نہیں ہوتی۔فکر کی بات تب ہوتی ہے جب ٹریفک بلاک ہو جائے۔اسی طرح اگر خیالات آئیں اور جائیں تو فکر کی کوئی بات نہیں،لیکن جب کوئی خیال آ جائے اور جم جائے تو وہ ٹریفک کو بلاک کر دیتا ہے۔اب اس کا خیال رکھنا پڑے گا۔جیسے پولیس والا چوراہے پر کھڑا ہو کر دائیں طرف کی ٹریفک کو بائیں طرف اور بائیں کو دائیں طرف ،سامنے والی ٹریفک کو پیچھے اور پیچھے والی ٹریفک کو سامنے کی طرف چلاتا رہتا ہے اسی طرح انسان بھی اپنی عقل کے چوراہے پر خیالات کی آنے والی ٹریفک کو چالو رکھتا ہے۔جس طرح ٹریفک جام ہو جائے اور چوک میں بھیڑ لگ جائے تو اس سپاہی کی وردی اتار لی جاتی ہے اسی طرح جس بندے کے دماغ کے چوک میں شہوانی خیالات کی ٹریفک جم جائے تو اللہ تعالیٰ بھی اس بندے کی انسانیت والی وردی اتار دیتے ہیں۔

خیالات کے آنے پر پکڑ کب ہوتی ہے؟

ایک اصول ذہن نشین کر لیجیے کہ خیالات کا آنا برا نہیں بلکہ خیالات کا لانا اور ان کو دل میں جمانا برا ہے۔گندے سے گندا خیال بھی آ سکتا ہے،لیکن یہ آئے اور چلا جائے تو اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔اولیاء کو بھی ایسے خیالات آ سکتے ہیں......کئی دفعہ نوجوان لذتیں لینے کی خاطر دل میں عجیب وغریب طرح کے خیالات سوچتے ہیں یاد

رکھیں کہ اگر ارادے کے ساتھ کوئی ایسا خیال باندھا تو اس پر پکڑ ہوگی اور اگر خود بخود کوئی خیال آ جائے تو اس کو جھٹک دیجئے، اس سے روحانیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

ایمان کی علامت

صحابہ کرامؓ نے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت میں عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! ایسے ایسے خیالات آتے ہیں کہ ہم تو سمجھتے ہیں کہ ان خیالات کو ہٹانے کی نسبت آگ میں پڑ جانا بہتر ہے۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ بتاؤ کہ وہ خیال آنے سے تمہیں خوشی ہوتی ہے یا دل تنگ ہوتا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! بہت دل تنگ ہوتا ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ذٰلِکَ عَلَامَۃُ الْاِیْمَانِ یعنی اگر دل تنگ ہوتا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ تمہارے دل میں ایمان موجود ہے۔ اس حدیث پاک سے پتہ چلا کہ خیالات کسی طرح کے بھی آ سکتے ہیں مگر سالک کو چاہیے کہ وہ ان خیالات کو ذہن میں جمنے نہ دے۔ جب کبھی ایسے خیالات آئیں ان کو فوراً جھٹک دے۔ اس کے بارے میں ہرگز نہ سوچے۔ یاد رکھیں کہ جب کسی خیال کی سوچ شروع ہوگئی تو یوں سمجھئے کہ اس کی ظلمت دل پر ضرور آئے گی۔

خواہشات کا برتن

تیسرا برتن نفس ہے اور یہ خواہشات کا برتن ہے۔ خواہشات جتنی بھی ہیں ان کا تعلق نفس کے ساتھ ہے۔ یہ خواہشات اچھی بھی ہوتی ہیں اور بری بھی۔ مثلاً ''میں تہجد گزار بن جاؤں'' یہ اچھی خواہش ہے۔ اور ''دنیا میں میری شہرت اور بڑا اونچا

نام ہو' یہ بری خواہش ہے۔

باطنی اصلاح کے دو طریقے

انسان کی اصلاح کے دو طریقے ہیں۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ انسان نفس کے اوپر محنت کرے اور اس کی خواہشات کو کچل دے حتیٰ کہ اس کی خواہشات شریعت کے مطابق ہو جائیں۔ اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ دل پر محنت کی جائے اور اس کے جذبات کو بدل دیا جائے حتیٰ کہ اللہ رب العزت کی محبت غالب آ جائے۔ جب انسان کو اللہ رب العزت کی محبت کا جذبہ حاصل ہو جائے گا تو اس کے خیالات اور خواہشات بھی اس کے مطابق ہو جائیں گے۔ دل پر محنت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کثرت سے ذکر و مراقبہ کیا جائے۔

سلسلہء چشتیہ اور سلسلہء نقشبندیہ میں بنیادی فرق

مشائخ چشت نفس کے مجاہدات سے روحانی تربیت کا کام شروع کرواتے ہیں اور مشائخ نقشبند قلب کے ذکر سے۔ منزل دونوں کی ایک ہے۔ لیکن ہر پھول کا اپنا اپنا رنگ اور اپنی اپنی خوشبو ہے۔ نفس پر جو کام کرنا ہوتا ہے اس میں مجاہدہ زیادہ کرنا پڑتا ہے۔ متقدمین نے یہی طریقہ اپنایا کیونکہ یہ ان کے حالات کے عین مطابق تھا۔ اسی لئے اسے ''متقدمین کا سلسلہ'' کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا فیض شروع سے ہی جاری فرما دیا تھا۔ اس سلسلہ نقشبندیہ کو ''متاخرین کا سلسلہ'' کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آج کے زمانے میں اپنے بندوں کی کمزوریوں کو دیکھتے ہوئے یہ ایک آسان راستہ بتا دیا ہے کہ دل پر محنت کرو اور ذکر و مراقبہ کرو تا کہ دل میں اللہ رب العزت کی محبت آ جائے۔ یہ ان دونوں سلسلوں میں بنیادی فرق ہے۔

انبیائے کرام کی محنت کا میدان

انبیائے کرام علیہم السلام نے بھی انسان کے قلب کو محنت کا میدان بنایا۔ انہوں نے عقل پر محنت نہیں کی بلکہ انہوں نے دل بدلے کیونکہ دل کے بدلنے سے اعضاء و جوارح سے سرزد ہونے والے اعمال بدل جاتے ہیں اور دل کے بگڑنے سے سب کچھ بگڑ جاتا ہے۔

؎ دل کے بگاڑ ہی سے بگڑتا ہے آدمی
جس نے اسے سنوار لیا وہ سنور گیا

اسی حقیقت کو کھولتے ہوئے نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ فِی الْجَسَدِ بَنِیْ اٰدَمَ لَمُضْغَۃً اِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَ اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدَ کُلُّہٗ اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ

(بنی آدم کے جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے، جب وہ بگڑتا ہے تو پورے جسم کے اعمال بگڑ جاتے ہیں اور جب وہ سنورتا ہے تو پورے جسم کے اعمال سنور جاتے ہیں، جان لو کہ وہ انسان کا دل ہے)

اس حدیث مبارک سے پتہ چلا کہ دل انسان کے جسم کے تمام اعضاء کا حاکم ہے۔ حتی کہ عقل بھی انسان کے دل کے تابع ہوتی ہے۔ قرآن عظیم الشان میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

لَھُمْ قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ بِھَا اَوْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِھَا فَاِنَّھَا لَا تَعْمَی الْاَبْصَارُ وَلٰکِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ ○

(اے کاش! ان کے دل ہوتے جو انہیں عقل سکھاتے، ان کے کان ہوتے جن سے وہ ہدایت کی بات سنتے، آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، یہ تو سینوں کے اندر دل

اندھے ہو جاتے ہیں۔)

تین برتن اور تین نعمتیں

زندگی گزارنے کے لئے انسان کو نفع دینے والی چیزیں حاصل کرنی پڑتی ہیں اور نقصان دینے والی چیزوں سے بچنا پڑتا ہے۔ نفع دینے والی چیزوں کو حاصل کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک قوت دی ہے جس کا نام ''شہوت'' ہے۔ شہوت اشتہا کو کہتے ہیں۔ یعنی کسی چیز کی طلب ہونا اور اس کو حاصل کرنے کی دل میں تڑپ ہونا۔ یہ جنت کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے جو نمونے کے طور پر اللہ تعالیٰ نے عطا کر دی تا کہ ان نعمتوں کی ایک جھلک انسان دنیا میں بھی محسوس کر لیں۔

اسی طرح اللہ رب العزت نے نقصان سے بچنے کیلئے بھی انسان کو ایک قوت عطا فرمائی جسے ''غضب'' کہتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے ''غصہ''...... نقصان دہ چیزوں سے بچنے کیلئے انسان کا غصہ کام آتا ہے۔ اگر انسان میں غصہ ہوتا ہی نہ تو اس میں شرم حیا بھی نہ رہتی۔ انسان غصہ کی وجہ سے کئی نقصان دہ چیزوں سے بچ جاتا ہے۔ مثال کے طور پر کسی لڑکے کو اپنی گلی میں کھڑے دیکھا، اس کی نظریں میلی معلوم ہوئیں جس سے پتہ چلا کہ اس کا یہاں کھڑا ہونا مناسب نہیں تو اس پر غصہ تو آئے گا۔ لہٰذا اس لڑکے کو پاس بلا کر اگر کوئی سمجھائے کہ بچہ! آج کے بعد تم مجھے اس گلی میں نظر نہ آنا تو اس غیرت ایمانی کی وجہ سے بندے کی عزت بچ جائے گی۔

شہوت اور غضب کے درمیان اعتدال رکھنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے عقل کو حکمت عطا کی۔ لہٰذا انسان اپنی عقل کو استعمال کرتے ہوئے ان دونوں چیزوں کو کنٹرول میں رکھ سکتا ہے۔

تین برتن تھے اور تین ہی نعمتیں عطا ہوئیں۔

o شہوت کا تعلق ...... نفس کے ساتھ

o غضب کا تعلق ...... قلب کے ساتھ

o حکمت کا تعلق ...... دماغ کے ساتھ

یہ تینوں چیزیں انسان کے کام آتی ہیں۔

شہوت اور غضب کو کنٹرول کرنے میں مشائخ کا کردار

یاد رکھیں کہ کئی چیزیں اگر حدود میں رہیں تو فائدہ مند ہوتی ہیں اور اگر حدود سے زیادہ ہو جائیں تو نقصان دیتی ہیں۔ مثال کے طور پر پانی کو لیجیے۔ پانی اگر کہیں ملے ہی نہ تو وہ بھی نقصان دہ ہے اور اگر اتنا ہو کہ بند توڑ کر شہروں میں آ جائے تو وہ بھی نقصان دہ ہے...... بالکل اسی طرح اگر شہوت انسان کے اندر بالکل ہی نہ ہو تو وہ بھی نقصان دہ ہے، ایسے نامرد انسان سے اولاد کا سلسلہ آگے کیسے چلے گا۔ اس لئے شہوت کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اور اگر یہ اتنی بڑھ جائے کہ اس کو حلال و حرام کی تمیز ہی نہ رہے تو یہ بھی نقصان دہ ہے۔ معلوم ہوا کہ اس نعمت کو ایک حد کے اندر ہونا چاہئے پھر یہ انسان کے لئے فائدہ مند ہوگی۔

یہی معاملہ غضب (غصہ) کا ہے۔ اگر کسی بندے کے اندر غصہ بالکل ہو ہی نہ تو وہ بڑا دیوث اور بے غیرت بن جاتا ہے۔ اس کے سامنے اس کی عزت خراب کی جائے یا اس کے سامنے دین کا مذاق اڑایا جائے تو اسے کوئی احساس ہی نہیں ہوتا۔ گویا اس کے اندر سے حمیت جاتی رہتی ہے۔ بے غیرت انسان کے لئے محبوب ﷺ نے ارشاد فرمایا ''بے غیرت انسان جنت میں نہیں جائے گا'' آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے۔

اَنَا اَغْيَرُ وَلَدِ اٰدَمَ وَاللّٰهُ اَغْيَرُ مِنِّي

(میں بنی آدم میں سب سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ مجھ سے بھی زیادہ غیور ہیں)

اگر کسی انسان کے اندر غصہ نہ ہو تو اس میں غیرت بھی نہیں رہے گی۔ جدید تہذیب نے جو بے غیرتی کا بازار گرم کر رکھا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ نئی تہذیب کے میاں کا یہ حال ہے کہ وہ اپنے دوست کو بیوی دکھاتا ہے، اسے اپنی بیوی کا تعارف کراتا ہے، ان کے پاس بیٹھ کر گفت وشنید کرتا ہے بلکہ اب تو مصافحہ بھی ہونے لگا ہے۔ نہ اسے غصہ آتا ہے اور نہ غیرت آتی ہے۔

اور اگر یہ ضرورت سے زیادہ بڑھ جائے تو چھوٹی چھوٹی باتوں پر وہ بھڑکنا شروع کر دے گا، اس لئے اس کا ایک حد سے زیادہ بڑھ جانا بھی نقصان دہ ہے...... آپ نے بخار میں ایک گولی تین مرتبہ کھانی ہوتی ہے، صبح، دوپہر، شام، تو وہ فائدہ دیتی ہیں۔ اگر آپ صبح بھی تین کھائیں اور شام کو بھی تین کھائیں تو وہی گولی جس نے صحت کا سبب بننا تھا، الٹا بیماری کے بڑھنے کا سبب بن جائے گی۔ اسی طرح غصہ بھی فائدے کی چیز ہے لیکن جب اپنی مقدار یعنی حد سے بڑھ جاتا ہے تو پھر یہ نقصان دہ بن جاتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شہوت اور غضب دونوں کو اعتدال میں کیسے لایا جا سکتا ہے؟...... اس کا جواب یہ ہے کہ اس کام کے لئے کسی ڈاکٹر (معالج) کی ضرورت پڑتی ہے۔ جسے ''شیخ'' کہتے ہیں۔ مشائخ جو محنت کرواتے ہیں اس سے انسان کی شہوت اور اس کا غضب کنٹرول میں آجاتا ہے۔ ذکر و مراقبہ کا مقصد ہی یہی ہے۔ جب تک کسی شیخ سے تعلق نہ ہو انسان کی ان دونوں چیزوں میں اعتدال نہیں آسکتا۔ اس لئے کسی نہ کسی شیخ سے اصلاحی وتربیتی تعلق استوار کرنا ضروری ہے۔

جب شہوت کنٹرول میں نہ ہو تو آنکھ قابو میں نہیں ہوتی۔ انسان اپنے دل میں جھانک کر دیکھے کہ کیا اس کی آنکھ قابو میں ہے۔ اگر دل سے آواز آئے کہ قابو میں نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ شہوت اپنی حد سے بڑھی ہوئی ہے...... اسی طرح اگر غیر محرم کو دیکھ کر طبیعت للچاتی ہے تو یہ بھی اس بات کی علامت ہے کہ شہوت حد سے بڑھی ہوئی ہے اور اس کا علاج کروانا ضروری ہے۔ ایسے شخص کو شیخ کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ اسے گائیڈ کرے، کچھ پڑھنے کو بتائے، اسے زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھائے اور اس کے لئے نظام الاوقات مرتب کرے تاکہ اس کی شہوت اس کے قابو میں آجائے۔ جس کی شہوت اس کے قابو میں آجائے وہ انتہائی پاکدامن انسان ہوتا ہے اور پاکدامن انسان اللہ رب العزت کا پسندیدہ انسان ہوتا ہے۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کی باطنی اصلاح کا واقعہ

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ایک نوجوان آیا۔ اس نے بلاواسطہ آ کر عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! مجھے زنا کی اجازت دے دیجئے...... اس کے جواب کا ایک طریقہ تو یہ تھا کہ اللہ کے نبی ﷺ غصے میں آجاتے اور فرماتے کہ تم حرام کو حلال کروانے آگئے، تمہیں شرم نہیں آتی...... لیکن نہیں، بلکہ اللہ کے محبوب ﷺ نے ارشاد فرمایا، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ کوئی تمہاری والدہ سے یہ حرکت کرے۔ کہنے لگا، نہیں۔ پوچھا، بیوی سے کرے؟ کہنے لگا نہیں۔ بہن سے کرے؟ کہنے لگا، نہیں۔ بیٹی سے کرے؟ کہنے لگا نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم جس سے زنا کرو گے وہ یا تو کسی کی ماں ہوگی، یا کسی کی بیوی ہوگی، یا کسی کی بہن ہوگی یا کسی کی بیٹی ہوگی، اگر تم اس کو پسند نہیں کرتے تو دوسرے لوگ بھی تو اسے پسند نہیں کرتے...... جب اتنا سمجھایا تو اس کے ذہن میں بات آگئی...... لیکن فقط سمجھانے

سے بات سمجھ میں نہیں آتی. کیونکہ دل کے اندر جذبات کا طوفان ہوتا ہے، عقل سمجھ بھی لے تو کیا فائدہ جب تک کہ جذبات قابو میں نہ آئیں۔ اس کیلئے اللہ کے نبی ﷺ نے پھر نسخہ آزمایا۔

نسخہ یہ تھا کہ آپ ﷺ نے اس نوجوان کے سینے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا،

''اے اللہ! اس نوجوان کے دل کو پاک فرما دیجئے''

وہ صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے سینے پر ہاتھ رکھنے سے اور اس دعا کی برکت سے میرے دل پر ایسا اثر ہوا کہ اس کے بعد مجھے جتنی نفرت زنا سے تھی اتنی نفرت مجھے دنیا میں کسی گناہ سے نہیں تھی ...... یہ کیا تھا؟ ...... یہ فیض تھا جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس صحابی رضی اللہ عنہ کے سینے میں منتقل ہوا...... اللہ والے جو سینے سے لگاتے ہیں یہ بھی فیض کے ایک سینے سے دوسرے سینے میں منتقل ہونے کا ذریعہ ہے۔

انتقال فیض

حضرت جبرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس وحی لے کر آئے اور کہا، اِقْـــرَاْ (اے اللہ کے نبی! پڑھئے)۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، مَـا اَنَا بِقَارِئٍ (میں پڑھا ہوا نہیں ہوں)۔ بخاری شریف میں ہے کہ نبی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہین کہ جب میں نے یہ کہا تو جبرائیل علیہ السلام نے مجھے پکڑ کر سینے سے لگا لیا اور خوب دبایا حتی کہ مجھے تنگی محسوس ہونے لگی، پھر اس کے بعد چھوڑ دیا اور دوبارہ کہا، اِقْرَاْ (پڑھئے) میں نے پھر کہا، مَـا اَنَا بِقَارِئٍ (میں پڑھا ہوا نہیں ہوں)، جبرائیل علیہ السلام نے مجھے دوبارہ سینے سے لگایا اور پھر دبایا۔ پھر جب تیسری مرتبہ سینے سے لگا کر چھوڑا اور پڑھنے کو کہا تو میں نے یہ پڑھنا شروع کر دیا۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ o خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ o اِقْرَاْ وَ رَبُّکَ الْاَکْرَمُ o الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ o عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ o (العلق؛آیت:۱تا۵)

غور کریں کہ اس وقت جبرائیل علیہ السلام ایسا کیوں کر رہے تھے؟ ...... کوئی کھیل تماشا تھا؟...... نہیں بلکہ اس میں حکمت تھی۔ یہ فیض تھا جو منتقل ہو رہا تھا۔ اسی کو توجہ کہتے ہیں۔

حدیث پاک میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام تشریف فرما تھے۔ اسی اثنا میں جبرائیل امین ایک صحابی حضرت وحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں آئے اور نبی علیہ السلام کے سامنے اس طرح بیٹھ گئے کہ

رُکْبَةً اِلٰی رُکْبَتَیْہِ

(انہوں نے اپنے گھٹنے نبی علیہ السلام کے گھٹنوں کے ساتھ لگا دیئے)

اس کے بعد سوال پوچھے ...... سوال پوچھنے کے لئے تو شاگرد کو پیچھے ادب سے بیٹھنا چاہیے، مگر اس کی کیا وجہ تھی کہ جبرائیل علیہ السلام اتنا قریب آ کر بیٹھ گئے کہ گھٹنوں سے گھٹنے مل گئے ...... اس کا ایک ہی جواب ہے کہ وہ اللہ رب العزت کی طرف سے جو برکات اور تجلیات لے کر آئے تھے وہ نبی علیہ السلام تک پہنچنی تھیں اور اس کی اس وقت یہی صورت تھی۔ دوسرے لفظوں میں یہ فیض کا انتقال تھا۔

نفس کے دھوبی پٹڑے سے بچیے

بات یہ چل رہی تھی کہ شہوت اور غضب کو کنٹرول کرنے کے لئے شیخ کی ضرورت ہوتی ہے۔ البتہ اگر آپ یہ کہیں کہ میں اپنی شہوت اور غضب کو خود کنٹرول کر لوں گا تو بہت اچھی بات ہے۔ اگر آپ خود کنٹرول کر سکتے ہیں تو پھر واقعی آپ کو

شیخ کی ضرورت نہیں ہے، کون کہتا ہے کہ پیر و مرشد سے اصلاحی تعلق قائم کرنا فرض ہے، اللہ کرے کہ فرشتوں والی یہ صفت آپ کو بغیر استاد کے حاصل ہو جائے۔ لیکن یاد رکھنا کہ نفس آپ کو ایسا دھوبی پٹڑا لگائے گا کہ آپ سمجھ رہے ہوں گے کہ میں اپنا علاج کر رہا ہوں اور حقیقت اس وقت کھلے گی جب معاملہ کہیں کا کہیں پہنچ چکا ہو گا۔ یہ نفس انسان کی آنکھوں پر ایسی پٹی باندھتا ہے کہ اس کو کچھ ہوش ہی نہیں رہتا۔

مشائخ کا اصول

مشائخ کا یہ اصول نہیں ہوتا کہ ہر آنے والے کو ایک ہی دوائی دے دی جائے۔ بلکہ ہر آنے والے کی طبیعت کو دیکھ کر اس کے مطابق دوائی تجویز کرتے ہیں۔ اس لئے شیخ کی ضرورت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

اورنگ زیب عالمگیرؒ کی فراست ایمانی

اورنگ زیب عالمگیرؒ کے پاس دو بندے لائے گئے۔ ان دونوں نے ایک جیسا ہی گناہ کیا تھا۔ اورنگ زیب عالمگیرؒ نے ان میں سے ایک کے بارے میں فرمایا کہ اس کو دس جوتے لگاؤ۔ چنانچہ اس کو جوتے لگائے گئے۔ پھر دوسرے کو بلا کر اس کی طرف غصے کی نظر سے دیکھا اور فرمایا، آپ نے بھی یہ کیا...... اس کے بعد فرمایا کہ چلے جاؤ یہاں سے۔ وہ چلا گیا۔

بعد میں لوگوں نے اورنگ زیب عالمگیرؒ سے کہا کہ آپ کا عدل تو بڑا مشہور ہے۔ ان دونوں کا ایک جیسا جرم تھا مگر آپ نے ایک کو تو جوتے لگوائے اور دوسرے کو فقط تنبیہ کر کے بھیج دیا، آپ کا یہ عمل ایسا ہے کہ جس میں ظاہراً انصاف نظر نہیں آتا۔ انہوں نے فرمایا کہ اچھا، ایسا کرو کہ تم ان دونوں کے گھر جاؤ اور دیکھو کہ ان

دونوں کا کیا حال ہے۔ جو دس جوتے کھا کے گیا تھا جب اس کے گھر گئے تو دیکھا کہ وہ گھر میں بیٹھا قہقہے لگا رہا تھا۔ اسے بالکل پرواہی نہیں تھی۔ اور جس کو فقط غصے کی نظر دیکھا تھا، اس کی طبیعت حساس تھی، وہ بخار کے ساتھ بستر پر پڑا ہوا تھا۔

مشائخ بھی بندے کی طبیعت کو دیکھ کر علاج کرتے ہیں۔ کسی کو غصے سے دیکھ لینا کافی ہوتا ہے اور کسی کو اچھی طرح ڈانٹ پلانی پڑتی ہے۔

''غضب'' کا عنوان

شہوت کے بارے میں تو آپ کئی دنوں سے سنتے آرہے ہیں کہ نفس اور شیطان شہوت کو بھڑکاتے ہیں اور انسان سے برے کام کرواتے ہیں۔ آج کا عنوان ''غضب'' ہے۔ ویسے بھی یہ غضب کا عنوان ہے۔ کیونکہ اکثر لوگ یہی کہتے ہیں کہ جی دماغ بہت گرم رہتا ہے۔ لہٰذا دماغ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے آج سپیشل دوائی دی جائے گی۔ دوائی بھی وہی اچھی ہوتی ہے جو بیماری کے مطابق ہو۔ یہ تو مناسب نہیں ہے نا کہ آدمی کو تو نزلہ زکام ہو اور ڈاکٹر اسے قولنج کی دوائی دے رہا ہو۔

یہ ایک خطرناک باطنی بیماری ہے جو آج کل عام ہو چکی ہے اس کے بارے میں اکثر دوست خط کے ذریعے بھی پوچھتے ہیں، ٹیلیفون کے ذریعے بھی پوچھتے ہیں ،حتیٰ کہ بالمشافہ گفتگو کے دوران بھی کہتے ہیں، حضرت! مجھے غصہ جلدی آتا ہے اور میں اپنے قابو میں نہیں رہتا۔ کیا بچہ، کیا بڑا، کیا مرد، کیا عورت، سب کی یہی حالت ہے۔

غصہ نکالنے کا وبال اور پی جانے کا فائدہ

حدیث پاک میں آیا ہے،

''غصہ ایمان کو ایسے خراب کرتا ہے جیسے شہد کو سرکہ خراب کر دیتا ہے۔''

اس لئے جو انسان اپنے غصے کو پی لیتا ہے وہ اللہ رب العزت کے ہاں بڑا مقبول بندہ ہوتا ہے۔

ایک اور روایت میں ارشاد فرمایا گیا،

''طاقت کے باوجود غصے کو پی جانے والا انسان قیامت کے دن اللہ رب العزت کی رضا کو حاصل کرنے والا ہوگا''۔

یعنی اس کے اندر بدلہ لینے کی طاقت بھی ہے اور غصہ نکال بھی سکتا ہے، لیکن اس کے باوجود غصہ نہیں نکالتا اور برداشت کر جاتا ہے تو اللہ رب العزت اس بندے کو قیامت کے دن اپنی رضا اور خوشنودی کا پروانہ عطا فرما دیں گے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص انتقام کی قدرت کے باوجود اپنے غصے کو دبا لے اللہ تعالیٰ اس کے سینے کو امن و ایمان سے بھر دیتے ہیں۔''

غصہ کے وقت نبی اکرم ﷺ کی کیفیت

غصہ انبیائے کرام علیہم السلام میں بھی ہوتا تھا۔ چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود اپنے بارے میں ارشاد فرمایا،

اَغْضَبُ كَمَا يَغْضَبُ الْبَشَرُ

(مجھے بھی ایسے ہی غصہ آتا ہے جیسے بشر کو آتا ہے)

لیکن آپ ﷺ کا غصہ اللہ کے لئے ہوتا تھا۔

حدیث پاک میں آیا ہے کہ حضرت عمر ؓ کو ایک مرتبہ تورات کے کاغذ مل گئے۔ انہوں نے لا کر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے پڑھنے شروع کر دیئے۔ تھوڑی

دیر بعد انہیں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا،

''عمر! تمہیں تیری ماں روئے ، کیوں نہیں دیکھتا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرے کی طرف''۔

جب انہوں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرہ انور کی طرف دیکھا تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا چہرہ انور غصے کی وجہ سے سرخ ہو چکا تھا...... اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی بات پر غصہ آتا تھا تو آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو جاتا تھا...... جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اتنے غصے میں ہیں تو پھر اسی وقت انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے معافی مانگی۔ پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا،

''اگر آج خود موسیٰ علیہ السلام بھی ہوتے تو میری اتباع کے بغیر ان کی بھی نجات نہ ہوتی''۔

اولیاء اللہ کا غصہ

غصہ اولیاء اللہ کو بھی آتا ہے۔ اسی لئے تو وہ اپنے بچوں کی تربیت کرتے ہیں۔ ورنہ تو ان کی بیٹیاں بھی بے پردہ باہر پھریں، بلکہ وہ ساتھ ہی لے کر جائیں اور ان کو بالکل پرواہی نہ ہو، جیسے آجکل کے برے ماحول میں غافل قسم کے مسلمان خود کرتے ہیں۔ بعض جگہوں پر بیویاں تو پردہ کرنا چاہتی ہیں مگر خاوند کرنے نہیں دیتے۔

''پچھلے دنوں ایک عالمہ لڑکی کو اس لئے طلاق ہوئی کہ اس کا خاوند کہتا تھا کہ تو نے بے پردہ ہو کر میرے ساتھ چلنا ہے''۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (التحریم:۹)

(جہاد کیجئے کفار اور منافقین سے اور ان پر سختی کیجئے)

قرآن مجید کی یہ آیت بتا رہی ہے کہ جہاں ایمانی معاملہ آئے وہاں انسان کے پاس غضب کا ہونا ایک رحمت ہے۔ اولیاء اللہ اسی وجہ سے غیر شرعی امور پر غصہ کا اظہار فرماتے ہیں۔

دوزخ میں جانے کا سبب

ایک حدیث پاک میں آیا ہے:

''اکثر لوگوں کے دوزخ میں جانے کا سبب ان کا غصہ ہوگا''۔

اس کی کئی وجوہات ہیں۔ مثلاً

غصہ کی وجہ سے دوسرے کی دل آزاری ہوتی ہے۔ یعنی غصے میں کوئی ایسی بات کر دی کہ دوسرے کا دل دکھ گیا۔ اور کسی کے دل کو دکھ پہنچانے سے بڑا کوئی اور گناہ نہیں ہے۔

کئی مرتبہ تو ایسا ہوتا ہے کہ غصے میں طلاق دے دیتے ہیں اور جب تھوڑی دیر کے بعد دماغ ٹھنڈا ہوتا ہے تو بیوی کو کہہ دیتے ہیں کہ کسی کو نہ بتانا، اس کے بعد میاں اور بیوی دونوں بغیر نکاح کے اسی طرح باقی زندگی گزار دیتے ہیں اور اولاد بھی ہو رہی ہوتی ہے...... یہ قرب قیامت کی علامت میں سے ہے...... حدیث پاک میں ہے کہ قرب قیامت کی علامات میں سے یہ ہے کہ خاوند اپنی بیوی کو طلاق دے گا اور پھر وہ بغیر نکاح کے اسی کے ساتھ اپنی بقیہ زندگی گزارے گا...... گویا غصہ ایسا گناہ کرواتا ہے کہ پھر وہ ساری زندگی گناہ میں ملوث رہتا ہے۔

ان وجوہات کی بنا پر غصہ کا کنٹرول میں ہونا انتہائی ضروری ہے۔

کمزوری کی نشانی

علماء نے لکھا ہے کہ غصہ کا جلدی آنا کمزور ہونے کی نشانی ہے۔ مثال کے طور پر

......صحت مند بندے کی نسبت بیمار کو جلدی غصہ آتا ہے۔

......جوان کی نسبت بوڑھے میں غصہ جلدی آتا ہے۔ اور اسی طرح

......مرد کی نسبت عورت میں غصہ جلدی آجاتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ پہلوان کون ہے، عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! جو دوسروں کو گرا دے، وہ پہلوان ہے۔ فرمایا، نہیں۔ صحابہ نے عرض کیا، اے اللہ کے محبوب ﷺ آپ فرما دیجئے۔ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا، ”پہلوان وہ ہے جو اپنے غصہ پر قابو پالے۔“

یاد رکھئے کہ غصہ پر قابو پالینا مردانگی اور ہمت کی بات ہوتی ہے۔ آج یہ ہمت ختم ہوگئی ہے۔ چنانچہ چھوٹی چھوٹی باتیں غصے پر قابو نہ ہونے کی وجہ سے بات کا بتنگڑ بن جاتی ہیں۔ گھروں میں لڑائی جھگڑے کا بنیادی سبب غصہ بنتا ہے۔ ایک صاحب آکر کہنے لگے، حضرت! میں غصے میں بیوی کو طلاق دے بیٹھا ہوں۔ میں نے کہا، بتاؤ کسی نے خوش ہو کر بھی اپنی بیوی کو طلاق دی ہے، کبھی کسی نے کہا ہے کہ میں آپ کی خدمت سے بہت خوش ہوں اور انعام کے طور پر آپ کو طلاق پیش کرتا ہوں۔

اچھا انسان کون ہے؟

ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ اچھا انسان وہ ہے جس کو غصہ دیر سے آئے لیکن وہ جلدی راضی ہو جائے اور برا انسان وہ ہے جسے غصہ جلدی آئے اور بڑی دیر کے ساتھ جائے۔ آج ہماری اس بیماری کی کیٹیگری یہی ہے کہ ہمیں غصہ آتا تو جلدی ہے لیکن جاتا دیر سے ہے۔ اس لئے ہمیں چاہئے کہ اگر کسی وجہ سے غصہ آئے بھی تو اگر دوسرا فریق معافی مانگ لے تو دل سے فوراً ناراضگی دور کر دینی چاہیے۔

حضرت مرشدِ عالم اور خوفِ خدا

جس سال ہمارے مرشدِ عالم کی وفات ہوئی، یہ اسی سال کا واقعہ ہے۔ حضرت مرشدِ عالمؒ فرماتے ہیں کہ میں وضو کر رہا تھا اور میری اہلیہ صاحبہ گرم پانی سے مجھے وضو کرا رہی تھیں۔ وضو کرواتے وقت وہ کوئی چیز رکھنے لگیں تو ان کی توجہ دوسری طرف ہوگئی۔ میں نے انہیں غصے سے ڈانٹ پلائی کہ پہلے مجھے تو وضو کرا لو۔ جب میں نے غصے سے کہا تو وہ خاموش رہیں اور برداشت کر گئیں اور میں نے وضو کر لیا۔ وضو کرنے کے بعد مسجد میں نماز پڑھانے کے لئے جا رہا تھا تو میرے دل میں یہ خیال آیا کہ حالت تو یہ ہے کہ معمولی سی بات کر کے بیوی کا دل توڑا ہے اور اب رب کے سامنے جا کر سجدے کرو گے تو سجدے کہاں قبول ہوں گے؟ فرمانے لگے کہ یہ خیال آتے ہی میں واپس لوٹا، واپس آکر اپنی اہلیہ سے معافی مانگی۔ انہوں نے بشاشتِ قلب سے کہا کہ میں نے اسی وقت ذہن سے بات نکال دی تھی یعنی میں نے معاف کر دیا تھا۔ فرمانے لگے کہ معافی مانگنے کے بعد تب میں مسجد میں آیا اور میں نے نماز ادا کی اس امید کے ساتھ کہ میرے مولا اب میری عبادت قبول فرمالیں گے۔

جذبۂ انتقام

غصے کی وجہ سے انسان کے اندر ''انتقام'' کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ جبکہ شریعت ہمیں یہ کہتی ہے کہ ہم دوسروں سے انتقام لینے کی بجائے ان کو معاف کر دیا کریں، یہ اللہ رب العزت کو زیادہ محبوب ہے۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ آج کل لوگ کہتے ہیں کہ ہم اینٹ کا جواب پتھر سے دیں گے۔ یعنی جتنی زیادتی اس نے کی ہے ہم اس سے کئی گناہ بڑھ کر زیادتی کریں گے۔ اسی کو انتقام کہتے ہیں۔ یہی جذبہ

انتقام انسان کو برباد کر دیتا ہے۔

نبی کریم کا عفو و درگزر

- نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔حتیٰ کہ جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اور اللہ کے نبی علیہ الصلوۃ والسلام فاتح بن کر مکہ مکرمہ جا رہے تھے اس وقت آپ اپنی سواری کے بالوں کو پکڑ کر یہ فرما رہے تھے،

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ نَصَرَ عَبْدَہٗ وَھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ

(سب تعریفیں اس ایک اللہ کے لئے ہیں جس نے اپنے بندے کی مدد کی اور اس اکیلے نے تمام دشمنوں کی جماعتوں کو شکست عطا فرما دی)

اس وقت نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے اندر فخر نہیں تھا بلکہ سر جھکا جا رہا تھا، سواری کی گردن کے بالوں کے ساتھ پیشانی لگ رہی تھی اور اللہ کے نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کی تعریفیں کر رہے تھے۔ جب صحابہ کرامؓ بھی مکہ مکرمہ کے قریب پہنچے تو ایک صحابی سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے،

اَلْیَوْمَ یَوْمُ الْمَلْحَمَۃِ، اَلْیَوْمَ نَسْتَحِلُّ الْکَعْبَۃَ

(آج کا دن تو جنگ کا دن ہے، آج ہم کعبہ کے اندر قتال کو حلال کریں گے)

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے لئے صرف فتح کے دن کے لئے مکہ مکرمہ میں قتال حلال کر دیا تھا اور بعد میں قیامت تک کیلئے حرمت قائم کر دی گئی ...... جب ان صحابی رضی اللہ عنہ نے یہ بات کہی تو ابو سفیان، جو کہ اس وقت ایمان نہیں لائے تھے، نے اعتراض کیا کہ آپ کے فوجی کیا کہہ رہے ہیں۔اس اعتراض پر نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے جھنڈا لے کر ان کے بیٹے کو دے دیا اور فرمایا،

اَلْیَوْمَ یَوْمُ الْمَرْحَمَۃِ

(آج کا دن تو رحمت کا دن ہے)

چنانچہ جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام حرم شریف میں داخل ہوئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سیدھا بیت اللہ شریف کی طرف گئے اور وہاں جا کر طواف اور نماز وغیرہ میں مشغول ہو گئے۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ مکہ مکرمہ کی ہر جوان عورت کو یقین تھا کہ آج میری عزت برباد ہو جائے گی کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ہم نے مسلمانوں کو اتنی تکلیفیں دی ہوئی ہیں کہ آج جب یہ فاتح بن کر آئے ہیں تو یہ ایک ایک سے اپنا بدلہ لیں گے۔ لیکن جب عشاء کے بعد کا وقت ہو گیا اور کوئی ان کے گھروں کے دروازوں تک بھی نہ آیا تو عورتیں بڑی حیران ہوئیں۔ انہوں نے اپنے مردوں سے پوچھا کہ دیکھو تو سہی کہ مسلمان کہاں ہیں؟ پتہ تو کرو، ہو سکتا ہے کہ وہ آپس میں کوئی ترکیب کر رہے ہوں یا کسی وقت کے انتظار میں ہوں۔ لہٰذا مردوں نے کہا کہ ٹھیک ہے ہم جا کر پتہ کرتے ہیں۔ چنانچہ مردوں نے ہمت کی اور وہ اپنے گھروں سے باہر نکلے۔ جب وہ حرم شریف کے قریب آئے تو انہوں نے دیکھا کہ سارے کے سارے مسلمان عبادت میں مصروف ہیں۔ کوئی اللہ کے گھر کا طواف کر رہا ہے، کوئی مقام ابراہیم پہ سجدے کر رہا ہے، کوئی بیت اللہ شریف سے لپٹ کر دعائیں مانگ رہا ہے اور کسی نے غلاف کعبہ کو پکڑا ہوا ہے۔

وہ یہ منظر دیکھ کر حیران ہو گئے کہ یہ لوگ فاتح بن کر داخل ہوئے ہیں اور بجائے انتقام لینے کے اللہ رب العزت کی عبادت میں مشغول ہیں...... دیکھئے کہ اللہ کے محبوب ﷺ نے ان سے انتقام نہیں لیا، حالانکہ وہ جانی دشمن تھے۔ انہوں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اتنی تکالیف پہنچائی تھیں کہ خود نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد

فرمایا،

''مجھے دین کی خاطر اتنی تکلیفیں پہنچائی گئیں کہ کسی نبی کو اتنی تکلیفیں نہیں پہنچائی گئیں''۔

اگلے دن آپ ﷺ نے عام معافی کا اعلان فرما دیا اور فرمایا کہ جو بھی آ کر کلمہ پڑھ لے گا اس کو معافی ہے۔ یہاں تک کہ چند گھروں کا نام لے کر فرمایا کہ جو ان گھروں میں چلا جائے گا ان کیلئے بھی معافی ہے۔ سبحان اللہ

◉ ایک اور مزے کی بات سنئے۔ جب انسان کسی پر کنٹرول پاتا ہے تو وہ عام طور پر دو کام کرتا ہے۔ وہ پہلا کام تو یہ کرتا ہے کہ وہ مخالفین کو کچل کے رکھ دیتا ہے، اور دوسرا کام یہ کرتا ہے کہ وہ اپنے متعلقین کو خوب نوازتا ہے۔ آج دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ جس کو بھی پاور ملتی ہے اس کی پہلی تمنا یہ ہوتی ہے کہ اپنے مخالفین کو کچل کے رکھ دوں اور دوسری تمنا یہ ہوتی ہے کہ میں اپنے متعلقین کو جتنا نواز سکتا ہوں نواز دوں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان دونوں چاہتوں کو پورا نہیں کیا۔ جب آپ ﷺ مکہ مکرمہ کے فاتح بنے تو آپ انتقام لے سکتے تھے مگر آپ ﷺ نے انتقام نہیں لیا۔ نہ ہی مخالفین کو کچلنے کی پالیسی پر عمل کیا ہے اور نہ ہی اپنوں کو نوازا۔

◉ حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب آپ ﷺ ہجرت کے وقت مدینہ منورہ جانے لگے تو بیت اللہ شریف کی چابی بردار عثمان بن طلحہ کو فرمایا تھا کہ اس بیت اللہ کو کھول دو، میرا دل چاہتا ہے کہ میں اندر جا کر تھوڑی دیر اللہ کی عبادت کروں مگر اس نے جواب دیا کہ میں نہیں کھولتا۔ آپ ﷺ نے اس وقت بڑی حسرت سے فرمایا،

''اچھا، کیا تو واقعی نہیں کھولتا؟ اس دن کیا ہوگا جب میں جس جگہ کھڑا ہوں یہاں تو کھڑا ہوگا اور جہاں تم کھڑے ہو وہاں چابی لے کر میں کھڑا ہوں گا''۔

اس نے آگے سے الٹی سیدھی باتیں کرنا شروع کر دیں کہ تمہارے ہاتھ میں چابی کیسے آسکتی ہے وغیرہ وغیرہ۔

جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فاتح بن کر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو بنو شیبہ کا وہی بندہ چابی بردار تھا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے بلایا۔ جب وہ آیا تو محبوب ﷺ نے فرمایا، چابی مجھے دو۔ اس نے چابی دے دی۔ جب آپ ﷺ نے وہ چابی لے لی تو آپ ﷺ نے اسے یاد دلاتے ہوئے فرمایا،

''تم اس وقت کو یاد کرو جب میں نے تمہیں کہا تھا کہ جہاں میں کھڑا ہوں وہاں تم کھڑے ہو گے اور جہاں اس وقت تم کھڑے ہو وہاں چابی لے کر میں کھڑا ہونگا ،کیا اللہ تعالیٰ نے وعدہ پورا کر دیا ہے یا نہیں؟

اس نے کہا، جی اللہ کا وعدہ پورا ہو گیا ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے چابی لیکر بیت اللہ شریف کا تالا کھولا۔ آپ ﷺ بیت اللہ شریف کے اندر داخل ہوئے۔ آپ ﷺ نے بیت اللہ شریف میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی۔ اس کے بعد جب آپ ﷺ باہر تشریف لائے اور تالا لگایا تو اس وقت قریش کے مختلف قبائل کے لوگ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قریب ہو گئے۔ ان میں سے ہر ایک کی تمنا تھی کہ ہمیں چابی بردار بنا دیا جائے۔ چنانچہ سب کی نظریں محبوب ﷺ پر جمی ہوئی تھیں کہ اللہ کے نبی ﷺ ہمیں چابی دے دیں۔ مگر اللہ کے محبوب ﷺ نے تالا لگایا اور آپ ﷺ نے جس کافر سے چابی لی تھی آپ ﷺ نے وہ چابی اسی کافر کے حوالے فرما دی اور فرمایا،

''تم اس چابی کو اپنے پاس رکھو، یہ چابی قیامت تک تمہارے خاندان کے اندر چلتی رہے گی''۔ اللہ اکبر

جب آپ ﷺ نے اس پر یہ احسان فرمایا تو اس کافر کی آنکھوں میں سے آنسو آ گئے اور کہنے لگا،

''اے اللہ کے محبوب ﷺ! کلمہ پڑھا کر مجھے مسلمان بنا دیجئے''۔

معاف کر دینے میں عزت ہے

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی صفات میں سے ایک صفت یہ بیان فرمائی۔

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ

(آل عمران: ۱۳۴)

[(مؤمن لوگ) غصہ کو پی جانے والے ہوتے ہیں، لوگوں کو معاف کر دینے والے ہوتے ہیں اور اللہ ایسے نیکوکاروں سے محبت فرماتے ہیں]

چنانچہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ

''معاف کر دینے سے انسان کی عزت بڑھتی ہے''

اس سے پتہ چلا کہ انتقام لینے سے عزت ہرگز نہیں بڑھتی۔

ایک حدیث پاک میں ہے کہ قیامت کے دن منادی اعلان کرے گا کہ جس انسان کا اللہ کے ذمے حق ہے اسے چاہئے کہ وہ کھڑا ہو اور بغیر حساب کتاب جنت میں داخل ہو جائے۔ پوچھا گیا کہ وہ کون لوگ ہوں گے؟ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

''جو لوگ دنیا میں اللہ کے لئے لوگوں کو معاف کرنے والے ہوں گے ان کا اللہ پر حق ہوگا، یہی لوگ کھڑے ہوں گے اور بغیر حساب کتاب جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے''۔

اس لئے جو آدمی غلطی کرنے کے بعد آکر کہے کہ بھئی! مجھے اللہ کے لئے معاف کردو تو معاف کردیا کریں کیونکہ اس معاف کردینے کا اللہ کے ہاں بڑا مقام ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو کسی انسان کی لغزش سے دنیا میں درگزر کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی لغزشوں سے درگزر فرمائے گا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو انسان دنیا میں دوسروں کی خطاؤں کو جتنا جلدی معاف کردے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اتنا ہی جلدی اس کے گناہوں کو معاف فرمادے گا۔ اس لئے اگر کوئی شخص معافی کا کوئی عذر پیش کردے تو اس کا وہ عذر جلدی قبول کرلینا چاہیے۔

سب سے زیادہ بدترین شخص

حضرت عبداللہ بن عباس ﷛ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا، کیا میں تمہیں برے لوگوں سے آگاہ نہ کروں؟ صحابہ نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! ضرور بتائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، وہ انسان بہت برا ہے جو اکیلا کھائے، اپنے غلام کو کوڑے مارے اور بخشش و رحمت کو روک دے۔

پھر اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ کیا میں تمہیں اس سے بھی بدترین انسان بتا دوں۔ صحابہ نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! بتا دیجئے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ اس سے بھی برا انسان وہ ہے جو لوگوں سے بغض رکھے اور لوگ اس سے بغض رکھیں۔

اس کے بعد پھر فرمایا کہ کیا میں تمہیں اس سے بھی بدترین انسان کا پتہ بتا دوں؟ صحابہ نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! ضرور بتا دیجئے۔ فرمایا،

وہ انسان جس سے نیکی کی امید نہ ہو اور اس کے سر سے انسان کو امن نہ ہو۔

پھر خاموش رہنے کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، کیا میں تمہیں اس سے بھی

بدترین انسان بتا دوں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! بتا دیجئے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا،

"جو بندہ کسی کی لغزش کو معاف نہ کرے اور کسی کی معذرت کو قبول نہ کرے وہ سب سے زیادہ بدترین انسان ہوتا ہے"

ذرا ہم اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ کیا ہم کسی کی معذرت قبول کرتے ہیں؟ بیوی سے غلطی ہو جائے اور وہ جتنی مرضی معافیاں مانگے، ہم کہتے ہیں کہ ہم تو سزا دے کے رہیں گے۔ اگر کسی آدمی سے غلطی ہو جائے تو ہم معاف نہیں کرتے بلکہ اسے دکھاتے ہیں کہ کیسے رگڑنا ہوتا ہے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا عفو و درگزر

ایک مرتبہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر کوئی بندہ میرے ایک کان میں گالی نکالے اور دوسرے کان میں معافی مانگ لے تو میں اسی وقت اس کے گناہ کو معاف کر دوں گا۔ ان کا والعافین عن الناس پر ایسا عمل تھا۔

امام زین العابدین ؒ کا عفو و درگزر

☆......ایک مرتبہ امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کو دیکھا جو ان کی غیبت کر رہا تھا آپ نے اسے فرمایا،

"اے دوست! اگر تو سچا ہے تو خدا مجھے بخش دے اور اگر تو جھوٹا ہے تو خدا تجھے بخش دے"۔

سبحان اللہ، کتنا آسان جواب ہے۔ بات ہی سمیٹ دی۔

☆......ایک اور شخص نے ایک مرتبہ آپ کی غیبت کی تو آپ نے اسے فرمایا، "اے

دوست! جتنا تجھے میرے عیبوں کا پتہ ہے اس سے بہت زیادہ عیب ایسے ہیں جن کا ابھی تجھے پتہ ہی نہیں ہے"۔

اس کے بعد آپ نے اس بندے کو ایک ہزار دینار ہدیہ کے طور پر پیش کئے۔ جب اس بندے نے آپ کا یہ حسن سلوک دیکھا تو اسے شرم آئی۔ چنانچہ اس نے معافی مانگی اور کہنے لگا،

"میں تصدیق کرتا ہوں کہ آپ نواسۂ رسول کے بیٹے ہیں"۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ کے حاسدین

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حاسد بہت زیادہ تھے۔ جب انسان میں کمال آتا ہے تو حاسد بھی بن جاتے ہیں۔ اب بھی ایسے لوگ ہیں جو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نہ کسی انداز سے نشانہ بناتے ہیں۔ دشمن دو طرح کے ہوتے ہیں، انجان یا حاسد۔ انجان اپنی ناواقفیت کی وجہ سے بندے کی خوبیوں سے نابلد ہوتا ہے۔ انجان تو کسی تعارف کے بعد دوست بن جاتے ہیں، البتہ حسد کرنے والے کا کیا کریں۔

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے کہا، اے خراسانی! یہ ابو حنیفہ کون ہے جو دین میں نئی نئی باتیں گھڑتا رہتا ہے۔ عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے "کتاب الرہن" لا کر دی۔ انہوں نے اس کتاب کو پڑھا تو کہنے لگے، عبد اللہ! یہ نعمان کون ہے؟ یہ تو بڑا عالم ہے۔ اگر تم علم حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس کی صحبت اختیار کرو۔ ان کو پہلے تعارف نہیں تھا۔ ابنِ مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا، حضرت! یہی وہ ابو حنیفہ ہیں جنہیں آپ بدعتی کہہ رہے تھے۔

امام اعظم کا صبر

ایک مرتبہ ایک شخص حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو ذہنی اذیت دینے کے لئے مجمع

میں کہنے لگا، آپ کی والدہ بیوہ ہیں، آپ ان کا میرے ساتھ نکاح کر دیں۔ اب یہ کتنا غصہ دلانے والی بات تھی کہ بوڑھی والدہ کے لئے نکاح کا پیغام بھیج رہا ہے...... آپ نے بڑی نرمی سے جواب دیا، میری والدہ عاقلہ بالغہ ہیں، ان سے پوچھ کر فیصلہ کیا جائے گا۔ وہ شخص وہاں سے رخصت ہو کر آگے جا کر گر پڑا، گردن ٹوٹ گئی اور وہیں مر گیا۔ اس پر آپ نے فرمایا، ابو حنیفہ کے صبر نے ایک آدمی کی جان لے لی۔ سبحان اللہ

حضرتِ اقدس تھانویؒ کی تحمل مزاجی

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایک جگہ تقریر کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔ وہاں سٹیج پر انہیں ایک چٹ ملی۔ اس پر لکھا تھا،

"اشرف علی! آپ کافر ہیں، ولد الزنا ہیں اور ذرا سنبھل کر بات کرنا"

آپ نے یہ پڑھ کر بڑی محبت سے جوب دایا،

"بھائی! یہ پرچی آئی ہے۔ سارے مجمع کو پڑھ کر سنا دی اور پھر کہا کہ اگر میں کافر ہوں تو لو اب کلمہ پڑھ لیتا ہوں۔ لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ۔ اور جو دوسری تہمت ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حسن اتفاق سے اس مجمع میں میرے والد کے نکاح کے گواہ موجود ہیں، ان سے پوچھ لیں۔ اور تیسری بات، ذرا سنبھل کر بات کرنے کی ہے تو نہ میں چندہ مانگنے آیا ہوں اور نہ رشتہ مانگنے آیا ہوں، میں سنبھل کر بات کیوں کروں، میں تو اپنا حق بیان کروں گا۔"

اللہ کے لئے شاگرد کو سزا دینا

حضرت مولانا یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ایک شاگرد کو مار رہے تھے۔ اس نے زور سے کہا، اللہ کے لئے مجھے معاف کر دیں۔ آپ نے ایک اور ماری اور فرمایا،

اللہ کے بندے! میں تجھے اللہ کے لئے ہی تو مار رہا ہوں۔ یہ غصہ حقیقت میں آگ ہوتی ہے تبھی تو چہرہ اور آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں۔

شاگرد کو سزا دینے کی شرعی حیثیت

بعض اوقات غصہ بہت ہی نقصان کا باعث بن جاتا ہے۔ شاگرد کو سمجھانے کی خاطر شریعت نے اجازت دی ہے کہ استاد اسے تین تھپڑ یا مکے لگا لے، وہ بھی چہرے پر نہیں بلکہ پیٹھ پر۔ لیکن ہم نے دیکھا ہے کہ استاد صاحب کا غصہ ان کے قابو میں نہیں رہتا۔ مدارس میں ڈنڈے رکھے ہوتے ہیں اور بچے کو انتقامی طور پر قصائی کی طرح مارا جاتا ہے اور یہ پٹائی تربیت کے لئے نہیں ہوتی، وہ ان کو اس لئے مارتے ہیں کہ ان کا اپنا غصہ قابو میں نہیں ہوتا۔ اس بچے کا کیا قصور ہے کہ منزل سناتے وقت غلطی ہو گئی۔ عین اسی وقت وہ منزل اگر استاد سے سنی جائے تو ایک کی بجائے دو غلطیاں نکل آئیں گی۔

جب دیکھیں کہ بچہ جان بوجھ کر وقت ضائع کر رہا ہے یا بدنیتی کر رہا ہے تو اب اصلاحِ احوال کے لئے آپ اسے سزا دے سکتے ہیں۔ شریعت نے اس بات کی اجازت دی ہے۔ اگر ہم حدودِ شریعت سے بڑھ کر سزا دیں گے تو قیامت کے دن جواب دہ ہونا پڑے گا۔

ایک قاری صاحب فرمانے لگے، حضرت! پہلے اچھے بچے تھے کہ جب آنکھ دکھاتے تھے تو وہ مان لیتے تھے، پھر وہ وقت آ گیا کہ مکا لگاتے تھے تو مان لیتے تھے اور آج ڈنڈوں سے مارتے ہیں اور پھر بھی نہیں مانتے۔ حضرت! کیا کریں کہ ڈنڈوں سے بھی مارتے ہیں پھر بھی نہیں مانتے؟ میں نے کہا، ''قاری صاحب! اب تو صرف ایک ہی طریقہ رہ گیا ہے کہ جس کی غلطی نکلے اسے گولی مار دیا کرو۔''

حضرتِ اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر استاد کو کسی طالب علم پر غصہ آئے

تو استاد کو چاہئے کہ وہ اس وقت غصے کو پی جائے اور بعد میں بناوٹی غصہ بنا کر مارے۔ جب بناوٹی غصہ بنا کر مارے گا تو زیادہ نہیں مارے گا بلکہ تھوڑا مارے گا۔ یاد رکھیں کہ جب انسان کے اندر غصہ آجاتا ہے تو پھر اس کے اندر انسانیت نہیں بلکہ حیوانیت آجاتی ہے۔

یورپ کے کسی سکول اور کالج میں کوئی استاد کسی بچے کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ حتیٰ کہ ماں باپ بھی ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہاں بچے پڑھتے کیسے ہیں؟ وہاں استاد سمجھاتے ہیں۔ ایک اصول یاد رکھیں کہ جب استاد نے مارنے کے لئے ہاتھ اٹھالیا تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس نے اپنی شکست تسلیم کر لی ہے کہ میں زبانی طور پر بچے کو نہیں سمجھا سکتا۔ غصے کو پینے کے لئے ایک بہترین اصول یہ ہے کہ بندہ غصے کے وقت یہ سوچ کہ جتنا اختیار مجھے اس بندے پر ہے اللہ رب العزت کو اس سے زیادہ اختیار میرے اوپر ہے۔ اگر میں اس پر بے جا غصہ کروں گا تو اس کے جواب میں اگر اللہ رب العزت نے مجھ پر غصہ کیا تو میرا کیا بنے گا۔

عفوودرگزر کے فضائل

☆...... ایک روایت میں ہے کہ

جو شخص غصہ نکال سکتا ہو مگر وہ اس غصے کو دبا جائے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ساری مخلوق کے سامنے اس کو بلا کر فرمائیں گے کہ تم جنتی حور عین لینا چاہتے ہو اتنی تمہیں دی جاتی ہیں۔ (ابوداؤد۔ترمذی)

☆...... ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ

اے موسیٰ علیہ السلام ! کیا آپ کو ایسا عمل بتاؤں کہ جس کے کرنے سے جن چیزوں پر سورج اور چاند طلوع ہوتے ہیں وہ سب چیزیں آپ کے لئے مغفرت کی

دعا کریں؟

انہوں نے عرض کیا،

اے اللہ! وہ کونسا عمل ہے؟ ضرور ارشاد فرمائیے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا،

''اگر مخلوق سے پہنچنے والی ایذا پر صبر کرو گے تو پھر سب چیزیں تمہاری مغفرت کے لئے دعا کریں گی''۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا عفو و درگزر

مفسرین نے ایک نکتہ لکھا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام جب بھائیوں سے ملے تو انہوں نے قید سے نکلنے کا تو اللہ تعالیٰ کے حضور شکر ادا کیا لیکن کنویں سے نکلتے ہوئے شکر ادا نہیں کیا۔ اس کی کیا وجہ تھی؟ علماء نے لکھا ہے کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کو کنویں میں ان کے بھائیوں نے ڈالا تھا اور وہ اپنے دل میں بھائیوں کو معاف کر چکے تھے، چونکہ معاف کرنا اس کو کہتے ہیں کہ جب انسان اشارتاً کنایتاً بھی اس کا شکوہ نہ کرے، لہٰذا اگر وہ کنویں سے نکلتے ہوئے اللہ کا شکر ادا کرتے تو ادھر تو شکر ادا ہو رہا ہوتا لیکن حقیقت میں بھائیوں کا شکوہ ہو رہا ہوتا، اس لئے انہوں نے کنویں سے نکلتے ہوئے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا۔

حوض کوثر سے محرومی

ایک حدیث پاک میں آیا ہے کہ جس کے پاس آ کر کوئی انسان معذرت کرے، چاہے وہ انسان حق پر ہو یا باطل پر، اور پھر دوسرا بندہ اس کی معذرت کو قبول نہ کرے، اس انسان کو حوض کوثر پر جانا نصیب نہیں ہوگا۔

چار دانگ عالم میں خوش خلقی کا اعلان

ایک شخص نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے سے آ کر سوال کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! سب سے افضل عمل کونسا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، خوش خلقی۔ پھر وہ دائیں طرف سے آ کر کہنے لگا، اے اللہ کے نبی ﷺ! سب سے افضل عمل کونسا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، خوش خلقی۔ پھر وہ بائیں طرف سے آیا اور کہنے لگا، اے اللہ کے نبی ﷺ! سب سے افضل عمل کونسا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، خوش خلقی۔ پھر وہ صحابی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی پیٹھ کی طرف سے آیا اور پوچھا، اے اللہ کے نبی ﷺ! سب سے افضل عمل کونسا ہے؟ آپ ﷺ اس کی طرف پھرے اور فرمایا،

"تمہیں کیا ہو گیا، کیوں نہیں سمجھ رہا، وہ عمل خوش خلقی ہے، اور خوش خلقی اس کو کہتے ہیں کہ دوسروں پر غصہ نہ کیا کر"۔

اس صحابی رضی اللہ عنہ نے چاروں سمتوں سے آ کر سوال کیا، اور اللہ کے محبوب ﷺ نے چاروں سمتوں سے جواب دیا، اس میں حکمت یہ تھی کہ اللہ کے محبوب ﷺ کا یہ پیغام دنیا کی ہر سمت میں پہنچ جائے کہ سب سے افضل عمل خوش خلقی ہے۔

صدیقہء کائنات کو سرورِ دو عالم ﷺ کی پیار بھری نصیحت

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ جب کبھی ازواج مطہرات کی باتوں کی وجہ سے میرے اندر حمیت آ جاتی اور غصہ آ جاتا تھا تو کبھی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام میرا کان پکڑ کر اس کو پیار سے آہستہ آہستہ ملتے اور کبھی میری ناک پر انگلی رکھ کر یوں فرماتے،

''اے منی سی عائشہ! تو یہ دعا پڑھ کہ اے محمد ﷺ کے رب! میرے گناہ بخش دیجئے میرے دل کا غصہ دور کر دیجئے اور بہکانے والے فتنوں سے مجھے بچا لیجئے''۔

جنت میں پہنچانے والا عمل

طبرانی شریف کی روایت ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے اللہ کے محبوب ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جس کے کرنے سے مجھے جنت مل جائے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا،

''غصہ نہ کیا کر، اللہ رب العزت اس عمل کی وجہ سے تجھے جنت عطا فرما دیں گے''۔

ایک آفیسر کا سبق آموز واقعہ

ایک آدمی گورنمنٹ کے کسی محکمہ کا آفیسر تھا۔ اس نے اپنی زندگی کی داستان میں اپنا ایک بہت ہی دلچسپ واقعہ لکھا ہے، میں آپ کو وہ واقعہ سنا دیتا ہوں۔

وہ ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اسے ایک مرتبہ کسی سرکاری دورے پر ایک شہر سے دوسرے شہر جانا تھا۔ اسے ریل گاڑی کے ذریعے جانا تھا۔ چنانچہ وہ اسٹیشن پر پہنچا اور اس نے ٹکٹ خریدا۔ گاڑی جس لائن پر کھڑی تھی اسے وہاں پہنچنا تھا۔ اس نے سامان اٹھانے کیلئے قلی کو بلایا اور اسے کہا کہ بھئی! میرا سامان فلاں پلیٹ فارم پر پہنچا دو۔ اس نے کہا، جی بہت اچھا۔ اور سامان اٹھا لیا۔ چونکہ وقت بہت کم تھا اس لئے وہ تیزی سے پلیٹ فارم کی طرف چلا۔ پیچھے سے قلی بھی سامان اٹھا کر بھاگا، وہ آدمی تیز تیز چل کر پلیٹ فارم پر بوگی کے دروازے پر جلدی پہنچ گیا لیکن بھیڑ زیادہ ہونے کی وجہ سے قلی وقت پر نہ پہنچ سکا۔ اس وقت اس کو بہت غصہ آیا۔ یہاں تک کہ

گارڈ نے وِسل دے دی اور گاڑی چلنا شروع ہو گئی۔ وہ اس پر چڑھ بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ اس کا سامان پیچھے تھا۔ بالآخر اسے گاڑی چھوڑنا پڑی۔

جب وہ گاڑی سے رہ گیا تو اسے بہت افسوس ہوا کہ میرا پروگرام مس ہو گیا ہے۔ جب گاڑی چل دی اور مسافروں کو الوداع کہنے والے لوگ بھی چلے گئے تو اس وقت وہ قلی پسینے سے شرابور سامان اٹھائے ہوئے اس کے پاس آیا۔ اس کے چہرے پر بڑی ندامت اور شرمندگی تھی۔ وہ کہنے لگا، صاحب! مجھے معاف کر دیں، میں نے یہاں پہنچنے کی بڑی کوشش کی لیکن راستے میں اتنی بھیڑ تھی کہ راستہ بھی نہیں مل رہا تھا۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ اب گاڑی تو جا چکی ہے، اب اگر میں اس بیچارے پر غصہ کروں گا بھی تو مجھے کیا فائدہ ہو گا۔ چنانچہ اس نے اسے پیار سے کہا، کوئی بات نہیں، اللہ کو ایسا ہی منظور تھا، چلو میں کل چلا جاؤں گا۔ جیسے ہی اس نے یہ کہا، اس قلی کے چہرے پر بشاشت آ گئی اور کہنے لگا، اچھا میں آپ کا سامان آپ کی گاڑی میں پہنچا دیتا ہوں۔ چنانچہ اس نے اس کا سامان گاڑی تک پہنچا دیا۔ اس نے وہ رات وہیں گزاری۔

اگلے دن وہ وقت سے کچھ زیادہ پہلے اسٹیشن پر پہنچ گیا۔ جب وہ پہنچا تو اس نے دیکھا کہ وہی قلی پہلے سے اس کا انتظار کر رہا تھا۔ جیسے ہی اس نے دیکھا تو وہ اس سے ایسے گرمجوشی سے ملا جیسے کوئی بڑا ہی عزیز ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس قلی نے اس کا سامان سر پر اٹھا لیا اور کہنے لگا، صاحب! آج تو ابھی رش نہیں ہوا لہٰذا آج تو آپ کو پہنچا ہی دوں گا۔ جب قلی نے اس کا سامان پلیٹ فارم پر پہنچا دیا اور اس نے اسے پیسے دینے چاہے تو وہ کہنے لگا، نہیں صاحب! میں پیسے نہیں لوں گا کیونکہ میری ہی غلطی کی وجہ سے آپ کی ٹرین مس ہوئی تھی۔ اس نے پیسے دینے کی بڑی کوشش کی لیکن قلی

نے اس کی منت سماجت کرنی شروع کر دی کہ اگر آپ مجھے پیسے نہیں دیں گے تو میں زیادہ خوش ہوں گا۔ بالآخر اس نے پیسے نہ لیے۔

قلی نے اسے گاڑی پر بٹھایا اور بوگی کے باہر آ کر اس کے ساتھ والی کھڑکی کھول کر کھڑا ہو گیا اور گاڑی کے چلنے کے وقت تک وہ اسے بڑی احسان مندانہ نظروں سے دیکھتا رہا۔ اور جب گاڑی چلنے لگی تو اس قلی نے اسے ایسی محبت سے الوداع کیا کہ اسے پوری زندگی میں کبھی بھی کسی رشتہ دار نے اتنی گرمجوشی کے ساتھ الوداع نہیں کیا تھا۔

اس نے اس واقعہ کے بعد لکھا کہ لیٹ ہونے کا جو غم تھا وہ تو رات کو ہی ختم ہو گیا تھا لیکن اس کی محبت بھری الوداعی نظر آج بیس سال گزرنے کے بعد بھی میرے دل میں ٹھنڈک پیدا کر دیتی ہے۔

اب دیکھئے کہ وہ بندہ دو گالیاں دے کر اپنے دل کا غصہ ٹھنڈا بھی کر سکتا تھا اور وہ سن کر گھر چلا جاتا' لیکن اس نے معاف کر دیا۔ اور اس معاف کرنے کا یہ نتیجہ نکلا کہ اس نے احسان مانا۔ اس دن بھی اس کا سامان پہنچایا اور اگلے دن بھی سامان پہنچایا۔ حتٰی کہ جب تک وہ روانہ نہ ہوا وہ پلیٹ فارم پر ہی کھڑا رہا، اس کے لئے دعائیں بھی کرتا رہا اور اسے محبت بھری نظروں سے الوداع بھی کیا۔ جی ہاں! جب انسان دوسروں کی غلطیوں کو معاف کر دیتا ہے تو ان کی غلطیوں کی تکلیف تو یاد نہیں ہوتی لیکن معاف کر دینے کا مزہ اسے زندگی بھر نصیب ہوتا رہتا ہے۔ اس لئے جب کبھی کوئی معافی مانگنے آئے تو سب سے پہلے اپنی آخرت کے بارے میں سوچیں کہ اگر میں نے آج اس کو معاف نہ کیا تو پھر میں قیامت کے دن اللہ رب العزت سے کس منہ سے معافی مانگوں گا۔

ذوالنون مصریؒ کی شفقت بھری دعا

ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ کشتی میں سفر کر رہے تھے۔ دریا میں ایک اور کشتی بھی چل رہی تھی۔ اس میں نوجوان مرد، عورتیں اور لڑکیاں سفر کر رہی تھیں۔ وہ لوگ کچھ کھا پی بھی رہے تھے اور ہنسی مذاق میں قہقہے بھی لگا رہے تھے۔ لگتا یوں تھا کہ وہ گندے لوگ تھے اور انہوں نے گندی محفل لگائی ہوئی تھی۔

جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی کشتی کے لوگوں نے ان کو دیکھا تو انہیں بڑا غصہ آیا اور ان میں سے ایک بندہ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور عرض کیا، حضرت! دیکھئے، ان کو خدا کا خوف نہیں ہے، یہ دریا کے پانی کے اندر بھی اس قسم کی گندی حرکتیں کرنے کیلئے آئے ہوئے ہیں، پی پلا رہے ہیں اور قہقہے لگا رہے ہیں، لہٰذا آپ بددعا کر دیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی کشتی کو غرق کر دے۔ آپ پہلے خاموش رہے لیکن جب لوگوں نے بار بار کہا تو آپ نے اس کشتی والوں کو دیکھا اور ہاتھ اٹھا کر یوں دعا مانگی،

''اے اللہ! جیسے آپ نے ان کو دنیا کی خوشیاں عطا کی ہیں اسی طرح ان کو آخرت کی خوشیاں بھی عطا فرما دیں''۔

جب انہوں نے دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے اس کشتی والوں کو توبہ کی توفیق عطا فرما دی۔ اللہ اکبر......!!!

ابراہیم ادھمؒ کا عفوو درگزر

ایک مرتبہ ابراہیم ادھمؒ نے حلق کروایا۔ یعنی ٹنڈ کروائی۔ وہ کشتی پر سوار ہو کر کہیں جا رہے تھے......اس وقت کشتیاں اتنی بڑی ہوتی تھیں کہ ان میں دو تین سو بندے

آسانی سے بیٹھ سکتے تھے...... آپ کشتی میں ذکر و اذکار میں مشغول ہو گئے۔ جب چھوٹے بچوں نے چمکتی ہوئی ٹنڈ دیکھی تو ان کو اچھی لگی ..... چھوٹوں کو کیا وہ تو بڑوں کو بھی اچھی لگتی ہے، ٹنڈ کروائیں تو اس پر ہاتھ پھیرنے کا اپنا مزہ ہوتا ہے...... ایک بچے نے پاس آ کر ان کے سر کے اوپر ہاتھ پھیرا تو اس کو بڑا مزہ آیا۔ دوسرے بچے نے بھی ہاتھ پھیرا تو اسے بھی مزہ آیا۔ اس نے تیسرے کو بتایا، حتی کہ بچے باری باری آتے رہے اور ان کی ٹنڈ پر ہاتھ پھیر کر جاتے رہے۔ ان میں سے ایک بچہ کچھ زیادہ ہی شرارتی تھا۔ جب وہ آیا تو اسے شرارت سوجھی اور اس نے ہاتھ پھیرنے کے بعد ایک تھپڑ سا لگا دیا۔ اس کے بعد دوسرے بچے نے بھی تھپڑ لگا دیا، اس کے بعد تیسرے نے بھی لگا دیا۔ بچے ان کو تھپڑ لگاتے رہے اور بڑے ان کو دیکھ کر ہنستے رہے۔ کشتی کے سب آدمی ان کا مذاق اڑانے لگے۔ حتی کہ عجیب طوفان بدتمیزی بپا ہوا۔

جب انہوں نے اللہ کے ایک ولی کو اس طرح بہت زیادہ ایذا پہنچائی تو پھر اللہ رب العزت کی غیرت بھی جوش میں آ گئی۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے ان کو الہام فرمایا،

> ''اے ابراہیم ادھم! انہوں نے طوفان بدتمیزی بپا کرنے میں حد کر دی ہے، اگر اس وقت تو دعا کرے تو میں اس کشتی کو الٹ دوں تاکہ یہ سب کے سب غرق ہو جائیں''۔

جیسے ہی ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں یہ الہام ہوا تو انہوں نے فوراً ہاتھ اٹھا کر یوں دعا مانگی،

> ''اے اللہ! اگر آپ کشتی کو الٹنا ہی چاہتے ہیں تو یہ جتنے بندے موجود ہیں، ان سب کے دلوں کی کشتی کو الٹ کر ان کو نیک بنا دیجئے''۔

ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی یہ دعا قبول ہوگئی۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ کشتی میں جتنے بندے بھی تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو مرنے سے پہلے ولایت کا مقام عطا فرمادیا۔

رحم کی تلقین

حدیث پاک میں آیا ہے کہ

اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَنْ فِی السَّمَاءِ

(تم زمین والوں پر رحم کرو آسمانوں والا تم پر رحم کرے گا)

اگر ہم دنیا میں اپنے غصے پورے کریں گے تو پھر قیامت کے دن اللہ رب العزت کے غصے کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔

سلسلہ نقشبندیہ کی برکت سے غصے کا خاتمہ

ہمارے اکابر نے فرمایا ہے کہ ہمارے سلسلہ نقشبندیہ میں دوسرا سبق ہے ''لطیفہ روح''۔ جب سالک اس سبق کو اچھی طرح کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے غصے سے نجات دلا دیتے ہیں۔ اس کا تجربہ بھی کیا گیا ہے۔

انڈیا کے ایک عالم تھے۔ انہوں نے ایک بہت بڑے مدرسہ میں بیس سال مسلم شریف پڑھائی۔ بڑے نمایاں اساتذہ میں سے ہیں۔ مگر ان کا غصہ بھی مشہور تھا۔ جب سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں داخل ہوئے تو کہنے لگے، حضرت! میری یہ حالت ہے کہ ذرا سی بات پر غصے میں آجاتا ہوں اور یہ غصہ میرے قابو میں نہیں رہتا۔ لوگ میرے علم کی وجہ سے میرا بڑا احترام کرتے ہیں مگر میں اپنی اس باطنی بیماری سے بہت تنگ ہوں۔ انہیں یہ عرض کیا گیا کہ آپ یہ سبق کر لیں، نسخہ موجود ہے۔ انہوں نے تقریباً چھ مہینے یہ سبق کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طبیعت ایسی بدلی کہ ایک دن آئے اور عرض کرنے لگے

کہ میری اہلیہ نے پیغام بھجوایا ہے کہ آپ مجھے غائبانہ بیعت فرمالیں۔ پھر کہنے لگے کہ پتہ ہے وہ کیوں بیعت ہونا چاہتی ہیں؟ میں نے پوچھا، کیوں؟ کہنے لگے کہ اس نے میرے ساتھ زندگی کے اتنے سال گزارے، مجھے کہتی تھی آپ چار پانچ ماہ سے بدل چکے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ میں نے اس کو نہ بتایا کہ میں بیعت ہو چکا ہوں۔ جب اس نے بار بار پوچھا تو پھر میں نے کہا، اب میں نے بیعت کر لی ہے اور میرے اندر اب وہ غصہ نہیں ہے جو پہلے تھا۔ کہنے لگے کہ جب اس نے سنا تو کہنے لگی کہ مجھے یہ نسبت سچی لگتی ہے لہٰذا میں بھی اس نسبت سے فائدہ اٹھانا چاہتی ہوں۔

جب انسان یہ اسباق کرے گا تو آپ کے گھروں میں بھی دین زندہ ہوگا۔ آج تو یہ معاملہ ہے کہ خود تو صوفی صافی بنے پھرتے ہیں اور گھر والوں کو پکا بے دین بنا رکھا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں کہا جاتا ہے،

اوپر سے لا الٰہ اندر سے کالی بلا

غصے کو کنٹرول کرنے کے طریقے

غصے کو کنٹرول کرنے کے مختلف طریقے ہیں۔

⊙ ...... سب سے پہلا طریقہ یہ ہے کہ جب آدمی کو غصہ آئے تو وہ **لَاحَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ** پڑھے۔ اس کی برکت سے شیطان جو رگوں میں خون کی طرح دوڑ رہا ہوتا ہے اور غصے کی حالت میں بندے کے ساتھ گیند کی طرح کھیل رہا ہوتا ہے وہ بھاگ جاتا ہے اور غصہ ختم ہو جاتا ہے۔

⊙ ...... اگر اس سے بھی غصہ ختم نہ ہو تو **اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ** کے الفاظ سے اللہ رب العزت کی پناہ مانگے۔ اس اعوذ باللہ کے پڑھنے سے اللہ رب العزت غصے سے پناہ عطا فرما دیں گے۔

⊙......اگر اس سے بھی غصہ ختم نہ ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اپنی پوزیشن بدل لے۔ مثلاً لیٹا ہوا تھا تو اٹھ کر بیٹھ جائے، بیٹھا تھا تو کھڑا ہو جائے، کھڑا تھا تو دو قدم چل کر اپنی جگہ بدل لے۔ جگہ کے بدلنے سے اللہ رب العزت اس کے غصے کو ٹھنڈا فرما دیں گے۔

⊙......اگر کسی کا غصہ اس سے بھی ٹھنڈا نہ ہو تو اسے چاہیے کہ وہ ٹھنڈے پانی کے ساتھ وضو کر لے۔ وضو کی برکت سے اللہ رب العزت اس کے غصے کو ختم فرما دیں گے۔

⊙......اگر وضو کرنے سے بھی غصہ دور نہ ہو تو وہ دو رکعت نماز پڑھ لے اور سجدے کی حالت میں سوچے کہ میں سجدے میں پڑا ہوا اللہ کا ایک عاجز بندہ ہوں، اگر آج میں کسی کی غلطی کو معاف نہیں کرتا تو کل اللہ رب العزت قیامت کے دن میری غلطیوں کو کیسے معاف کریں گے۔ مشائخ نے فرمایا ہے کہ جب سجدے میں جا کر اپنی عاجزی کا تصور کریں گے تو غصہ بالکل ٹھنڈا ہو جائے گا۔

⊙......اگر اس سے بھی انسان کا غصہ ٹھنڈا نہ ہو تو حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ کچھ پانی لے کر اپنی ناک میں ڈالے، اس سے اس کا غصہ جلدی ٹھنڈا ہو جائے گا۔

⊙......اگر اس سے بھی انسان کا غصہ ختم نہ ہو تو پھر وہی دعا مانگے جو سیدہ عائشہ صدیقہؓ کو نبی علیہ السلام نے فرمائی تھی۔ وہ دعا یہ تھی،

"اے محمد ﷺ کے رب! میرے گناہ بخش دیجئے، میرے دل کا غصہ دور کر دیجئے اور بہکانے والے فتنوں سے مجھے بچا لیجئے"۔

⊙......اور اگر اس سے بھی غصہ ٹھنڈا نہ ہو تو آخری طریقہ یہ ہے کہ چند مرتبہ نبی علیہ

الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پڑھ لے۔ یہ طے شدہ بات ہے کہ چند مرتبہ درود شریف پڑھنے سے اللہ رب العزت غصے سے نجات عطا فرما دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عرب میں اگر دو بندے جھگڑا شروع کر دیں تو عربی لوگ فوراً کہتے ہیں،

صلوا علیٰ محمد ، صلوا علیٰ محمد

آپ ان طریقوں سے غصے کو کنٹرول کر لیا کریں اور دوسروں کو جلدی معاف کر دیا کریں تا کہ قیامت کے دن اللہ رب العزت ہمیں بھی معاف فرما دیں۔

وآخر دعوٰنا ان الحمدللہ رب العٰلمین

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِیْ نُفُوْسِكُمْ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِیْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِیْنَ غَفُوْرًا ۝

دعاؤں کی رات

یہ بیان ۱۵ شعبان ۱۴۲۳ھ مطابق ۲۰ اکتوبر ۲۰۰۲ء (بر موقع سالانہ نقشبندی اجتماع) کو جامع مسجد مدینہ جھنگ میں بعد از عشاء ہوا، یہ شب برأت تھی اور حاضرین میں سالکین اور عوام الناس کی کثیر تعداد موجود تھی۔

اقتباس

علماء نے لکھا ہے کہ چار راتوں میں اللہ تعالیٰ خیر کے دریا بہا دیتے ہیں۔

(۱) لیلۃ القدر میں

(۲) شب عرفہ (عرفات کی رات) میں

(۳) لیلۃ البراءۃ (شب براءت) میں

(۴) لیلۃ الجائزہ (عیدالفطر کی رات) میں

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جس طرح انسانوں کی عیدیں ہوتی ہیں اسی طرح شب برأت فرشتوں کی عید ہوتی ہے......

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

دعاؤں کی رات

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَکَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

فَاعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِo بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

رَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِیْ نُفُوْسِکُمْ ط اِنْ تَکُوْنُوْا صٰلِحِیْنَ فَاِنَّہٗ کَانَ لِلْاَوَّابِیْنَ غَفُوْرًا. (بنی اسرائیل :۲۵)

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَo وَ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَo وَ الْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن o

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

رجب، شعبان اور رمضان کے فضائل

کچھ اوقات، کچھ مقامات اور کچھ اشخاص ایسے ہوتے ہیں جن کی موجودگی میں اللہ رب العزت کے ہاں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ ان اوقات میں سے آج کی رات (شب برأت) بھی قبولیت کی رات ہے۔ احادیث میں اس کے بہت سے فضائل وارد ہوئے ہیں۔ رجب، شعبان اور رمضان المبارک تینوں مہینے اکٹھے آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان مہینوں کی بڑی اہمیت ہے۔

☆...... اللہ رب العزت نے رجب کو معراج کی رات کے ذریعے فضیلت بخشی اور رمضان المبارک کو لیلۃ القدر کے ذریعے عزت عطا فرمائی۔ ان دونوں مہینوں کے

درمیان شعبان کا مہینہ آتا ہے۔ اسلئے یہ کریم الطرفین مہینہ کہلاتا ہے۔ حدیثِ پاک میں آیا ہے کہ جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام رجب کا چاند دیکھتے تو یہ دعا مانگتے تھے:

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَافِیْ رَجَبٍ وَشَعْبَانَ وَ بَلِّغْنَا رَمَضَانَ

[اے اللہ! ہمارے لئے رجب اور شعبان میں برکت عطا فرما اور ہمیں رمضان تک پہنچا]

☆...... نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رجب کا مہینہ اللہ رب العزت کا مہینہ ہے...... کیوں؟ اس لئے کہ عام طور پر اس مہینے میں مالدار لوگ اپنے مال کی زکوٰۃ نکالتے ہیں اور غریبوں کا خیال کرتے ہیں...... پھر ارشاد فرمایا کہ شعبان کا مہینہ میرا مہینہ ہے...... اور پھر ارشاد فرمایا کہ رمضان کا مہینہ میری گنہگار امت کا مہینہ ہے۔

☆...... بعض بزرگوں نے لکھا ہے کہ رجب کا مہینہ بیج ڈالنے کا مہینہ ہے، شعبان کا مہینہ آب پاشی کا مہینہ ہے اور رمضان المبارک کا مہینہ فصل کاٹنے کا مہینہ ہے۔

☆...... یا یوں سمجھئے کہ رجب کا مہینہ پتے نکلنے کا مہینہ ہے، شعبان کا مہینہ پھل لگنے کا مہینہ ہے اور رمضان المبارک کا مہینہ نیکیوں کا پھل کاٹنے کا مہینہ ہے۔

☆...... اگر رجب کو ہوا کی مانند سمجھا جائے تو شعبان کا مہینہ بادل کی مانند ہے اور رمضان المبارک رحمتوں کی بارش کی مانند ہے۔

☆...... رجب کے مہینے میں انسان کے اعمال سات گنا بڑھتے ہیں، شعبان کے مہینے میں سات سو گنا اور رمضان المبارک کے مہینے میں ایک ہزار گنا بڑھ جاتے ہیں۔

☆...... رجب کے مہینے کو دوسرے مہینوں پر وہ فضیلت حاصل ہے جو قرآن مجید کو بقیہ آسمانی کتابوں پر، شعبان کے مہینے کو دوسرے مہینوں پر وہ فضیلت حاصل ہے جو نبی اکرم ﷺ کو باقی انبیا پر اور رمضان المبارک کے مہینے کو باقی مہینوں پر وہ

فضیلت حاصل ہے جو اللہ رب العزت کو اپنی مخلوق پر۔

☆...... رجب کا مہینہ گنہگاروں کی مغفرت کا مہینہ، شعبان کا مہینہ شفاعت کا مہینہ اور رمضان المبارک کا مہینہ نیکیوں کے بڑھنے کا مہینہ ہے۔

رحمتوں کی ابتدا

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رمضان المبارک کو اللہ رب العزت کے کلام کے ساتھ خصوصی مناسبت حاصل ہے۔ اس لئے کہ جتنی بھی آسمانی کتابیں اتریں وہ سب کی سب رمضان المبارک میں اتریں۔ اس مبارک مہینے کی برکتوں کی ابتداء پندرہ شعبان کی رات سے ہو جاتی ہے۔ وہ اس کی مثال اس طرح دیتے ہیں کہ سورج نکلنے کا وقت تو بہت دیر سے ہوتا ہے۔ اس سے دو گھنٹے پہلے طلوع سحر ہو جاتی ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ روشنی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ سورج نکلنے سے چند منٹ پہلے ایسے ہی روشنی ہوتی ہے جیسے سورج طلوع ہو چکا ہو۔ بعض اوقات لوگوں کو غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ سورج نکلا ہے یا نہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ پندرہ شعبان کی رات رحمتوں بھرے اس مہینے کے لئے طلوع سحر کی مانند ہے۔ پھر ہر دن میں یہ نور بڑھتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ رمضان المبارک سے چند دن پہلے ایسی برکتیں نازل ہوتی ہیں جیسا کہ رمضان المبارک میں برکتیں نازل ہوتی ہیں۔ پھر رمضان المبارک کی پہلی تاریخ کو رحمتوں کا سورج طلوع ہو جاتا ہے۔ گویا آج کی رات سے خصوصی برکتوں والے مہینے کی رحمتوں کی ابتداء ہو گئی ہے۔

بجٹ بننے کی رات

علما نے اس رات کو بجٹ کی رات کہا ہے۔ جیسے ہمارے ملکوں میں بجٹ بنتا ہے

اور آنے والے سال کے فیصلے کیے جاتے ہیں کہ کہاں کیا خرچ کیا جائے گا اور کیا کیا کام کیے جائیں گے، اسی طرح اللہ رب العزت پندرہ شعبان کی رات فرشتوں کو حکم دیتے ہیں کہ آئندہ سال جو واقعات ہونیوالے ہیں ان کی فہرستیں تیار کرلیں ...... کس کو صحت ملنی ہے ...... کس نے بیمار ہونا ہے ...... کس نے زندہ رہنا ہے ...... کس نے فوت ہونا ہے ...... کس کا رزق تنگ کرنا ہے ...... کس کا رزق کشادہ کرنا ہے ...... کس کو عزت ملے گی ...... کس کو ذلت ملے گی ...... کس کو خوشیاں ملیں گی ...... کس کو غم ملیں گے ...... کس کو ایمان ملے گا ...... اور کون ایمان سے محروم کر دیا جائے گا۔ ...... ان تمام باتوں کے فیصلے آج کی رات ہوتے ہیں۔ ۲۷ رمضان المبارک کو یہ فہرستیں اللہ رب العزت کے حکم سے فرشتوں کے حوالے کر دی جاتی ہیں۔ گویا عمل درآمد کے لئے فہرستیں ہر ڈیپارٹمنٹ کے حوالے کر دی جاتی ہیں۔

پندرہ شعبان کا روزہ

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس رات میں قسمت کے فیصلے ہوتے ہیں، میرا جی چاہتا ہے کہ جب یہ فیصلے ہوں تو میں روزہ کی حالت میں ہوں۔ چنانچہ اللہ کے محبوب ﷺ پندرہ شعبان کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ پندرہ شعبان کا روزہ رکھنا سنت ہے۔

ایک حدیث پاک کے راوی ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ اپنی قوم کے سرداروں میں سے تھے۔ جب وہ اسلام قبول کرنے کے لئے چل کر آئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کے دل میں القاء فرمایا کہ یہ اپنی قوم کا بڑا کریم آدمی آرہا ہے اس کی عزت کریں۔ چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے استقبال کے لئے کھڑے ہوئے اور ان کے لئے اپنی چادر مبارک بچھا دی اور فرمایا کہ اس چادر پر چل کر آؤ۔ لیکن وہ

اتنے ادب والے تھے کہ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے چادر کو اٹھا دیا اور کہنے لگے کہ مجھے زیب نہیں دیتا کہ میں آپ کی چادر مبارک کے اوپر پاؤں رکھ کر آؤں۔ جب انہوں نے چادر کو اٹھا لیا تو نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا

اَبُوْ اُمَامَةُ كَنْزُ الْاَدَبِ وَ الصِّيَانَةِ

[ابو امامہ ادب اور صیانت کا خزانہ ہیں]

وہ ابو امامہ ﷺ روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

مَنْ صَامَ يَوْمًا مِّنْ شَعْبَانِ فُتِحَتْ لَهُ اَبْوَابُ الْجِنَانِ وَ غُلِّقَتْ عَلَيْهِ اَبْوَابُ النِّيْرَانِ

[جو آدمی شعبان میں ایک دن روزہ رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اسکے لئے جنت کے دروازے کھول دیتے ہیں اور جہنم کی آگ کے دروازے اس پر بند فرما دیتے ہیں]

حضرت علی ﷺ سے روایت ہے کہ پندرہ شعبان کی رات کو قیام کرو اور دن کو روزہ رکھو۔ اس رات غروبِ آفتاب کے بعد ہی اللہ تعالیٰ آسمان پر جلوہ افروز ہوتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں کہ

۔ ہے کوئی مغفرت چاہنے والا کہ میں اس کی مغفرت کروں؟

۔ ہے کوئی رزق مانگنے والا کہ میں اسے رزق عطا کروں؟

۔ ہے کوئی مصیبت زدہ کہ میں اس کی مصیبت کو دور کروں؟

۔ ہے کوئی حاجت طلب کرنے والا کہ میں اس کی حاجت روائی کروں؟

جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یوں بخشش کے اعلان ہوتے ہیں تو ہمیں بھی چاہیے کہ اس موقع سے فائدہ اٹھائیں اور اللہ رب العزت کی رحمت کو پانے کی

کوشش کریں۔

قبولیتِ دعا کے اسباب

آج قبولیتِ دعا کے تمام اسباب موجود ہیں۔

(۱) وقت بھی قبولیت کا ہے۔ کیونکہ اس رات میں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

(۲) محفل بھی قبولیت کی ہے۔ اس وقت بہت سے ایسے علماء وصلحاء موجود ہیں جو حدیث اور تفسیر پڑھانے میں اپنا وقت گزارتے ہیں، لوگوں کو اللہ اللہ سکھاتے ہیں اور اللہ کے راستے میں ان کی زندگیاں گزرتی ہیں۔ یہ ذاکرین کی محفل ہے۔ معلوم نہیں کہ یہ لوگ کتنی کتنی دور سے یہاں آئے بیٹھے ہیں۔ یہ نعمت بھی اللہ تعالیٰ نے ہمیں نصیب فرمادی ہے۔

(۳) جگہ بھی قبولیت کی ہے۔ یعنی اللہ کے گھر (مسجد) میں بیٹھے ہیں۔ اگر کوئی دنیا دار کے گھر میں آ کر بیٹھ جائے تو وہ دنیادار بھی لحاظ کر لیتا ہے، ہم سب پروردگار کے گھر چل کر آئے ہیں تو کیا اللہ تعالیٰ لحاظ نہیں فرمائیں گے۔

ہم لوگ سارا سال لوگوں کے سامنے شکوے کرتے پھرتے ہیں اور اپنی پریشانیاں سناتے پھرتے ہیں۔ کچھ بیچارے تو عاملوں کے پیچھے بھاگتے پھرتے ہیں اور کئی اربابِ اقتدار کے دروازے کھٹکھٹاتے پھرتے ہیں۔ لیکن جب دھکے کھا کھا کر کچھ بھی نتیجہ نہیں نکلتا تو بالآخر کہتے ہیں کہ اللہ تو ہماری سنتا ہی نہیں۔ (معاذ اللہ)...... آج سنانے کا وقت ہے۔ جب آج فیصلے ہو رہے ہیں اور قلم چل رہا ہے تو کیوں نہ ہم پروردگار کے سامنے آج ہی رولیں تاکہ اللہ تعالیٰ ہمارے بارے میں خیر کا فیصلہ فرمادیں۔

سراپا سوالی بن کر دعا مانگیں

ہمیں چاہیے کہ ہم مانگنے کے طریقے سے دعا مانگیں۔ کئی مرتبہ انسان دعائیں پڑھتا ہے دعائیں مانگتا نہیں ہے۔ یہ یاد رکھئے کہ دعائیں پڑھنا اور بات ہے اور دعائیں مانگنا اور بات ہے۔ دعائیں پڑھنا تو یہ ہوا کہ جلدی جلدی یہ پڑھ دیا جائے

ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنة ......

ربنا ظلمنا انفسنا ......

ربنا لا تزغ قلوبنا ......

چنانچہ دعائیں مانگنے کے بعد پوچھیں کہ کیا مانگا ہے تو کہتے ہیں کہ جی معلوم نہیں کہ کیا مانگا ہے۔ اسے دعائیں پڑھنا کہتے ہیں دعائیں مانگنا نہیں کہتے۔ یاد رکھیں کہ دعائیں پڑھنے سے قبول نہیں ہوتیں بلکہ مانگنے سے قبول ہوتی ہیں...... اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دعائیں مانگنا کسے کہتے ہیں؟...... تو سنئے کہ دعائیں مانگنا اسے کہتے ہیں کہ مانگنے والا سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک سراپا سوال بن جائے۔ ذرا چشمِ تصور سے دیکھیں کہ جس فقیر نے ایک روپیہ مانگنا ہوتا ہے وہ کپڑے بھی ایسے پہنتا ہے جیسے مانگنے والا، چلتا بھی ایسے ہے جیسے پریشان حال، وہ ہاتھ بھی ایسے پھیلاتا ہے جیسے کوئی فریادی پھیلاتا ہے۔ وہ آواز بھی درد بھری نکالتا ہے۔ جس نے ایک روپیہ کسی انسان سے مانگنا ہوتا ہے اگر وہ اس طرح فریادی بن کر سوال کرتا ہے تو جس نے اللہ رب العزت سے اللہ کو مانگنا ہو تو سوچئے کہ اس کو کتنا فریادی بن کر سوال کرنا ہوگا۔

کیا ہم اس طرح دعائیں مانگتے ہیں؟ جواب ملے گا، نہیں۔ اسی لئے تو ہمیں قبولیتِ دعا میں دیر نظر آتی ہے۔ اگر صحیح طریقے سے دعا مانگیں گے تو پروردگار دیتے

میں دیر نہیں کریں گے...... آپ ذرا اس مثال پر غور کریں کہ کوئی سخی آدمی دوستوں کی محفل میں بیٹھا ہو اور اس وقت کوئی فقیر آ کر اس کے دوستوں کے سامنے کہے کہ میں نے ان سے ایک روپیہ مانگا تھا اور انہوں نے مجھے نہیں دیا تھا تو اس کو کتنا برا محسوس ہو گا کہ یہ میرے سارے دوستوں کی محفل میں دعوٰی کر رہا ہے کہ میں نے مانگا تھا اور مجھے نہیں دیا گیا حالانکہ میں اتنا سخی ہوں۔ جب دنیا کا سخی اپنے پیاروں کے سامنے یہ بات سننا گوارا نہیں کرتا تو اللہ رب العزت قیامت کے دن اپنے محبوب ﷺ اور دوسرے انبیاء کی موجودگی میں یہ کیسے پسند فرمائیں گے کہ کوئی یہ کہے کہ اے اللہ! میں نے مانگنے کے طریقے سے مانگا تھا اور مجھے محروم کر دیا گیا تھا۔ یہ اس کی شان سے بعید ہے کہ اس داتا کے بارے میں کوئی یہ کہے کہ اے اللہ! میں نے مانگا تھا مجھے ملا نہیں۔

دعا مانگنے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں

دنیا دار دیتے ہیں تو انہیں رنجش ہوتی ہے جبکہ پروردگار کا معاملہ اور ہے۔ وہ دیتے ہیں تو انہیں خوشی ہوتی ہے۔ حدیث پاک میں آیا ہے

مَنْ لَّمْ يَسْئَلِ اللّٰهِ يَغْضَبْ عَلَيْهِ

[جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگتا اللہ رب العزت اس سے ناراض ہو جاتے ہیں]

گویا پروردگارِ عالم سے جتنا مانگیں گے وہ اتنا ہی ہم سے راضی ہوں گے۔ یہ مانگنے کی رات ہے لہٰذا خوب دل کھول کر مانگئے گا اس لئے کہ دنیا دار سے نہیں مانگنا۔ دنیا دار سے تو ایک دفعہ مانگیں تو وہ دے دے گا۔ دوبارہ مانگیں تو وہ دے دے گا۔ تیسری چوتھی بار ذرا مانگیں تو وہ تیوری چڑھائے گا، پھر مانگیں گے تو آگے پیچھے

ہو جائے گا، پھر مانگیں گے تو زبان سے صاف کہہ دے گا کہ مجھے پریشان نہ کریں، ہر وقت مانگنے آجاتے ہیں۔ دنیا داروں سے اگر بار بار مانگیں تو وہ ناراض ہو جاتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہ ہے کہ بندہ ایک دفعہ مانگے تو عطا کر دیتے ہیں، دوسری دفعہ مانگے تو تب بھی عطا فرما دیتے ہیں۔ بلکہ جو بندہ ہر وقت اللہ سے مانگے اور ہر چیز اللہ سے مانگے، اللہ تعالیٰ اسے اپنے اولیاء میں شامل فرما لیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ میرا ولی ہے، میرے سوا کسی سے مانگتا ہی نہیں۔ ہر وقت مجھ سے مانگتا ہے اور ہر چیز مجھ سے مانگتا ہے۔

خیر کا ارادہ

ہم خوش نصیب ہیں کہ رب کریم نے ہمیں زندگی میں ایک بار پھر ایسی محفل عطا فرما دی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں بیمار کر دیتے تو ہم ہسپتال میں پڑے ہوتے، اگر کوئی اور ایمرجنسی ہو جاتی تو ہم اِدھر اُدھر بھاگ رہے ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام حالات کو اچھا رکھا اور ہمیں صحت و عافیت کے ساتھ یہاں اکٹھے مل بیٹھنے کی توفیق عطا فرما دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا دینے کا ارادہ ہے، کیونکہ جب کوئی سخی اپنے در پر مانگنے والوں کو بلوائے تو اس کا ارادہ دینے کا ہوتا ہے، اس کو خالی لوٹانے کا ارادہ نہیں ہوتا۔ اگر خالی بھیجنا ہوتا تو بلاتا ہی کیوں؟ بلانا اس بات کی دلیل ہے کہ ارادہ خیر کا ہے۔ اب ہم نے اس خیر کو مانگنے کے طریقے سے مانگنا ہے۔ اگر ایک بندہ کسی کے سامنے مانگنے کے لئے ہاتھ پھیلائے لیکن چہرہ پشت کی طرف کر لے تو دینے والا اس بندے کو کچھ نہیں دے گا۔ وہ الٹا اس سے ناراض ہو جائے گا کہ تم نے تو میری بے عزتی کی ہے کہ تم نے ادھر ہاتھ پھیلایا اور چہرہ دوسری طرف موڑ لیا۔ جس طرح کوئی فقیر ہاتھ پھیلائے اور اپنا رخ موڑ لے تو دینے والا ناراض ہو جاتا ہے اسی

طرح اگر کوئی بندہ مانگنے کے لئے ہاتھ اٹھائے مگر اس کا دل غافل ہو جائے تو اللہ تعالیٰ بھی اس بندے سے ناراض ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا غافل دل سے دعائیں نہ مانگنا بلکہ حاضر دل سے دعائیں مانگنا۔

جماعتی طور پر دعا مانگنے کی فضیلت

میرے دوستو! ہم محتاج اور ضرورت مند ہیں اور جس کو غرض ہوتی ہے وہ مانگتا ہے۔ لہٰذا مقولہ ہے کہ

صَاحِبُ الغَرضِ مَجنُونٌ

[جس کو غرض ہوتی ہے وہ مجنون ہوتا ہے]

کیوں نہ آج کی رات ہم اللہ رب العزت سے دیوانوں کی طرح رو رو کر مانگ لیں اور خیر کے فیصلے کروا لیں۔ یہ کتنا بہتر ہو گا کہ مخلوق کے سامنے ذلت برداشت کرنے کی بجائے آج ہی اپنے رب کے سامنے عاجزی کر لیں۔ یاد رکھیں کہ رب کے سامنے جھکنا عزت ہے اور مخلوق کے سامنے جھکنا ذلت ہے۔ اگر آج کی رات پروردگار کے سامنے جھکیں گے تو عزت ملے گی اور بعد میں سارا سال مخلوق کے سامنے جھکتے پھریں گے تو ذلت ملے گی۔

جماعتی طور پر دعا مانگنے کی اپنی برکت ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ ہم اکیلے دعائیں مانگتے تو ہمارے نامۂ اعمال میں گناہ زیادہ ہونے کی وجہ سے پروردگارِ عالم کی رحمت متوجہ نہ ہوتی لیکن مجمع میں اگر ایک بندہ بھی ایسا ہو جس کی دعا قبول ہو جائے تو سب کی دعاؤں کو قبول کر لیا جاتا ہے۔ اس کی کا طریقہ یہی ہے کہ اگر کوئی جماعتی طور پر دعائیں مانگے تو اگر ایک کی بھی دعا قبول ہو جائے تو اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ سب کی دعائیں قبول فرما لیتے ہیں۔ سورۃ فاتحہ میں انسان اللہ رب العزت کی

تعریف سے بات شروع کرتا ہے اور پھر بعد میں دعائیں مانگتا ہے۔ لیکن اگر اکیلا وہ نماز پڑھ رہا ہو تو وہ واحد کا صیغہ استعمال نہیں کرتا بلکہ جمع کا صیغہ ہی استعمال کرتا ہے۔ وہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ہی کہتا ہے۔ یہ نہیں کہ اگر اکیلے پڑھنا ہے تو اَعْبُدُ اور مل کر پڑھنا ہے تو نَعْبُدُ...... اس میں کیا حکمت تھی؟...... اس میں بندے کو سبق دیا گیا کہ تم اپنے دل میں سوچو کہ اگر میں اکیلا مانگوں گا تو معلوم نہیں کہ قبولیت ہو گی یا نہیں۔ اگر میں اپنے آپ کو جماعت کا ایک فرد سمجھ کر دعا مانگوں گا تو اللہ رب العزت جماعت کی برکت سے میری دعائیں قبول کر لیں گے۔

خیر کے دریا

علماء نے لکھا ہے کہ چار راتوں میں اللہ تعالیٰ خیر کے دریا بہا دیتے ہیں۔

(۱) لیلۃ القدر میں

(۲) شب عرفہ (عرفات کی رات) میں

(۳) لیلۃ البراءۃ (شب براءت) میں

(۴) لیلۃ الجائزہ (عید الفطر کی رات) میں

شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جس طرح انسانوں کی عیدیں ہوتی ہیں اسی طرح شب براءت فرشتوں کی عید ہوتی ہے۔

تین چیزیں تین چیزوں میں

اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں کو تین چیزوں میں چھپا دیا ہے...... اگر بچے کو کوئی چیز ویسے ہی دے دی جائے تو اسے اس چیز کی اتنی قدر محسوس نہیں ہوتی لہٰذا اس کی ماں اس چیز کو کہیں چھپا کر رکھ دیتی ہے اور بچے کو کہتی ہے کہ اسے ڈھونڈو۔ اس کو پتہ

ہوتا ہے کہ اگر یہ اس چیز کو ڈھونڈے گا اور ادھر اُدھر جائے گا تو اس کا شوق بڑھے گا اور اس کے دل میں اس کی قدر آئے گی ...... اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی تین چیزوں کو تین چیزوں میں چھپا دیا ہے۔

(۱) ...... اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا کو اپنی اطاعت میں چھپا دیا ہے ...... لہٰذا مؤمن بندہ ہر طرح کی نیکی کرتا ہے کہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ میری کس نیکی کی وجہ سے راضی ہو جائیں۔

(۲) ...... اللہ تعالیٰ نے اپنی ناراضگی کو اپنی معصیت میں چھپا دیا ہے ...... لہٰذا ایمان والا بندہ ہر قسم کے گناہ سے بچتا ہے کہ معلوم نہیں کہ میرا رب کس گناہ کی وجہ سے ناراض ہو جائے۔

(۳) ...... اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کو اپنی مخلوق میں چھپا دیا ہے ...... اس لئے ہر ایمان والے بندے کی عزت کرنی چاہیے کہ معلوم نہیں کہ کس بندے کا اللہ کے ہاں کیا مرتبہ ہے۔

دنیا میں انسان جو کچھ مرضی کرتا پھرے قیامت کے دن معلوم ہو گا کہ کھوٹا اور کھرا کون ہے۔ ایک مرتبہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ سفر سے واپس آئے۔ کسی نے پوچھا، حضرت! کیسے رہے؟ انہوں نے جواب میں ارشاد فرمایا،

؎ یہاں ایسے رہے کہ ویسے رہے
وہاں دیکھنا ہے کہ کیسے رہے

اتنے انسانوں کی بخشش......!!!

ابنِ ماجہ کی روایت ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایک رات نبی اکرم ﷺ کو بستر پر نہ پایا۔ میں آپ ﷺ کو دیکھنے کے لئے باہر

نکلی تو مجھے جنت البقیع میں سے رونے کی آواز آئی۔ میں اس آواز کی طرف آگے بڑھی تو دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ سجدے کی حالت میں رو رو کر اپنی گنہگار امت کے لئے دعائے مغفرت فرما رہے ہیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ عائشہ! اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر تشریف لاتے ہیں اور آج کی رات میں بنی کلب قبیلے کی بکریوں کے بالوں کے برابر جہنمیوں کو جہنم سے بری فرما دیتے ہیں۔...... بنی کلب مدینہ طیبہ کے قریب ایک مشہور قبیلہ تھا جو بکریاں پالنے میں بڑا مشہور تھا۔ اس قبیلے کے ہر گھر کے اندر سینکڑوں بکریاں ہوتی تھیں...... اب ایک بکری کے بال ہزاروں اور اس قبیلے کے پاس بکریاں بھی ہزاروں...... اتنی تعداد میں انسانوں کی آج کی رات میں بخشش ہوگی۔

مغفرت کا اعلان

سیدنا صدیق اکبر ؓ فرماتے ہیں:

قُمْ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَإِنَّهُ لَيْلَةٌ مُبَارَكَةٌ فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ فِيْهَا هَلْ مِّنْ مُّسْتَغْفِرٍ فَأَغْفِرُ لَهُ

[تم پندرہ شعبان کی رات کو قیام کرو، بے شک یہ ایک مبارک رات ہے، اس میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں کہ ہے کوئی مغفرت چاہنے والا کہ میں اس کی مغفرت کردوں]

ہم مغفرت کی تلاش میں تھے۔ خوش قسمتی سے آج کی رات ایسی آ گئی کہ پروردگار نے خود اعلان کر دیا ہے کہ مغفرت طلب کرنے والے مغفرت طلب کریں تاکہ میں ان کے گناہوں کو معاف کردوں۔

شبِ براءت میں عطائے نبوت

بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت بھی اسی رات میں ملی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی اہلیہ صفورہ سلام اللہ علیہا کو لے کر چل رہے تھے۔ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ آپ آگ لینے کے لئے کوہِ طور پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو پیغمبری عطا فرما دی۔

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھیے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

پتھر دل بھی پیش کر دیں

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ دعا مانگنے کو دل نہیں کرتا۔ جب یہ عاجز یہ بات سنتا ہے تو دل کانپ اٹھتا ہے۔ اس لئے کہ کتابوں میں لکھا ہے کہ اللہ رب العزت جس بندے سے ناراض ہوتے ہیں تو سب سے پہلے یہی کام کرتے ہیں کہ اس سے دعا کی لذت و حلاوت چھین لیتے ہیں۔ جب کوئی بندہ کہتا ہے کہ دعا مانگنے کو دل نہیں کرتا تو وہ یہ کہہ رہا ہوتا ہے کہ میرے رب نے مجھ سے دعا مانگنے کی لذت چھین لی ہے۔

آج کی رات اپنے دل کو حاضر کر کے دعا مانگیں۔ اگر دل پتھر بھی ہے تو اس کو بھی اللہ رب العزت کے حضور پیش کر دیں اور کہیں کہ اے مالک! یہ پتھر دل آپ کے سامنے حاضر کر رہے ہیں، اس پر ایک نظر ڈال کر اس کو موم فرما دیجئے۔

تقدیرِ معلق اور تقدیرِ مبرم

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ ۚ وَ عِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ○

[اللہ تعالیٰ جو کچھ چاہتے ہیں مٹا دیتے ہیں اور جو کچھ چاہتے ہیں برقرار رکھتے ہیں۔ اور اسی کے پاس لوح محفوظ ہے] (الرعد:۳۹)

علمائے کرام نے اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ تقدیر دو طرح کی ہوتی ہے:

(۱) تقدیرِ معلّق

(۲) تقدیرِ مُبرم

جو تقدیر بدل سکتی ہے اسے تقدیرِ معلق کہتے ہیں۔ اس میں اللہ رب العزت کی مرضی سے ردو بدل ہوتا رہتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ روزانہ تین سو تیس (۳۳۰) مرتبہ لوحِ محفوظ پر توجہ فرماتے ہیں۔ پھر اس میں سے جو کچھ چاہتے ہیں مٹا دیتے ہیں اور جو کچھ چاہتے ہیں برقرار رکھتے ہیں۔

تقدیر کا یہ حصہ مشروط ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر......

☆ اگر صدقہ کیا جائے تو بلا اور مصیبت کو ٹال دیا جاتا ہے۔

☆ اگر ماں باپ کی خدمت اور اطاعت کی جائے تو عمر بڑھ جاتی ہے۔

☆ صلہ رحمی عمر میں زیادتی کا سبب بنتی ہے۔

☆ جو کسی غریب کی مدد کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے رزق میں برکت عطا فرما دیں گے۔

☆ اگر کوئی بیمار علاج کرے گا تو اللہ تعالیٰ بیماری کو دور فرما دیں گے۔

☆ مصیبت کا فیصلہ ہونا تھا، بندے نے رو رو کر عاجزی کی، اللہ تعالیٰ نے مصیبت کو دور کر دیا۔

☆ جو بندہ زنا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے عمر کی برکت چھین لیا کرتے ہیں۔

☆ دعا تقدیر کو بدل دیتی ہے۔

اسی لئے حضرت عمرؓ جب بیت اللہ شریف کا طواف کرتے تو رو رو کر یہ دعا مانگتے تھے کہ اے اللہ! اگر آپ نے مجھے اہلِ سعادت میں سے لکھا ہے تو ان میں قائم رکھئے اور میرا نام ان کی فہرست سے نہ مٹائیے۔ اور اگر تو نے میرے لئے شقاوت (بدبختی) لکھی ہے تو میرا نام اہلِ شقاوت کی فہرست سے مٹا کر اہلِ سعادت کی فہرست میں لکھ دیجئے کیونکہ آپ جو کچھ چاہتے ہیں مٹا دیتے ہیں اور جو کچھ چاہتے ہیں برقرار رکھتے ہیں، آپ کے پاس ہی ام الکتاب ہے۔

علما نے لکھا ہے کہ تقدیر میں جو تبدیلی کسی عمل یا دعا کی وجہ سے ہوتی ہے اس سے مراد وہ تقدیر ہوتی ہے جو فرشتوں کے علم میں ہوتی ہے۔ اس میں بعض اوقات کوئی حکم مشروط ہوتا ہے۔ اگر وہ شرط پائی جائے تو وہ حکم بھی لاگو ہوتا ہے اور اگر وہ شرط نہ پائی جائے تو پھر وہ حکم بھی باقی نہیں رہتا۔ بسا اوقات فرشتوں کو اس شرط کا علم ہوتا ہے اور بسا اوقات علم بھی نہیں ہوتا، صرف اللہ رب العزت کے علم میں ہوتی ہے۔ اس لئے جب اللہ تعالیٰ اس حکم کو بدل دیتے ہیں تو فرشتے بھی حیران رہ جاتے ہیں۔

ملا طاہر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے دو بیٹوں حضرت محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ تھے۔ ایک مرتبہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو کشفاً پتہ چلا کہ ملا طاہر کی پیشانی پر "ملا طاہر لاہوری شقی" لکھا ہوا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اسکا تذکرہ اپنے صاحبزادوں سے کر دیا۔ چونکہ حضرت کے صاحبزادے ملا طاہر کے شاگرد تھے اسلئے انہوں نے حضرت سے درخواست کی کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کر دیجئے کہ اللہ تعالیٰ اس شقاوت کو مٹا کر سعادت سے بدل دیں۔ چنانچہ حضرت نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! ملا طاہر لاہوری کی پیشانی سے شقی کا لفظ مٹا کر سعید کا لفظ تحریر فرما دیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت کی دعا

قبول فرمالی اور ملا طاہر لاہوری کی پیشانی پر شقی کے لفظ کی بجائے سعید کا لفظ لکھ دیا گیا۔

جو تقدیر نہیں بدل سکتی اسے تقدیرِ مبرم کہتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اٹل قسم کے فیصلے ہوتے ہیں اور یہ فیصلے کسی عمل یا دعا کے ساتھ مشروط نہیں ہوتے۔ اس لئے ان کو بدلا نہیں جا سکتا۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انسان کی تقدیر کا بیشتر حصہ مشروط ہوتا ہے، بہت تھوڑا حصہ اٹل ہوتا ہے، وہ ہو کر ہی رہتا ہے چاہے جو مرضی ہو جائے۔ میرے دوستو! جب بہت تھوڑا حصہ مشروط ہے تو کیوں نہ ہم رو دھو کر اللہ رب العزت کو منالیں۔

دو محروم بندے

حدیثِ پاک میں آیا ہے کہ آج کی رات میں بڑے بڑے گناہگاروں کی مغفرت ہو جاتی ہے سوائے دو بندوں کے۔

(۱) شرک کرنے والا

(۲) دل میں کینہ رکھنے والا

ایک شرک جلی ہوتا ہے اور ایک شرک خفی ہوتا ہے۔ شرک جلی غیر اللہ کے سامنے جھکنے کو کہتے ہیں۔ مثلاً بت کے سامنے جھکنا وغیرہ۔ اور شرک خفی اپنے نفس کے سامنے جھکنے اور اس کی خواہشات کو پورا کرنے میں لگ جانے کو کہتے ہیں۔ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایمان حقیقی کی لذت اس وقت تک نصیب نہیں ہوتی جب تک کہ بندہ شرک جلی اور شرک خفی دونوں سے توبہ نہ کرے۔ اگر آپ غور کریں تو پتہ چلے گا کہ آج دل میں نفسانی، شہوانی اور شیطانی محبتیں بھری پڑی

ہیں۔ یہ سب نفس کی شرارتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ

[کیا دیکھا آپ نے اس کو جس نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنالیا]

گویا رب کو معبود ماننا چھوڑ دیا اور اپنے نفس کو معبود بنالیا۔ اس آیت مبارکہ سے پتہ چلا کہ خواہشات کی پیروی اور پوجا کرنا شرک ہے۔ لہٰذا اگر دلوں میں نفسانی، شہوانی اور شیطانی محبتیں موجود ہیں تو ان سے آج سچی پکی توبہ کرلیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی وجہ سے آج کی برکت سے محروم ہو جائیں۔

دوسری بات کینہ ہے۔ کسی انسان کے دل میں رنجش اور دشمنی ہونے کو کینہ کہتے ہیں۔ اس کی وجہ سے انسان اس کے ساتھ مقابلہ بازی، ضد بازی اور دشمنی کرتا ہے۔ اگر آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ بہو کے بارے میں ساس کے دل میں کینہ ہوتا ہے، ساس کے بارے میں بہو کے دل میں کینہ ہوتا ہے، کئی جگہوں پر تو میاں بیوی کے دلوں میں ایک دوسرے کے بارے میں کینہ ہوتا ہے، دوستوں کے دل میں دوستوں کے بارے میں کینہ ہوتا ہے، کئی جگہوں پر بہنوں کا آپس میں کینہ چلتا ہے، بھائیوں کا آپس میں کینہ چلتا ہے اور بہن بھائی بھی آپس میں کینہ رکھتے ہیں۔ جب تک یہ کینہ بھی دل سے نہیں نکلے گا اس وقت تک آج کی دعائیں قبول نہیں ہوں گی۔ ہم دعا مانگنے سے پہلے ان دونوں گناہوں سے سچی توبہ کرلیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہم ان کی وجہ سے مغفرت سے محروم ہو جائیں۔

اچھے گمان سے دعا مانگیں

حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ

میں بندے کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا وہ میرے ساتھ گمان کرتا ہے۔

اس لئے اگر آج ہمارا گمان یہ ہوا کہ پتہ نہیں میری دعا قبول ہوتی ہے یا نہیں تو پھر ہماری دعا یقیناً قبول نہیں ہوگی، اگر یہ گمان ہوا کہ جی ہماری تو وہ سنتا ہی نہیں (معاذ اللہ) تو وہ یقیناً نہیں سنیں گے اور اگر یہ گمان ہوا کہ ہم پر اللہ تعالیٰ یقیناً رحمت فرمائیں گے تو پھر یہ دعا اللہ تعالیٰ کے ہاں یقیناً قبول ہو جائے گی۔

قبولیتِ دعا کے واقعات

کون کہتا ہے کہ دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ قبول ہوتی ہیں مگر اس کے لئے دل کے یقین کی ضرورت ہوتی ہے۔ یقین کیجئے کہ ہم نے اپنی زندگی میں قبولیتِ دعا کے سینکڑوں واقعات دیکھے ہیں۔ مثال کے طور پر......

☆...... ہمارے ایک دوست چیف انجینئر تھے۔ اللہ کی شان کہ وہ ایک دفعہ پاگل ہو گئے۔ حتیٰ کہ ڈاکٹروں نے لاعلاج قرار دے دیا۔ ہمیں کئی مہینوں کے بعد پتہ چلا۔ ہم ان سے ملنے کے لئے ان کے گھر گئے۔ ہم یہ دیکھ کر حیران ہو گئے کہ ان کو ان کے گھر والوں نے باندھا ہوا تھا کیونکہ ان کی عقل کام نہیں کرتی تھی اور ان کو اپنے نفع نقصان کا پتہ نہیں تھا۔ ان کے بیوی بچوں کا رو رو کر برا حال تھا۔ ذکر و فکر کرنے والے چند نیک لوگ وہاں تشریف لے گئے۔ ہم بھی ان کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔ اللہ کے نیک بندوں نے وہاں بیٹھ کر اللہ تو بہ کی اور پھر ان کے لئے دعا مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے وہ دعا قبول کر لی۔ اور بغیر علاج کے ان کو دوبارہ عقل کی نعمت عطا فرما دی۔ اس وقت وہ سعودی عرب میں دوبارہ چیف انجینئر کے طور پر کام کر رہے ہیں۔

☆...... ہمارے ایک دوست ڈاکٹر تھے۔ ایک دن وہ اپنے کلینک میں آئے۔ گاڑی

سے اترے تو اترتے ہی ان کی آنکھوں کی بینائی زائل ہوگئی۔ جب وہ کسی آدمی کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر پہنچے تو گھر میں کہرام مچ گیا۔ گھر والوں کا رو رو کر برا حال ہوگیا۔ انہوں نے ملک کے صدر کے آئی سپیشلسٹ کو بلا کر بھی چیک کروایا مگر اس نے بھی جواب دے دیا کہ یہ بینائی واپس نہیں آسکتی۔ چنانچہ وہ نا امید ہو کر بیٹھ گئے۔ اللہ کی شان کہ وہ سلسلے کے دوست تھے۔ دوستوں کو پتہ چلا تو ذکر و فکر کرنے والے دوست وہاں پہنچ گئے۔ ہم بھی ان دوستوں کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔ سب نے مل کر وہاں اللہ توبہ کی اور انکے لئے دعائیں کیں۔ الحمد للہ، ہم نے اپنی زندگی میں اس ڈاکٹر کی بینائی کو لوٹتے ہوئے دیکھا ہے۔ اللہ رب العزت نے بغیر دوائی کے ان کی آنکھوں کی بینائی لوٹا دی۔

رحم کی اپیل

دل سے غلط محبتوں کو نکال دیجئے اور سینہ صاف کر لیجئے۔ کہیں کوئی ایسا ویسا تعلق ہے تو آج اس تعلق سے سو فیصد توبہ کر لیجئے۔ دل میں کہیں گناہ کا ارادہ پھنسا ہوا ہے تو آج اس ارادے کو دل سے نکال لیجئے۔ اگر دل میں کسی کے بارے میں کینہ ہے تو آج اس کینے کو بھی دل سے نکال دیجئے، پھر دیکھئے کہ اللہ کی رحمت کیسے چھم چھم برستی ہے۔

یہ بات یاد رکھئے کہ اگر ہم پر گناہوں کا مقدمہ چلایا جائے گا تو ہم ہار جائیں گے اس لئے کہ ہم گنہگار ہیں۔ مقدمے کے بعد ایک چیز ''رحم کی اپیل'' ہوتی ہے۔ اب ہماری حالت اس بندے کی سی ہے جو مجرم ہے اور اپنے کسی بڑے کے سامنے رحم کی اپیل کر رہا ہے۔ ہم بھی اپنے پروردگار سے رحم کی اپیل کر رہے ہیں۔ اگر رحم فرما دے تو ہماری بگڑی بن جائے گی۔ وہ تو بڑا کریم اور مہربان پروردگار ہے۔ اس

پروردگار نے تو ابلیس کی بھی دعا قبول کر لی تھی۔ اس نے کہا تھا،

رَبِّ اَنْظِرْنِیْ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ

[اے اللہ! مجھے قیامت تک مہلت دے دیجئے]

علماء نے لکھا ہے کہ فرعون کے زمانے میں ایک مرتبہ دریائے نیل بند ہو گیا۔ وہ بڑا پریشان تھا۔ چنانچہ اس نے تنہائی میں دعا مانگی کہ اے اللہ! میں لوگوں کے سامنے تو خدائی کا دعویٰ کرتا ہوں لیکن اب میں پریشان ہو چکا ہوں، اب اگر تو موجود ہے تو اس دریائے نیل کو پھر جاری کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مردود کی دعا قبول کر کے دریائے نیل کو جاری کر دیا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ ایسے خطا کار لوگوں کی دعائیں قبول کر لیتا ہے تو پھر ایمان والوں کی دعا میں یہ قبول نہیں فرمائیں گے۔

استغفار اور صفتِ ربوبیت

طالب علموں کے لئے ایک علمی نکتہ عرض کرتا ہوں ..... قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی استغفار کا لفظ آیا ہے وہاں اللہ رب العزت نے اکثر و بیشتر اپنی صفت ربوبیت کا ذکر ضرور کیا ہے۔ مثال کے طور پر......

...... فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ

...... فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ

...... فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْهُ

اللہ تعالیٰ خالق اور مالک بھی ہیں۔ اور استغفار کے ساتھ اپنی خالقیت یا مالکیت والی صفت بھی بیان کر سکتے تھے۔ لیکن فقط ربوبیت والی صفت بیان فرمائی ہے۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنی ربوبیت کا تذکرہ کیوں فرمایا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رب وہ ذات ہے جو انسان اور باقی تمام

ذی روح اشیاء کی پرورش کرتی ہے، اس لئے اللہ رب العزت نے یہاں رب کا لفظ استعمال فرمایا۔ چونکہ ماں باپ مجازی طور پر بچے کی پرورش کرتے ہیں اس لئے یہ ربوبیت اور تربیت کا لفظ ان کے لئے بھی استعمال کیا گیا۔ کَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا یہ قرآن مجید کے الفاظ ہیں جو ماں باپ کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔

ماں باپ چونکہ بچے کی پرورش کرتے ہیں اس لئے ان کو بچے کے ساتھ ایک فطری لگاؤ ہوتا ہے۔ ماں زیادہ وقت لگاتی ہے اس لئے اسے باپ کی نسبت بچے سے زیادہ محبت ہوتی ہے...... ماں کو اپنے بچے سے کتنی محبت ہوتی ہے؟...... اگر بچہ دوسرے کمرے میں روئے تو ماں کبھی نہیں بیٹھے گی، وہ کھانا اور سب کام چھوڑ کر اور راستے کی رکاوٹ دور کر کے بچے کے پاس پہنچ جائے گی۔ اگر کوئی نہیں پہنچنے دے گا تو اس کی آنکھوں میں سے آنسو جاری ہو جائیں گے اور وہ مچھلی کی طرح تڑپنے لگ جائے گی۔ اس لئے کہ ماں کو بچے کے ساتھ ایک جذباتی لگاؤ ہوتا ہے۔ بلکہ اگر بیٹا اپنا نہ بھی ہو، بھائی کا بیٹا پالا ہوا ہو تو اس پالنے کی وجہ سے اس بچے کے ساتھ بھی اس کو فطری محبت ہو جاتی ہے۔ وہ اسے اپنے بیٹوں سے بھی بڑھ کے پیارا لگتا ہے۔ ...... اللہ رب العزت نے جہاں استغفار کا لفظ ارشاد فرمایا وہاں اپنی صفت ربوبیت کا تذکرہ بھی فرمایا۔ گویا اللہ تعالیٰ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ،

''اے میرے بندو! ماں نے تم کو پالا ہے اور ماں کو تم سے محبت ہے، میں بھی تمہارا پالنے والا ہوں مجھے بھی تم سے محبت ہے۔ تم بچپن میں ماں کے سامنے روتے تھے تو وہ تمہاری ضرورتیں پوری کرتی تھی اور اب اگر تم میرے سامنے روؤ گے تو میں تمہارے اس رونے کو قبول کرلوں گا، مانگو گے تو میں تمہیں کبھی انکار نہیں کروں گا، میرے در پر آ کر جھکو گے تو میں تمہیں دھکے نہیں دوں گا۔ میں تمہیں بے سہارا نہیں

کروں گا، میں تمہیں غیروں کے حوالے نہیں کروں گا، میں پروردگار ہوں، میں نے تمہیں پالا ہے، اب تم استغفار کرو اس پروردگار کے سامنے جس نے تمہیں بچپن سے پال کر جوان کیا اور جوانی سے پال کر بڑھاپے تک لے آیا''

گناہوں کو بخشوانے کا وقت

میرے دوستو! یقین کیجئے کہ ہم نے اتنے گناہ کیے ہیں کہ ہمارے سر پر پہاڑوں جیسے بوجھ ہیں۔ اگر وہ بوجھ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نے کھول دیئے تو کتنی شرمندگی ہوگی۔ آج ان گناہوں کو بخشوانے کا وقت ہے۔ رب کریم وہ ذات ہے جو ان گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل فرما دے تو اس کو کوئی پوچھنے والا بھی نہیں۔ وہ پروردگار چاہیں گے تو ہمارے مقدر کے فیصلے فرما دیں گے اور ہمیں اللہ رب العزت اپنے نیک بندوں میں شامل فرما دیں گے۔ ہم جو سوچتے پھرتے ہیں کہ ہمارے دل پتھر ہیں تو آج اس پتھر کو موم کروانے کی ضرورت ہے۔ لہٰذا اب اللہ رب العزت سے دعا کیجئے کہ پروردگارِ عالم ہم پر اپنی رحمت فرما دے اور ہماری دعاؤں کو قبول فرما لے۔ (آمین ثم آمین)

واٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین ۔

﴿اشعار مراقبہ﴾

دل مغموم کو مسرور کر دے
دل بے نور کو پر نور کر دے
فروزاں دل میں شمع طور کر دے
یہ گوشہ نور سے معمور کر دے
ہے میری گھات میں خود نفس میرا
خدایا! اس کو بے مقدور کر دے
مئے وحدت پلا مخمور کر دے
محبت کے نشے میں چور کر دے
میرا ظاہر سنور جائے الٰہی!
میرے باطن کی ظلمت دور کر دے

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ کی دیگر کتب

- خطبات فقیر (بارہ جلدیں)
- مجالس فقیر (پانچ جلدیں)
- مکتوبات فقیر
- حیات حبیب (سوانح حیات)
- عشق الٰہی
- عشق رسول ﷺ
- باادب بانصیب
- لاہور سے تا خاک بخارا و سمرقند (سفرنامہ)
- قرآن مجید کے ادبی اسرار ورموز
- نماز کے اسرار ورموز
- رہے سلامت تمہاری نسبت
- موت کی تیاری
- کتنے بڑے حوصلے ہیں پروردگار کے
- پریشانیوں کا حل
- دعائیں قبول نہ ہونے کی وجوہات
- محسنین اسلام
- حیاء اور پاکدامنی

مکتبۃ الفقیر کی کتب ملنے کے مراکز

- دارالعلوم جھنگ، پاکستان 0471-622832,625707
- مدرسہ تعلیم الاسلام، سنت پورہ فیصل آباد 041-618003
- معہد الفقیر گلشن بلاک، اقبال ٹاؤن لاہور 042-5426246
- جامعہ دارالہدیٰ، جدید آبادی، بنوں 0928-621966
- دارالمطالعہ، نزد پرانی ٹینکی، حاصل پور 0696-42059
- ادارہ اسلامیات، 190 انارکلی لاہور 7353255
- مکتبہ مجددیہ، اردو بازار لاہور
- مکتبہ رشیدیہ، راجہ بازار راولپنڈی
- اسلامی کتب خانہ، بنوری ٹاؤن کراچی
- مکتبہ قاسمیہ، بنوری ٹاؤن، کراچی
- دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی
- عبدالوہاب، پنجاب کالونی، نزد رضوان مسجد کراچی 021-5877306
- مکتبہ حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد مدظلہ العالی مین بازار، سرائے نورنگ PP 09261-350364
- حضرت مولانا قاسم منصور صاحب ٹیپو مارکیٹ، مسجد اسامہ بن زید، اسلام آباد 051-2262956
- جامعۃ الصالحات، محبوب سٹریٹ، ڈھوک مستقیم روڈ، پیرودھائی موڑ پشاور روڈ راولپنڈی

مکتبۃ الفقیر 223 سنت پورہ فیصل آباد